حضرت عثمانؓ کے سرکاری خطوط

ڈاکٹر خورشید احمد فارق
پروفیسر دہلی یونیورسٹی

ادارۂ اسلامیات لاہور

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سرکاری خطوط

ڈاکٹر خورشید احمد فارق

پروفیسر دھلی یونیورسٹی

اِدارہ اسلامیات ○ ۱۹۰۔انارکلی لاہور

اشاعتِ اول : مئی ۱۹۷۸ء

باہتمام : اشرف برادرز لاہور

مطبع : وفاق پریس۔ لاہور

قیمت : مجلد -/۱۵

ملنے کے پتے :

ادارۂ اسلامیات : ۱۹۰۔ انارکلی۔ لاہور

دار الاشاعت : اردو بازار۔ کراچی ۱

ادارۃ المعارف : ڈاکخانہ دار العلوم کراچی ۱۴

مکتبہ دار العلوم : کراچی ۱۴

فہرست مضامین

نقشہ مقابل صفحہ ۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

۱۹۵۹ء میں پہلی بار عمر فاروق کے اور ۱۹۶۰ء میں ابوبکر صدیق کے سرکاری خطوط ندوۃ المصنفین دہلی نے چھاپے تھے اور اب تیسرے خلیفہ عثمان غنی کے سرکاری خطوط اسی ادارے کی طرف سے پیش کیے جا رہے ہیں، اس سلسلہ کی آخری کڑی یعنی علی حیدر کے خطوط (اور تقریریں بھی) الگ بھگ ہزار سال پہلے شاعر و ادیب رضی بغدادی نے جمع کئے تھے جو نہج البلاغہ کے نام سے مشہور رہیں، یہ خطوط بے سیاق و سباق تھے، اس کمی کو سوا سو برس بعد مشہور معتزلی عالم ابن ابی الحدید مدائنی نے شرح نہج البلاغہ لکھ کر پورا کر دیا اور اب سُنا ہے نہج البلاغہ کا اُردو ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہے، اس طرح خلفائے اربعہ کی سرکاری تحریروں کا سٹ بڑی حد تک تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ عثمان غنی کے خطوط چند سال پہلے جب بشکل مضامین چھپے تھے تو ان کی تعداد پچاس سے کم تھی اب ستر سے زیادہ ہے یہ تعداد عثمان غنی کے مکتوبہ خطوط کا بہت ہی چھوٹا حصہ ہے، انہوں نے بارہ سال حکومت کی اور علی أقل التقدیر اگر یومیہ پانچ خطوں کا ہی اوسط رکھا جائے تب بھی اُن کے خطوط کی تعداد بیس ہزار سے زیادہ ہوتی ہے، افسوس ہے کہ یہ خط محفوظ نہیں رہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو محفوظ رکھنے کا اُس زمانہ میں کوئی انتظام نہ تھا، عہدِ حاضر میں ہر سرکاری تحریر کی کئی کئی کاپیاں لے لی جاتی ہیں اور ایک دو سرکاری ریکارڈ میں محفوظ بھی کر لی جاتی ہیں، اُس زمانہ میں طریقہ یہ تھا کہ جب خلیفہ اپنی طرف سے کسی گورنر یا کمانڈر کو کوئی فرمان بھیجتا تو ایک چھوٹے کاغذ یا چمڑے پر اس کا لب لباب قلمبند کر دیتا اور متعلقہ تفصیلات

اپنے ایلچی کو سمجھا دیتا جن کو وہ زبانی گورنر یا کمانڈر سے جا کر کہہ دیتا، اگر خلیفہ کو گورنر یا کمانڈر کے مراسلہ کا جواب دینا ہوتا تو وہ بالعموم اسی مراسلہ کے نیچے یا اس کی پشت پر مختصر حکم لکھ دیتا اور گورنر یا کمانڈر کے سفیر کو متعلقہ ہدایات زبانی دے دیتا جن سے وہ جا کر اپنے مرسل کو مطلع کر دیتا، خلیفہ کا خط پا کر اور متعلقہ ہدایات سفیر کی زبانی سُن کر گورنر تعمیلِ حکم میں لگ جاتا، خط کو دھو کر اور اس کا کاغذ سکھا کر یا تو آئندہ استعمال کے لئے رکھ لیا جاتا یا وہ کسی ایسی جگہ ڈال دیا جاتا جہاں سے چند دنوں میں ضائع ہو جاتا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ستر سے زیادہ خطوط جو اس مجموعہ میں شامل ہیں وہ کس طرح محفوظ رہ گئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اپنی موجودہ شکل میں یہ وہ خط نہیں ہیں جو عثمان غنی نے فی الواقعہ تحریر کئے تھے بلکہ یہ وہ خط ہیں جو ان کی طرف منسوب کئے گئے ہیں، ان خطوط کو تین صنفوں میں رکھا جا سکتا ہے: ایک وہ جن کے مضمون میں راویوں کی طرف سے لفظاً و معناً کم اضافے ہوئے ہیں، دوسرے وہ جن کے مضمون میں راویوں کی طرف سے لفظاً و معناً زیادہ اضافے ہوئے ہیں اور تیسرے وہ جن کی کوئی اصل نہیں، جن کو راویوں نے کسی مصلحت یا غرض کے ماتحت وضع کر دیا تھا، پیشِ نظر مجموعۂ خطوط میں ان تینوں صنفوں کے خط موجود ہیں اور یہ تینوں صنفیں عثمان غنی کے خطوں کی طرح دوسرے خلفاء کے خطوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔

اسلام کے بعد عربوں نے جن علوم کی طرف سب سے پہلے اور سب سے زیادہ توجہ دی وہ یہ تین تھے: حدیث، تاریخ اور تفسیر، حجاز کے عربوں میں نہ علمی ماحول تھا نہ علمی روایات، ان کے ہاں صرف شعر و نسب دو علم تھے جن سے دلچسپی لی جاتی تھی، چونکہ کاغذ کمیاب اور نہایت گراں تھا اور حجازی عربوں کا سوادِ اعظم قلاش اور خانہ بدوش، وہ شعر و نسب کو کاغذ کی بجائے حافظہ میں محفوظ کرنے کے عادی تھے اور دونوں کو زبانی روایت کے ذریعہ پیڑھی بہ پیڑھی منتقل کیا کرتے تھے، پڑھنے لکھنے کا کچھ چرچا شہروں میں

ضرور تھا، خاص طور پر خوش حال تاجر جن کا بیرونی ملکوں سے تجارتی تعلق ہوتا، جیسے طائف کے ثقیف، مکہ کے قریش اور یثرب (مدینہ) کے یہودی، کاروباری خط و کتابت کرنے اور حساب کتاب رکھنے کے لئے معمولی لکھنا پڑھنا جانتے تھے، جن لوگوں نے حدیث، تاریخ اور تفسیر کی اشاعت و تعلیم کی ابتدا کی وہ سب عرب تھے اور صحابی، صحابہ میں صرف تھوڑے اشخاص معمولی پڑھے لکھے تھے، ان کی اکثریت ناخواندہ تھی، خواندہ صحابہ میں بیشتر ثقیف اور قریش کے خوشحال تاجر تھے جن کو شام، عراق، مصر اور حبشہ جیسے متمدن ملکوں کے سفر کا تجربہ تھا اور جن کا افق ذہنی وہاں کے متمدن ماحول میں بود و باش سے نسبتہً وسیع ہو گیا تھا، جمہور صحابہ ریگستانوں میں پلے بڑھے تھے اور ان کا تعلق غریب، پسماندہ اور جاہل ماحول سے تھا، اس کے علاوہ بعض صحابہ رسول اللہؐ کی صحبت میں زیادہ رہے تھے، بعض کم، بعض کا حافظہ اچھا تھا، بعض کا کمزور، چونکہ صحابہ کا ماحول اور ان کی فکری اور علمی سطح ایک دوسرے سے مختلف تھی، اس لئے ان کے اعمال، ان کی سیرت اور رمیلانات بھی ایک دوسرے سے مختلف تھے۔

رسول اللہؐ اور ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں حدیث، تاریخ اور تفسیر کی تعلیم و اشاعت جزیرہ کے مختلف دیہاتوں، بستیوں اور شہروں تک ہی محدود رہی، لیکن عمر فاروقؓ کے زمانۂ خلافت میں (۱۳-۲۳ھ) عربوں نے شام، عراق، مصر، فارس اور دوسرے ملک فتح کئے تو بہت سے صحابہ جن کی اکثریت غیر قریشی اور دیہاتی عربوں پر مشتمل تھی، مفتوحہ شہروں اور عرب چھاؤنیوں میں آباد ہو گئے، ان شہروں اور چھاؤنیوں میں تین طرح کے لوگ تھے: ایک عرب جو جزیرہ کے دیہاتوں سے فوج میں بھرتی ہو کر آتے تھے اور جاہل ناتراشیدہ تھے، دوسرے غیر عرب نومسلم جو عام طور سے پڑھے لکھے تھے اور جن کا تعلق فارس، شام، اور مصر کی متمدن اقوام سے تھا اور تیسرے غیر مسلم ذمی جو شکست کھا کر عربوں کے ماتحت اور باجگذار ہو گئے تھے، نئے ماحول میں صحابہ کو بہت اعزاز حاصل ہوا اور نئے اسلامی

عرب معاشرہ پر انہوں نے اپنا سکہ جمالیا، فوجی عرب اور غیر عرب نومسلم وفورِ عقیدت سے رسول اللہ ؐ کی حدیثیں ان سے پوچھا کرتے اور اپنے گوناگوں شخصی، مذہبی، قانونی، ازدواجی اور مالی معاملات میں ان کی طرف رجوع کرتے اور ان کو اپنا مطاع و مقتدا سمجھتے، ذمی ان کو حکمراں پارٹی کا رکن سمجھ کر ان کا احترام کرتے، مفتوحہ ملکوں میں بسنے والے ان صحابہ میں سے کچھ کاروبار میں لگ گئے، جو تیز، بارسوخ اور باشعور تھے سرکاری عہدوں پر فائز ہو گئے اور ان کی ایک اچھی خاصی تعداد نے اپنے اپنے محلّوں کی مسجدوں میں تعلیمی حلقے کھول لئے، ان حلقوں میں حدیث، تاریخ اور تفسیر کی تعلیم دی جاتی تھی، یہ وہ مضمون تھے جن کی مانگ تھی، جن سے کم و بیش صحابہ واقف تھے اور جن کے ذریعہ رسول اللہؐ، تاریخِ اسلام اور قرآن سے واقفیت ممکن تھی، مفتوحہ ملکوں میں آکر بسنے والے عرب فارغ البال تھے، حکومت کی طرف سے ان کی تنخواہیں اور راشن مقرر تھے، حکمراں قوم کے ممبر ہونے کے باعث ان شہروں اور چھاؤنیوں کے نئے معاشرہ میں ان کو عزت اور وجاہت بھی حاصل تھی، اس لئے تعلیمی حلقوں میں ان کی شرکت کا اصل محرک دین، اسلام اور اس کے قانون سے متعارف ہونا تھا، اس کے برخلاف غیر عرب نومسلم (موالی) تین مشکلات میں مبتلا تھے: (۱) معاشرتی مشکل (۲) اقتصادی مشکل اور (۳) دینی مشکل، متمدن اقوام سے تعلق رکھنے، خواندہ اور مسلمان ہونے کے باوجود عرب معاشرہ میں ان کو عزت و وقار حاصل نہ تھا، وہ یا تو میدانِ جنگ میں گرفتار ہو کر غلام بنا لئے گئے تھے اور بعد میں زرِ آزادی ادا کرکے آزاد ہو گئے تھے یا ان کا تعلق مفتوحہ اقوام سے تھا جو شکست کھا کر اصولاً غلام بن گئی تھیں لیکن جن کو قومی مصالح کی بنا پر فاتحین نے آزاد چھوڑ دیا تھا. نومسلموں کو عربوں کے برابر درجہ حاصل نہ تھا، وہ عرب عورتوں سے شادی نہیں کر سکتے تھے، وہ دوسرے درجہ کے شہری تھے، عربوں کی خدمت، معاونت اور چاکری کے لئے وقف، اقتصادی اعتبار سے بھی ان کی حالت زبوں تھی

. . . .

. . . . دینی میدان میں ان کی واقفیت نماز، روزہ اور زکوٰۃ سے زیادہ نہ تھی، ان تینوں مشکلات پر قابو پانے کے لئے یعنی معاشرہ میں عزت، حکومت کے عہدے اور دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے لئے سب سے مؤثر تدبیر یہ تھی کہ وہ حدیث، تاریخ اور تفسیر میں دستگاہ حاصل کریں چنانچہ وہ بڑے شوق، نیازمندی اور عقیدت سے صحابہ کے درسی حلقوں میں داخل ہو گئے۔

معلم صحابہ نہ تو کسی کتاب سے درس دیتے تھے نہ ان کے پاس لکھا ہوا قرآن تھا، رسول اللہؐ کی جو باتیں نماز، روزہ، معاملات، سیرت و اخلاق سے متعلق یا رسول اللہؐ کے جو غزوات اور فتوحات ان کو معلوم ہوتے یا قرآن کی جو آیتیں ان کو یاد ہوتیں وہ اپنے شاگردوں کو تھوڑا تھوڑا کر کے ذہن نشین کرا دیتے اور قرآن کے مشکل الفاظ کی تفسیر اگر ان کو معلوم ہوتی یا رسول اللہؐ سے سنی ہوتی تو وہ بھی بتا دیتے، چونکہ اسلام سے پہلے ان کے ہاں علمی روایات یا لکھت پڑھت کا ماحول نہ تھا وہ کتاب کی جگہ زبانی روایت کے ذریعہ معلومات منتقل کرنے اور تحریر کی جگہ حافظہ میں علم مقید کرنے کے سینکڑوں برس سے عادی رہے تھے اس لئے وہ اپنے شاگردوں کو حدیث، تاریخ اور تفسیر لکھنے کی اجازت نہ دیتے تھے اور اصرار کرتے تھے کہ ان کے ملفوظات ذہن میں مرتسم کئے جائیں اپنے اس اصرار کی توجیہ وہ رسول اللہ کی طرف منسوب کردہ اس قول سے کیا کرتے تھے کہ میری حدیثیں لکھا نہ کرو، ان کی زبانی اشاعت کر سکتے ہو۔" ہر چند کہ تحریر کے بارے میں سارے صحابہ کا موقف ایک نہ تھا اور بعض تحریر کے حق میں تھے، لیکن چونکہ اکثریت کا موقف امتناعی تھا اس لئے قدرتی طور پر یہی چل بھی نکلا، اکثر صحابہ کے شاگرد۔ عرب اور موالی دونوں، اسی موقف کے حامی ہو گئے" اور جب تعلیم سے فارغ ہو کر اپنے درسی حلقے کھولتے تو تحریر و کتابت کی اجازت وہ بھی نہ دیتے تھے۔

رسول اللہؐ کی صحبت، اولین حامل اسلام، نیز حدیث، قرآن اور تاریخ کے عالم

مفسر اور ترجمان ہونے پر تو نازاں تھے ہی. موالی طالب علموں کی نیازمندی، عقیدت بلکہ شیفتگی نے عام طور سے صحابہ میں تمکنت پیدا کر دی جس نے جلد ہی علمی انانیت کی شکل اختیار کر لی، صحابہ کے بعد حدیث، تاریخ اور تفسیر کی تعلیم و اشاعت پر بالعموم غیر عرب نومسلم (موالی) چھا گئے، اور جہاں انہوں نے صحابہ سے علم حاصل کیا وہاں صحابہ کی علمی انانیت بھی اپنالی، جوں جوں حدیث، تاریخ اور تفسیر کی اشاعت و تدریس کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور شاگردانِ صحابہ کے حلقوں میں طالب علموں کی تعداد بڑھتی گئی، نیز نادار موالی کے علاوہ خوش حال اور حاکم گھرانوں کے عرب لڑکے ان میں داخل ہونے لگے، تابعی معلموں کی علمی انانیت میں بھی اضافہ ہوتا گیا، ان میں علمی رقابت، مسلکی ضد اور دنیا پسندی پیدا ہونے لگی، ان صفات کا تقاضہ تھا کہ جن احادیث و سنن، واقعات اور تفسیر کے وہ خود حامل تھے، جن کو انہوں نے اپنے صحابہ شیوخ سے اخذ کیا تھا وہی مستند، درست اور حجت قرار پائیں اور جن احادیث، واقعات اور تفسیر کی دوسرے صحابہ شیوخ نے دوسرے حلقوں یا بستیوں یا شہروں میں تعلیم دی تھی ان کو ضعیف غیر مستند اور نامقبول قرار دیا جائے، دوسرے لفظوں میں حدیث و آثار کی صحت کا پیمانہ تحقیق، کھوج، درایت اور تقابل کی جگہ افراد بن گئے اور یہ کہاوت صادق آئی کہ یعرِفون الحقَ بالرجال ولا یعرفون الرجالَ بالحق، عربی حکومت کی ساری بستیوں اور بالخصوص صدر مقاموں میں جو خلیفہ، گورنر اور بڑے حکام کے مستقر تھے (جیسے مکہ، مدینہ، صنعا، بصرہ، کوفہ، اصفہان، حمص، دمشق اور فسطاط) علمی انانیت علمی رقابت، مسلکی ضد اور جاہ پسندی کی ہوا چل نکلی، ان صفات کے زیر اثر سنن، آثار، تاریخ اور تفسیر کے میدان میں بڑے پیمانہ پر وضع[1] کا دروازہ کھل گیا، وضع کی بنیاد رسول اللہ کے زمانہ میں ہی پڑ گئی تھی. خلفائے اربعہ کے عہد میں وضع کا کاروبار اتنا فروغ پر تھا کہ

۱؎ وضع حدیث کے موضوع پر دیکھئے فجر الاسلام احمد امین مصر ۱۹۳۵ء ص ۲۵۵، ۲۰۴، و کنز العمال متقی برہانپوری حیدرآباد ہند ۱۳۱۳ھ ۲۹/۵ و طبقات ابن سعد لائیڈن ۱/۲/۱۰ -

ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی کسی صحابی کی حدیث بغیر شاہد کے نہیں تسلیم کرتے تھے اور علی حیدر صحابی کی حدیث حلف لے کر مانتے تھے، بیرونی فتوحات کے بعد عرب زندگی عہدِ نبوی کی سادہ، بے تنوع اور بدّوی معیشت کے مقابلہ میں کافی پیچیدہ ہوگئی تھی اور ایسے ایسے مسائل رونما ہونے لگے تھے جن کا حل نہ قرآن میں تھا نہ حدیث میں، ہر چند کہ خلفائے اربعہ اپنے فرائض کی انجام دہی اور اپنی زندگی کے معاملات میں بوقت ضرورت بلا تکلف اجتہاد ورائے سے کام لیتے تھے جمہور صحابہ جن کا ذہنی افق بالعموم پست تھا اجتہاد ورائے کے مخالف تھے، کوئی عرب یا نومسلم شاگرد جب ان کے سامنے ایسے مسائل لے کر آتا جن کا حل قرآن وحدیث میں نہ ہوتا اور ایسے مسائل بہت تھے اور بڑی تیزی سے بڑھتے جارہے تھے، تو وہ بالعموم اپنے اجتہاد سے کام لیتے اور اپنی رائے کو حدیث کا نام دے کر پیش کر دیتے، ان کی علمی انانیت اپنے شاگردوں عقیدتمندوں اور نیاز مندوں سے یہ کہتے شرماتی اور یہ اعتراف کرتے تو ہین محسوس کرتی کہ ہمیں ان مسائل کا حل نہیں معلوم، کچھ معلم صحابہ تو خلفائے اربعہ کے آخر عہد تک ہی زندہ رہے، لیکن ان کا بیشتر حصہ امیر معاویہ کی خلافت کے خاتمہ یعنی ۶۰ھ تک رحلت کر گیا، ان کے بعد ان کے درسی حلقوں پران کے شاگردوں کا جو زیادہ تر موالی تھے اور جن کا اصطلاحی نام تابعین ہے غلبہ ہوگیا اور بہت سے شاگردوں نے طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر نئے حلقے کھول لئے اور یہ سلسلہ بڑھتا اور پھیلتا عباسی دور میں داخل ہوگیا (۱۳۲ھ) تعلیم کی اس ترقی اور وسعت کے ساتھ علمی انانیت، علمی رقابت، مرزبوی عصبیت، مسلکی ہٹ اور جاہ پسندی میں بھی اضافہ ہوتا رہا اور ان صفات کے زیر اثر وضع کا کاروبار شاخ درشاخ اور وسیع تر ہوتا گیا۔

قرنِ اول کے ربع ثالث میں حدیث وآثار، تاریخ اور تفسیر کا سرمایہ کمیت اور کیفیت میں اتنا بڑھ گیا تھا کہ نہ تو قوت حفظ اس کی متحمل ہوسکتی تھی اور نہ ایک معلم کے

لئے اس کا درس دینا آسان تھا، اس لئے دو تبدیلیاں واقع ہوئیں: ایک یہ کہ اس سرمایہ کو اور یہ سرمایہ ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کل الصید فی جوف الفرا کا مصداق تھا یعنی اس میں صحیح سنن و آثار، فقہ اور اخبار بھی تھے، بگڑے ہوئے، بدلے ہوئے، کم اضافہ والے، زیادہ اضافہ والے اور گڑھے ہوئے بھی، قیدِ تحریر میں نہ لانے کی وہ پابندی جس پر صحابہ کے زمانہ سے بشدت عمل ہوتا رہا تھا، ڈھیلی پڑ گئی، اب وہ طالب علم جن کا حافظہ قوی نہ ہوتا اور جو کاغذ کی کم یابی اور گرانی کے نسبتہً کم ہو جانے سے اس کو خریدنے پر پہلے سے زیادہ قادر تھے، بعض صورتوں میں اپنے شیوخ کی چشم پوشی سے اور بعض میں ان سے چھپا کر حدیث و آثار وغیرہ قیدِ تحریر میں لانے لگے، دوسری تبدیلی یہ ہوئی کہ متداول مضامین جواب تک ایک ہی شیخ کے ذمہ تھے الگ الگ شیوخ نے سنبھال لئے بالفاظ دیگر ان مضامین میں ایک قسم کا تخصص اور گیرائی پیدا ہونے لگی، کچھ تو اس دوگونہ تبدیلی کا اور کچھ احادیث کو تقلید جامد پر ترجیح دینے والے حکمران طبقہ کی ترغیب کا یہ اثر ہوا کہ بڑے شہروں میں حدیث و آثار، تاریخ و مغازی رسول اللہ، تاریخ اور فتوحاتِ خلفائے اربعہ پر رسالے اور کتابچے لکھے جانے لگے، اس اہم کام کی ابتداء سرکاری قاضیوں، مفتیوں اور حکام طبقہ سے تعلق رکھنے والے علماء کے ہاتھوں عمل میں آئی جیسے (۱) عروہ بن زبیر (متوفی ۹۴ھ) (۲) ابان بن عثمان (متوفی ۱۰۵ھ) اور (۳) امام زہری (متوفی ۱۲۵ھ)، ان کی دیکھا دیکھی کچھ دوسرے پیشہ ور معلم، محدث، مورخ اور مفسر بھی تحریر و کتابت کی طرف مائل ہونے لگے، قرنِ اول کے ختم ہوتے ہوتے حدیث تاریخ اور تفسیر پر سینکڑوں رسالے تالیف ہو چکے تھے لیکن یہ رسالے اور کتابچے ہم کو یاد رکھنا چاہیئے نشر و اشاعت کے لئے نہیں تھے بلکہ لکھنے والوں کی اپنی سہولت، مطالعہ اور مراجعت کے لئے مرتب کئے گئے تھے، وہ ان کی مدد سے معلومات مستحضر رکھتے، طلبہ کو درس دیتے یا قانونی فیصلے اور فتوے مستنبط کرتے، لیکن طلبہ کو ان سے نقل کرنے کی

اجازت نہ تھی، زبانی نشرو اشاعت اور حافظہ کی کتاب پر اعتماد علمی فضا میں ایسا رچ بس گیا تھا اور صحابہ کے زمانہ سے اس پر ایسا اصرار رہا تھا کہ بیشتر معلم، محدث، مورخ اور مفسر جو معاشرہ پر چھائے ہوئے تھے اور جن کی گرفت عوام پر سخت تھی ایسی حدیث خبر یا تفسیر کو ساقط الاعتبار سمجھتے تھے جو شیخ کی بجائے کتاب سے لی گئی ہو، کتاب سے استفادہ کرنے والے کو صحفی کے حقارت آمیز لقب سے یاد کیا جاتا تھا، ایسے عالم کی سماج میں نہ عزت تھی، نہ اس کے علم کی کوئی قدر، ایک دو نہیں دسیوں محدثوں اور مورخوں کے نام تذکروں میں ملتے ہیں جنہوں نے اپنے مطالعے کے لئے مجموعے بنا لئے تھے لیکن اس ڈر سے کہ کہیں لوگ نقل نہ کرلیں مرتے وقت اُن کو تلف کر دیا تھا۔

زبانی روایت کے اِن خطوط پر سنن، آثار تاریخ اور تفسیر کا قافلہ چلتا رہا اور وقتی ضرورت کے مطابق جزوی تغیرات سے متأثر ہوتا ہوا یہاں تک کہ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں جب چینی کاغذ کے اسلامی قلمرو میں رواج، ارزانی اور بہتات نیز عباسی حکومت کے فارسی حکام و امراء کی ترغیب سے بڑے پیمانہ پر علوم اسلامیہ کو قلمبند اور مرتب کرنے کا دور شروع ہوا تو اس وقت سنن، آثار، فقہ اور تفسیر کے ہزاروں چھوٹے بڑے مدارس کے علاوہ ساری عرب دنیا میں درجنوں مکاتیب تاریخ اپنے اپنے شیوخ کی روایت کردہ معارف کے تحفظ اور ان کی تعلیم و اشاعت میں مصروف تھے۔ ان میں سے وہ سکول جن کو اپنے تاریخی معارف کی غرابت، نامقبولیت یا عام ڈگر سے انحراف کے باعث تقلید پسند عوام اور مقتدر اکابر کی حمایت حاصل نہ ہوسکی، مٹ گئے یا گوشہ گمنامی میں جا پڑے، جن اسکولوں کو عوام اور با اثر اکابر دولت کی حمایت حاصل ہوئی ان کو قبولِ عام نصیب ہوا اور ان کے معارف کو تاریخی مؤلفات میں جگہ ملی، تاریخ کے شعبہ میں جو اسکول پائندہ اور سربلند رہے، عوام یا خواص اور حکمرانوں کی تائید و حمایت سے بہرہ ور، اُن میں یہ پانچ سب سے زیادہ مشہور ہیں:-

محمد بن اسحاق کا اسکول[1]، سیف[2] بن عمر کا اسکول، ابن الکلبی[3] کا اسکول، واقدی[4] کا اسکول، مدائنی[5] کا اسکول پہلی اور دوسری صدی ہجری کی تاریخ اکثر و بیشتر انہی اسکولوں کی معرفت ہم تک پہنچی ہے انہی اسکولوں کے اقتباسات طبری کی سب سے جامع تاریخ الامم، فتوحات پر بلاذری کی اہم تالیف فتوح البلدان اور قرون اول کے اعیان و اکابر کے قیمتی احوال پر مشتمل اس کی دوسری کتاب انساب الاشراف میں جمع کرلئے گئے ہیں، رسول اللہ کے حالات و مغازی، ردہ لڑائیاں، خلفائے اربعہ کے فتوحات، خلافت و اقتدار کے لئے قریش کے دو خاندانوں کی باہمی آویزش، عربوں کی خانہ جنگیوں، خلفائے اُمیہ اور عباسی حکومت کے حالات بیشتر انہی اسکولوں سے مستعار لئے گئے ہیں اور یہی اسکول عثمان غنی، ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور علی حیدر کے سرکاری خطوط کا سب سے بڑا ماخذ بھی ہیں۔

ان پانچوں اسکولوں کے تاریخی بیانات کا مقابلہ کیا جاتا ہے تو یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ وہ بڑی حد تک ایک دوسرے سے مختلف ہیں کسی واقعہ کے جزئیات و تفاصیل ہوں یا روپیہ پیسہ، فوج لشکر، مقتولین و شہداء کے اعداد و شمار ہوں یا موت، ولادت فتح و شکست کے مہینے اور سال ہوں، یہ اسکول شاذ و نادر ہی ان امور میں متفق اور متحد نظر آتے ہیں، ان کے مجموعی اتفاق کا تناسب آپ پانچ سات فی صد سے زیادہ نہیں پائیں گے جزئیات، تفاصیل، اعداد و شمار اور سنین کے اختلاف کے علاوہ ان کے بیانات ایک دوسرے سے متضاد اور متناقض بھی ہوتے ہیں، یہ اختلاف و تناقض اُن کے بیان کردہ خطوں میں بھی موجود ہے خواہ وہ خط ابوبکر صدیق کے ہوں یا عمر فاروق کے یا عثمان غنی یا علی حیدر کے یا کسی دوسرے خلیفہ اور حاکم کے، اس اختلاف و تضاد کی وجہ یہ ہے کہ عربی سنن، آثار، فقہ، تاریخ اور تفسیر کی بنیاد کتابت و تحریر کی بجائے زبانی روایت پر استوار ہوئی ہے اور زبانی روایت میں لفظی و معنوی

---

[1] متوفی ۱۵۱ھ یا ۱۵۲ھ [2] دوسری صدی کے ربع آخر میں وفات پائی [3] متوفی ۲۰۶ھ [4] متوفی ۲۰۷ھ [5] متوفی ۲۲۵ھ یا ۲۲۸ھ

تصوف، تحریف، بگاڑ اور وضع کے دروازے کھلے رہتے ہیں، اِن علوم کو ایک دو یا دس پانچ سال تک نہیں، پچاسوں اور سینکڑوں برس تک ایک دو یا دس پانچ افراد نہیں بلکہ سینکڑوں ہزاروں افراد بیان کرتے رہے۔ افراد جن کی ذہنی و فکری سطح، جن کے شیوخ جن کے فقہی مسلک اور وفاداریاں، جن کے وطن اور مرز بوم الگ الگ تھے اور جو علمی انانیت، علمی رقابت اور علمی، مسلکی نیز مرز بومی تعصب کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے، اگر حافظہ کی نارسائی اور خطا کاری سے ذرا دیر کے لئے نظر ہٹا بھی لی جائے تو اِن صفات سے متصف رُواۃ (اِسناد) پر کیونکر بھروسہ کیا جاسکتا ہے، اگر اسنادِ صحتِ متن کی ضامن ہوتی تو بخاری چھ لاکھ حدیثوں سے چار ہزار حدیثیں چھانٹنے پر مجبور نہ ہوتے اور اس کے باوجود چونکہ اُن کا اعتماد بھی اسناد ہی پر ہے اُن کی صحیح میں ایسی حدیثیں موجود ہیں جو قانونِ قدرت اور شانِ نبوی کے خلاف ہیں، مثال کے طور پر یہ حدیث لیجئے:

من اصطبح کل یوم سبع تمرات من عجوۃ لم یضرہ سُم ولا سحر ذلک الیوم الی اللیل۔[1]
جو شخص ہر روز صبح کو مدینہ کی بڑھیا کھجور عجوہ کے سات دانے کھاتا رہے گا اس کو نہ زہر نقصان پہنچا سکتا ہے نہ جادو۔ اس حدیث کے راوی (اِسناد) بخاری کے بلند معیار کی رو سے ثقہ ہیں لیکن اس کا مضمون ایسا ہے جس کو قبول کرنے سے مشاہداتِ زندگی اور قانونِ قدرت ابا کرتے ہیں اور جس کی کوئی ذی عقل وکالت نہیں کرسکتا کیونکہ زہر کھانے والا اگر سات کھجور کیا سات سو کھجور بھی کھالے تب بھی وہ زندہ نہیں رہ سکتا، یہ زندگی کا عام مشاہدہ اور قدرت کا ضابطہ ہے، ایسی پوچ بات نبی کیسے کہہ سکتا ہے۔

مذکورہ بالا پانچوں اسکولوں کے تاریخی اختلاف و تناقض کی مثالیں یہاں پیش کرنے کا موقع نہیں، قارئین خود بھی طبَری وغیرہ کے مطالعہ سے ان کا ادراک کرسکتے ہیں

---

[1] فجر الاسلام صد ۲۵۹۔

یہاں ہم پہلے تین[1] خلفاء کے سرکاری خطوط کے مضمونی اختلاف اور تناقض کی چند مثالیں پیش کرنے اور ان سے مستنبط ہونے والے نتائج کا ذکر کرنے پر اکتفا کریں گے۔

ابوبکر صدیق رض کے خطوط

(مضمونی اختلاف کی مثالیں)

(۱) جنگ یمامہ کے بعد خالد بن ولید کے نام:-

خط کی پہلی شکل

"میں تم کو جنگ عراق کا سپہ سالار مقرر کرتا ہوں، اُن لوگوں کی ایک فوج مرتب کرو جو اسلام پر قائم ہیں، یمامہ سے عراق تک تمہارے راستہ میں قبائل تمیم، قیس، اسد، بکر بن وائل اور عبد القیس کے جو مرتد آئیں اُن سے جنگ کرو، پھر فارس (عراق) کی طرف پیش قدمی کرو اور اللہ عزوجل سے فتح اور کامرانی کی دعا مانگو، عراق میں داخل ہو کر سب سے پہلے فرج ہند (بندرگاہ اُبلہ) کو فتح کرو، فارسیوں اور اُن اقوام کی جو فارسی حکومت کی رعایا ہوں تالیفِ قلب کرو، تم سے کوئی ظلم ہو تو مظلوم کو تو دے پورا پورا حق لینے کا موقع دو، تمہارا تعلق ایک ایسی قوم سے ہے جسے لوگوں کی رہنمائی کے لئے بھیجا گیا ہے، خدا سے ملتجی ہوں کہ جن لوگوں کو ہماری برادری میں داخل کرے ان کو اسلام کا بہترین پیرو بنائے، اگر تم کو خدا کی عنایت سے اُبلہ میں فتح نصیب ہو تو عراق (بالائی عراق) کا رخ کرنا اور کماندر

---

[1] تین کی تحدید کا یہ مطلب نہیں کہ دیگر خلفاء اور اکابر کے خطوط میں اختلاف و تضاد نہیں، اس تحدید کا مقصد صرف یہ ہے کہ اختصار کی خاطر یہاں ہم ان تینوں کے مراسلوں سے تجاوز کرنا نہیں چاہتے۔

عیاض (بن غنمؓ) سے مل جانا۔"

خط کی دوسری شکل

"عراق کا رُخ کرو اور اُس کے حدود میں گھس جاؤ، سب سے پہلے فرج ہند (بندرگاہ اُبلّہ) کی فتح پر ہمت مبذول کرو، اہلِ فارس اور ان اقوام کی جو اُن کے ملک میں ہوں تالیفِ قلب کرو۔"[۲]

خط کی تیسری شکل

"خدا نے یمامہ میں تم کو فتح عطا کی، اب عراق (بالائی عراق) کی طرف بڑھو اور عیاض (بن غنمؓ) سے مل جاؤ۔"[۳]

یہاں پہلا خط چودہ سطروں میں ہے، دوسرا صرف تین میں اور تیسرا صرف دو میں، مشترک مضمون: خالد کا عراق کی سپہ سالاری پر تقرر۔

(۲) فرمانِ جانشینی:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ فرمان ہے ابوبکر بن ابی قحافہ کی طرف سے جو زندگی کی آخری منزل سے آخرت کی پہلی منزل میں داخل ہو رہا ہے جہاں (حقیقت ایسی بے نقاب ہو کر سامنے آئے گی کہ) کافر ایمان لانے، بدکار سزا کا یقین کرنے اور جھوٹے سچ بولنے پر مجبور ہوں گے، میں اپنے بعد عمر بن خطاب کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں، آپ کا فرض ہے کہ ان کی ہدایت اور حکم کے مطابق عمل کریں، اُن کا انتخاب کر کے میں نے اپنے بس بھر اللہ اس کے دین، اپنے ضمیر اور مسلمانوں کی بہبودی کے تقاضے پورے کرنے کی کوشش کی ہے، مجھے پوری امید ہے کہ عمر عدل و انصاف سے کام لیں گے، لیکن اگر وہ ایسا نہ کریں تو ہر شخص کی طرح وہ اپنے اعمال کے

---

[۱] الاکتفا، کلاعی بلنسی قلمی ۲۵ [۲] سیف بن عمر۔ طبری ۱۴ / ۲ [۳] سیف بن عمر طبری ۲ / ۱۴ -

کے ذمہ دار ہوں گے، میں نے تو بہر حال مسلمانوں کی بہبودی چاہی ہے اور غیبی امور میرے علم سے باہر ہیں۔ وسیعلم الذین ظلموا أی منقلب ینقلبون۔ عنقریب ظالم جان لیں گے کہ اُن کی بداعمالی کی سزا جہنم ہے، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔"[1]

فرمان کی دوسری شکل

"یہ فرمان ہے ابوبکر خلیفۂ رسول اللہؐ کا جو زندگی کی آخری منزل سے آخرت کی پہلی منزل میں داخل ہو رہا ہے کہ میں نے عمر بن خطاب کو اپنا جانشین مقرر کیا ہے، مجھے توقع تو یہی ہے کہ وہ عدل و راستبازی سے کام لیں گے لیکن اگر وہ ایسا نہ کریں تو مجھ پر اس کی ذمہ داری نہیں کیونکہ غیبی امور میرے علم سے باہر ہیں، میں نے بہر حال مسلمانوں کی بہتری چاہی ہے، ہر شخص کو اس کی بداعمالی کی سزا ملے گی۔ وسیعلم الذین ظلموا أی منقلب ینقلبون۔"[2]

فرمان کی تیسری شکل

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ فرمان ہے ابوبکر خلیفۂ رسول اللہؐ کا مومنوں اور مسلمانوں کو، سلام علیکم، خدا کی حمد و ثنا کے بعد واضح ہو کہ میں نے عمر بن خطاب کو آپ کا خلیفہ مقرر کیا ہے، ان کی اطاعت کیجئے اور ان کا حکم مانئے، ان کا انتخاب کر کے میں نے اپنے مقدور بھر آپ کی بہبودی پیشِ نظر رکھی ہے، والسلام۔"[3]

---

[1] مدائنی، کنز العمال ۳/۱۴۵-۱۴۶ و ۶/۳۲۴ تھوڑے فرق کے ساتھ و صبح الاعشی قلقشندی مصر ۹/۳۵۹

[2] صبح الاعشی ۹/۳۵۹ [3] تاریخ یعقوبی نجف ایڈیشن ۱۱۵۔

مضمونی تناقض کی مثالیں

(۳) زیاد بن لَبید اور مُہاجر بن اَبی اُمیّہ کے نام، حضرموت کے قلعہ نُجَیر میں بنوکندہ کے باغی محصورین کے متعلق جن کا محاصرہ زیاد بن لبید اور مُہاجر بن ابی اُمیّہ کیے ہوئے تھے:

زیاد بن لبید کے نام

"اگر محصورین نُجَیر ہار کر تمہارے قبضہ میں آجائیں تو ان کو قتل نہ کرنا"[1]

مہاجر بن اَبی اُمیّہ کے نام

"میرا یہ خط موصول ہونے کے بعد اگر بنوکندہ پر تم کو فتح حاصل ہو تو اُن کے جوانوں کو قتل کر دینا اور بال بچوں کو غلام بنالینا، یہ اس صورت میں جب فتح بزورِ شمشیر حاصل ہو یا وہ اس شرط پر ہتھیار ڈالیں کہ ان کی قسمت کا فیصلہ میری صوابدید سے ہو لیکن اگر خط پانے سے پہلے تمہاری اُن سے صلح ہو چکی ہو تو اس کو میں اس شرط پر قبول کرسکتا ہوں کہ وہ جلاوطنی اختیار کریں، میں نہیں چاہتا کہ اُن کو اسلام سے بغاوت کے بعد (وہیں سے) اُن کو گھروں اور وطن میں رہنے دوں، میں چاہتا ہوں کہ ان کو اپنی بدکرداری کا احساس ہو، اور اپنے کیے کا مزہ چکھیں"[2]

عمر فاروق کے خطوط

مضمونی اختلاف کی مثالیں

(۱) بیت المقدس (ایلیاء) کا صلحنامہ جو عمر فاروق نے خود شام جا کر لکھا:

---

[1] الکفار ص۳ [2] سیف بن عمر تاریخ الامم طبری ۳/۴، ۳۰ و تاریخ یعقوبی لائڈن ۲/۹۰

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم عبداللہ عمر امیرالمومنین نے امان دی اہلِ ایلیاء (بیت المقدس) کی جان، مال، عبادتگاہوں، صلیبوں، شہر کے بیماروں تندرستوں اور ہر مذہب و ملت کے لوگوں کو، ان کے کنیسوں میں سکونت اختیار نہیں کی جائے گی، نہ ان کو ڈھایا جائے گا، نہ ان کا یا ان کی جائے وقوع یا اہلِ ایلیاء کی (سونے چاندی کی) صلیبوں یا ان کے مال و دولت کا کوئی حصہ کم کیا جائے گا، ان کو اپنا مذہب بدلنے پر مجبور نہیں کیا جائیگا اور نہ کسی کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا اور نہ اُن کے ساتھ ایلیاء میں کسی یہودی کو رکھا جائے گا، اہلِ ایلیاء پر لازم ہے کہ اتنا جزیہ دیں جتنا شام کے دوسرے شہر ادا کرتے ہیں، ان پر لازم ہے کہ ایلیاء سے رومیوں اور ڈاکوؤں کو نکال دیں، جو رومی نکلیں گے ان کی جان اور مال رومی حکومت کی عملداری میں پہنچنے تک محفوظ رہے گی اور جو رومی شہر میں رہنا چاہیں ان کو بھی امان ہے بشرطیکہ وہ اہلِ ایلیاء کے برابر جزیہ دینے کو تیار ہوں (ایلیاء کے اصلی باشندوں میں سے) جو اپنے گرجے چھوڑ کر اور مال و متاع لے کر رومیوں کے ساتھ جانا چاہیں۔ وہ اور ان کے کنیسے صلیبیں اس وقت تک محفوظ رہیں گی جب تک وہ رومی حکومت کی عملداری میں نہ پہنچ جائیں گے، ایلیاء میں فلاں کے قتل (؟) سے پہلے جو کاشتکار مقیم تھے اُن میں سے جو چاہیں جزیہ دے کر وہاں (ایلیاء) رہ سکتے ہیں اور جو چاہیں رومیوں کے ساتھ جا سکتے ہیں اور جو چاہیں اپنے اہل و عیال کے پاس لوٹ جائیں، ان کاشتکاروں سے اگلی فصل کٹنے تک لگان نہیں لیا جائے گا، اس صلحنامہ کی پابندی کا ذمہ اللہ اور اس کے رسول، خلفاء اور مسلمان لیتے ہیں، بشرطیکہ اہل ایلیاء مقررہ

جزیہ ادا کرتے رہیں[۱]۔

صلحنامہ کی دوسری شکل

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ تحریر عمر بن خطاب نے بیت المقدس کے باشندوں کے لئے (بطور دستاویز) لکھ دی ہے کہ تمہاری جان، مال اور گرجوں کو امان دی جاتی ہے، گرجوں میں نہ تو کسی (مسلمان) کو رکھا جائے گا اور نہ ان کو گرایا جائے گا بشرطیکہ تم کوئی بڑی بغاوت یا عہد شکنی نہ کرو[۲]۔

(۲) گورنر بصرہ مُغیرہ بن شُعبہ اور بقول بعض اُن کے جانشین ابو موسیٰ اشعری کے نام :-

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ تحریر عبد اللہ عمر امیر المومنین کی طرف سے مُغیرہ بن شُعبہ کے نام ہے، سلام علیک، میں اس اللہ کا سپاس گذار ہوں جس کے سوا کوئی دوسرا عبادت کے لائق نہیں، واضح ہو کہ ابو عبد اللہ (صحابی نافع) نے مجھے بتایا ہے کہ (عُتبہ) بن غزوان کے عہد میں انھوں نے بصرہ (کے قریب) کاشت کی اور سب سے پہلے گھوڑے پالے، لائق تحسین ہے ابو عبد اللہ کا یہ اقدام! تم کاشت اور گھوڑے پالنے کے کام میں ان کی مدد کرو، میں نے ان کو کاشت کرنے کی اجازت دے دی ہے، تم ان کو وہ قطعہ دے دو جو انھوں نے جوتا بویا ہے بشرطیکہ وہ جزیہ گذار فارسیوں کی زمین نہ ہو اور نہ ان کے علاقہ کے دریاؤں سے سیراب ہوتا ہو، میں نافع کے ساتھ حسن سلوک کی سفارش کرتا ہوں، والسلام علیک و رحمۃ اللہ"[۳]

خط کی دوسری شکل

"ابو عبد اللہ نے دجلہ کے کنارہ (دجلہ۔فرات کے ڈیلٹا کے کنارہ) مجھ سے

---

[۱] طبری ۴/۱۵۹ [۲] تاریخ یعقوبی نجف ایڈیشن ۲/۱۱۵ [۳] فتوح البلدان بلاذری مصر ۱۹۰۱ء ص ۳۰۹۔

ایک قطعہ زمین گھوڑے پالنے کے لئے مانگی ہے، اگر یہ قطعہ جزیہ گذار اراضی میں نہ ہو اور نہ جزیہ گذار علاقہ کے دریا اور نہروں سے اس کی سینچائی ہوتی ہو تو اُن کو دے دو[1]"

(۳) حُذیفہ بن یمان کے نام، صحابی حُذیفہ عراق کی لگان بندی کے کمشنر تھے، انہوں نے ایک ذمی عورت سے شادی کی، اس کی خبر عمر فاروق کو ہوئی تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ ذمی عورت کو طلاق دے دو، حُذیفہ نے احتجاج کیا کہ قرآن میں ذمی عورت سے شادی جائز ہے، پھر آپ کیوں روکتے ہیں تو جواب آیا:-

"کتابی عورت سے شادی تو جائز ہے لیکن چونکہ عجمی عورتیں دلفریب ہوتی ہیں اس لئے اگر تم نے ان سے شادی کی تو وہ تمہاری (عرب) عورتوں پر چھا جائیں گی[2]"

خط کی دوسری شکل

"میں تاکید کرتا ہوں کہ میرا خط پاتے ہی (اپنی ذمی) بیوی کو طلاق دے دو مجھے ڈر ہے کہ دوسرے مسلمان (ذمی عورتوں کا حسن دیکھ کر) تمہاری پیروی میں ان سے شادی بیاہ کرنے لگیں گے اور اس اقدام سے عرب عورتیں مصیبت میں پڑ جائیں گی[3]"

خط کی تیسری شکل

"ذمی عورت سے نکاح تو حرام نہیں لیکن مجھے ڈر ہے کہیں تم ذمی رنڈیوں سے شادی بیاہ نہ کرنے لگو[4]"

(۴) فاتح مصر عمرو بن عاص کے نام، مفتوحہ اراضی کو فوج میں تقسیم کرنے کی

---

[1] فتوح البلدان ص۲۹۰ [2] سیف بن عمر۔ طبری ۴/۱۳۷ [3] ازالۃ الخفاء شاہ ولی اللہ ۲/۱۱۱ و ۱۸۱ [4] احکام القرآن جصاص مصر ۱۳۲۵ھ ۲/۳۲۳-

ممانعت سے متعلق:-

"اراضی زمینداروں کے پاس رہنے دو (اور لگان لگاؤ) تاکہ آنے والی (مسلمان) نسلیں اس کی آمدنی سے جہاد کرسکیں[۱]"۔

خط کی دوسری شکل

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم مسلمانوں کی تنخواہوں اور مجاہدوں کے مصارف کو غصب کرنا چاہتے ہو، کیونکہ اگر مصر کی اراضی تمہارے درمیان بانٹ دوں تو اگلی نسلیں دشمنوں سے جہاد کے لئے مسلح نہ ہوسکیں گی اگر میرے ذمہ ناداروں اور مجاہدوں کے وظیفے اور سرکاری ملازموں کی تنخواہیں نہ ہوتیں تو میں مصر کی اراضی بانٹ دیتا، لہٰذا اسے اس وقت تک کے لئے وقف کردو جب تک مسلمان مجاہدوں کی آخری جماعت باقی ہے، والسلام[۲]"۔

مضمونی تناقض کی مثالیں

(۱) گورنر یمن یعلیٰ بن مُنیہ کے نام، عنبر پر محصول کے بارے میں:-

"عنبر خداوندی تحفہ ہے، اس پر اور سمندر سے جو کچھ برآمد ہو بیس فی صد محصول لیا جائے[۳]"۔

خط کی دوسری شکل

"سمندر سے جو موتی اور عنبر برآمد ہو اس پر دس فی صد ٹیکس وصول کرو[۴]"۔

---

[۱] فتوح البلدان ص۲۱۵ و فتوح مصر ابن عبدالحکم لاڈن ۱۹۲۰ء ص۱۶۳ و کتاب الاموال ابن سلام مصر ص۵۸ [۲] شرح معانی الآثار طحاوی دہلی ۱۳۰۰ھ ۲/۱۴۵-۱۴۶ [۳] کتاب الخراج ابو یوسف ص۷۰ [۴] کتاب الاموال ابن سلام ص۳۴۸۔

(۲) عراقی افواج کے سپہ سالار سعد بن ابی وقاص کے نام، سعد کے پاس فتح قادسیہ کے دوسرے دن ایک کمک قیس بن مکشوح مرادی کی سرکردگی میں پہنچی اور مالِ غنیمت کا حصہ طلب کیا، سعد اس کے لئے تیار نہ ہوئے اور خلیفہ سے رجوع کیا تو یہ جواب آیا:-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - سلام علیک، میں اس معبود کا سپاس گذار ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور اس کے نبی محمدؐ پر درود بھیجتا ہوں، تمہارا خط ملا، اس فتح کے لئے خدا کا بہت بہت شکر گذار ہوں جو تمہارے ہاتھوں اس نے عطا کی، خدا نے تمہارا حاکم بنا کر مجھے آزمائش میں ڈالا ہے جس طرح تم کو میرا ماتحت بنا کر تمہاری آزمائش کی ہے، (ولا نی واللہ لا أضع شیئاً أعلمه وأما إذا اجتمع صلح (؟) جب حاکم ہمدرد ہو اور رعایا اس کی خیر اندیش تو حاکم کا فرض ہے کہ رعایا کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور رعایا کا فرض ہے کہ صبر اور شکر سے کام لے، رہا مالِ غنیمت تو وہ ان لوگوں کا حق ہے جو جنگ میں شریک ہوں اور جو لوگ جنگ ختم ہونے کے تین دن بعد آئیں ان کو بھی مالِ غنیمت کا کچھ حصہ ملنا چاہئے، تمہارے جو غلام جنگ میں شریک ہوں اور اس کے خاتمہ کے بعد تین دن کے اندر اندر آزاد کر دیئے جائیں تو وہ بھی مالِ غنیمت سے حصہ کے مستحق ہیں، جو مال و متاع بطور غنیمت تمہارے قبضہ میں آئے اس کی تقسیم انصاف سے کرو"[1]

خط کی دوسری شکل

"واضح ہو کہ مالِ غنیمت اُن لوگوں کا حق ہے جو جنگ میں شریک ہوں لیکن جو لوگ بطور کمک جنگ ختم ہونے کے بعد تین دن کے اندر اندر آجائیں

---

[1] فتوح الشام واقدی مصر ۱۱۵/۲ -

اُن کو بھی غنیمت کا کچھ حصہ ملنا چاہیئے، اہل معاہدہ میں سے جن لوگوں نے تمہاری مدد کی ہو اور جنگ کے بعد تین دن کے اندر اندر مسلمان ہو گئے ہوں اور جو غلام جنگ میں تمہارے ساتھ لڑے ہوں اور اس کے بعد تین دن کے اندر آزاد ہو گئے ہوں اُن سب کو غنیمت میں شریک کرو۔[1]"

خط کی تیسری شکل

"اگر قیس (ابن مکشوح) مقتولین کے دفن سے پہلے آ گئے ہوں تو اُن کو بھی (غنیمت سے) حصہ دو۔[2]"

(۳) گورنر بصرہ ابو موسٰی اشعری نے عمر فاروق کو لکھا کہ مسلمان فارسیوں کو بُرا بھلا کہتے ہیں اور طیش میں آکر قتل کر دیتے ہیں، اُن کو کیا سزا دی جائے تو جواب آیا:-

"فارسی اصولاً غلام ہیں، اُن کے مقتولین کا خون بہا ایک غلام کی قیمت کے بقدر مقرر کر دو۔[3]"

گورنر کوفہ کے نام اُس مسلمان کے بارے میں جس نے ایک ذمی کو قتل کیا تھا:-

"قاتل کو مقتول کے ورثاء کے حوالہ کر دو، وہ چاہیں اس کو قتل کر دیں اور چاہیں معاف کر دیں۔[4]"

عثمان غنی کے خطوط

مضمونی اختلاف

(۱) ولید بن عقبہ کے نام معلم کوفہ صحابی عبد اللہ بن مسعود کی مخالفانہ سرگرمیوں کی شکایت پر:-

---

[1] ہمدانی۔ الکفار، ص ۲۹۹۔ [2] فتوح البلدان ص ۲۵۰۔ [3] کنز العمال، ۷/۳۰۴، اس وقت بصرہ میں ایک غلام کی قیمت تین سو روپئے تھی۔ [4] جامع مسانید ابی حنیفہ خوارزمی حیدرآباد ہند ۱۳۳۲ھ ۱/۱۷۷۔

"اسلام اور مسلمانوں کو تباہی سے محفوظ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ عبداللہ بن مسعود کو یہاں بھیج دو۔[1]"

خط کی دوسری شکل

"اگر عبداللہ لعن طعن چھوڑ دیں تو خیر ورنہ ان کو یہاں بھیج دو۔[2]"

(۲) اکابر کوفہ کے نام، ولید بن عقبہ (گورنر کوفہ) کی معزولی اور سعید بن عاص کے تقرر سے متعلق:-

"واضح ہو کہ میں نے ولید بن عقبہ کو جب وہ پختہ عقل اور حرص و آز سے پاک و صاف ہو چکے تھے آپ کا گورنر مقرر کیا تھا اور ان کو تاکید کی تھی کہ آپ کے ساتھ اچھی طرح پیش آئیں لیکن آپ کو ان کے ساتھ اپنا طرزِ عمل درست رکھنے کی ہدایت نہیں کی تھی، جب آپ کو ان کے ظاہر میں کوئی خرابی نظر نہ آئی تو آپ نے ان کے باطن پر دار کیا، اب میں سعید بن عاص کو گورنر بنا کر بھیج رہا ہوں وہ اپنے خاندان میں سب سے زیادہ صالح آدمی ہیں، میں آپ کو تاکید کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ کوئی بدعنوانی نہ کریں اور اپنے زیر اثر لوگوں کو بھی اس بات کی فہمائش کر دیں۔[3]"

خط کی دوسری شکل

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خدا کی حمد اور رسول اللہ پر درود کے بعد اہلِ کوفہ کو عبداللہ عثمان کی طرف سے سلام، واضح ہو کہ کوفیوں کی ایک جماعت میرے پاس آئی اور ولید بن عقبہ کی شکایت کی اور اس بات کی شہادت دی کہ انہوں نے شراب پی، اگر یہ شہادت ٹھیک تھی تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے

---

[1] تاریخ یعقوبی نجف ۲/۱۴۷۔ [2] عیون الاخبار ادریس بن حسن انف قلمی ۴/جلد ۲۴۔ [3] العقد الفرید ابن عبد ربہ مصر ۱۹۱۳ء ۳/۹۱-۹۲۔

کہ ولید کو حدِ شراب لگادی گئی ہے اور اگر ان پر جھوٹا الزام تھا تو جھوٹوں کو خدا سزا دے گا، اس شکایت اور حدِ شراب کے بعد میں نے ولید کو گورنری سے معزول کر دیا ہے اور ان کی جگہ سعید بن عاص کو جو خاندانی شریف ہیں کوفہ کا گورنر مقرر کیا ہے، آپ لوگ خدائے جبّار سے ڈریئے سعید کا کہا مانئے اور ان کے ساتھ تعاون کیجئے، حکومت کی خیراندیشی اور مناصرت آپ کا فرض ہے، تعلی سے کام نہ لیجئے، نہ غیبت کیجئے اور نہ الزام لگایئے، سعید کا جو آپ کے گورنر ہیں شایان شان احترام کیجئے اور خلیفہ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کیجئے، میں نے سعید کو تاکید کر دی ہے کہ عدل و انصاف سے کام لیں اور سب کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئیں والسلام علیکم ورحمۃ اللہ"[1]

(۳) معاویہ بن ابی سفیان کے نام، شام میں صحابی ابوذر کی حکومت دشمن سرگرمیوں کی شکایت پر:-

"سول وار کے سانڈ نے نتھنے اور آنکھیں پھلائی ہیں اور جست لگانا ہی چاہتا ہے، اس کے زخم مت کریدو، ابوذر کو میرے پاس بھیج دو، ان کے ساتھ زادِ راہ اور ایک رہبر بھی کرو، نیز لطف و محبت سے پیش آؤ، جہاں تک ہو سکے نہ خود زیادتی کرو نہ اپنے ماتحتوں کو کرنے دو"[2]

خط کی دوسری شکل

"تمہارا خط موصول ہوا، ابوذر کے حالات معلوم ہوئے، میرا خط پاتے ہی ان کو ننگے پالان پر سوار کرنا اور ایک ایسے سخت ساربان کو ان کے ہمراہ کرنا جو رات دن اونٹ چلائے تاکہ ابوذر پر خواب طاری ہو جائے

---

[1] فتوح ابن اعثم کوفی قلمی ورق ۳۰۳۔ [2] سیف بن عمر۔ طبری ۵/۶۶۔

اور وہ میرے اور تمہارے ذکر سے غافل ہو جائیں[۱]۔"

خط کی تیسری شکل

"جُندُب (ابوذر) کو ایک سخت اور تکلیف دہ اونٹ پر سوار کر کے میرے پاس بھیج دو[۲]۔"

خط کی چوتھی شکل

"میرا خط پا کر جُندُب بن جنادہ (ابوذر) کو ننگے پالان پر بٹھا کر یہاں بھیج دو[۳]۔"

مضمونی تناقض کی مثال

(۱) حبیب بن مسلمہ کے نام (حبیب آرمینیہ میں عرب فوج کے سپہ سالار تھے) وہاں کا بازنطینی گورنر ملک کے رئیسوں اور قیصر کی افواج کا ایک بڑا دل لے کر حبیب کو ملک سے نکالنے کے لئے بڑھا، حبیب نے خلیفہ سے مدد مانگی، اُن کے حکم سے گورنر کوفہ نے سات آٹھ ہزار آدمی آرمینیہ بھیجے، لیکن ان کے محاذ پر پہنچنے سے پہلے حبیب دشمن کو شکست دے چکے تھے، نو واردوں نے کہا مالِ غنیمت کے ہم بھی حقدار ہیں، ہم کو بھی حصہ ملنا چاہیئے، حبیب اور ان کی فوج کے اکابر اس کے لئے تیار نہ ہوئے، کمک اور حبیب کی فوج لڑنے مرنے کو تیار ہو گئی، حبیب نے مرکز سے شکایت کی تو جواب آیا:

"مالِ غنیمت کے حقدار صرف شام کے مجاہد[۴] ہیں[۵]۔"

دوسری شکل

"اہلِ عراق کی کمک کو بھی مالِ غنیمت میں شریک کرو[۶]۔"

---

[۱] فتوح ابن اعثم کوفی ورق ۲۹۳ - [۲] شرح نہج البلاغۃ ۲۴۱/۱ [۳] عیون الاخبار قلمی ۲۶۸/۲ - [۴] یعنی حبیب بن مسلمہ کے فوجی۔ [۵] فتوح البلدان طبع لاڈن ص ۱۹۵۔ [۶] فتوح ابن اعثم کوفی قلمی ورق ۲۶۰۔

خلفائے ثلاثہ کے ایسے خطوط جن کے متعدد نسخے ہیں اُن خطوط سے تعداد میں کافی کم ہیں جن کا صرف ایک ہی نسخہ موجود ہے لیکن یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ ان میں کوئی تصرف نہیں ہوا یا ان کی مضمونی سالمیت کے بارے میں سب اسکول متفق الخیال ہیں، ایک نسخہ ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہماری رسائی دوسرے نسخوں تک نہیں ہوئی اگر دوسرے نسخے ہم کو مل جاتے اور ہمیں امید ہے پرانی کتابوں اور مراجع کی کھوج کے اس دور میں وہ برابر ملتے رہیں گے تو ان میں بالکل اسی طرح کا مضمونی اختلاف اور تضاد ہوتا جیسا کہ متذکرہ بالا مثالوں میں پایا جاتا ہے، اس اختلاف و تضاد کی روشنی میں خلفائے ثلاثہ کے خطوط کے بارے میں یہ نتائج نکلتے ہیں:۔

(۱) اُن کے کسی ایک خط کے متعلق بھی قطعی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ وہ لفظاً و معناً مکتوب اصل کی نقل ہے۔

(۲) متعدد نسخے والے خطوط کے اُن حصوں کے بارے میں جن کا مضمون مشترک ہو کہا جاسکتا ہے کہ وہ اصل خط کا لب لباب یا مدعا پیش کرتے ہیں، رہے غیر مشترک حصے، تفصیلات اور اضافے تو وہ راویوں کے تصرفات ہیں، کبھی راوی ان تصرفات کے ذریعہ اپنے ذاتی نظریات کے لئے (ان کو خلیفہ کی طرف منسوب کر کے) جواز و استناد حاصل کرتے کبھی مقصد یہ ہوتا کہ ان کے ذریعہ خلیفہ میں تقدس، عظمت اور خداترسی کی شان پیدا کی جائے، اور کبھی مدعا یہ ہوتا کہ خلیفہ کی شخصیت میں مذہبیت راستبازی، انکسار، رعایا دوستی، ترک دنیا، زہد اور عدل جیسے صفات کے رنگ گہرے کر کے قارئین کو متأثر کیا جائے۔

(۳) جو خط جتنے زیادہ لمبے ہیں وہ اتنا ہی اصل سے بعید تر ہیں اور ان میں اتنا ہی زیادہ حاشیہ آرائی، مبالغے اور اضافے کئے گئے ہیں۔ ہم کو یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ آغاز اسلام میں خط مختصر لکھے جاتے تھے، فن تحریر سے عربوں کی واقفیت سطحی تھی،

لکھنے پڑھنے کا رواج تجارت پیشہ لوگوں میں تھا اور وہ معمولی تاجرانہ خط نویسی اور حساب کتاب رکھنے تک محدود تھا، حجاز کے عرب معاشرہ میں نہ تو علمی ماحول تھا نہ کتابیں، نہ مدرسے، نہ اسکول، اس لئے فنی انشا پردازی کا فقدان تھا، ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی حیدر میں سے کسی کو بھی خط نویسی کی مہارت نہیں تھی اور یہی حال ان کے منشیوں اور محرروں کا بھی تھا، یہ لوگ اپنے حکم کا لب لباب مختصر الفاظ میں قلمبند کر کے یا محرروں کو املا کرا کے متعلقہ تفصیلات اپنے سفیروں کو زبانی سمجھا دیتے اور وہ گورنر یا کمانڈر کے پاس جا کر خط کے ساتھ متعلقہ ہدایات سے ان کو مطلع کر دیتے، مختصر نویسی کا دوسرا سبب کاغذ کی گرانی اور کمیابی تھا۔ عہد حاضر میں دنیا کے ہر متمدن ملک میں ہزاروں ٹن کاغذ تیار ہوتا ہے اور ہر شخص حسب ضرورت ارزاں نرخ پر خرید سکتا ہے لیکن قرنِ اول کے آغاز میں کاغذ (قرطاس) جو عرب استعمال کرتے تھے صرف مصر میں بَردِی نامی پودے سے تیار ہوتا تھا، اس کی سپلائی محدود تھی اور مانگ افریقہ، شرقِ اوسط اور یورپ میں بہت زیادہ، اس لئے گراں اور کمیاب تھا، زیادہ تر حکومتیں اور مالدار تاجر ہی اس کے استعمال پر قادر تھے، کاغذ کے علاوہ تحریر کے لئے عرب چمڑا بھی استعمال کرتے تھے جو بکری، گائے یا اونٹ وغیرہ کی کھال سے تیار ہوتا تھا، رومی قلمرو میں کاغذ کے علاوہ سفید ریشم پر بھی لکھائی ہوتی تھی اور فارس میں درخت خدنگ کی چھال جو نہایت چکنی اور پائیدار ہوتی لکھائی کے کام آتی تھی، کاغذ کی قلت اور گرانی کی مزید شہادت اس بات سے ملتی ہے کہ عرب قرطاس اور چمڑے کی تحریر پانی یا سرکہ کے مرکب سے دھوکر دونوں کو پھر لکھائی کے لئے محفوظ کر لیتے تھے۔

(۴) وہ خط جن کی شکلیں متعدد ہیں اور جن کے مضمون یا مضمون کے بعض حصوں میں محض سطحی شاہت پائی جاتی ہے، ان میں ایسے خطوط کے اصل سے قریب تر ہونے

کا امکان ہے جو کاتب کی شخصیت، مزاج، پالسی یا طریقِ حکومت سے زیادہ ہم آہنگ ہوں، یہی ہم آہنگی ان خطوط کی اصل سے قربت کی دلیل بن سکتی ہے جن کی صرف ایک ہی شکل دریافت ہو سکی ہے۔

(۵) متضاد خطوط میں ان خطوں کے اصل سے مطابق ہونے کا زیادہ امکان ہے جن کے مضمون کی تائید رسول اللہ اور بڑے صحابہ کے فتووں، فیصلوں اور اجتہادات یا خود کاتب خلفا کی اپنی شخصیت، مزاج اور طریقِ حکومت سے ہوتی ہو۔

عثمان غنی

اسلام سے پہلے قریش کے چار خاندان مکہ پر چھائے ہوئے تھے۔ خاندانِ ہاشم، خاندانِ عبدشمس، خاندان مُطّلب اور خاندان نوفل۔ یہ چاروں ایک دادا عبدمناف کی اولاد تھے اور تجارت کرتے تھے، ان کے تجارتی قافلے شام، عراق، یمن اور حبشہ جایا کرتے تھے، ان میں ہاشم اور عبدشمس کے خاندان زیادہ مالدار اور معزز تھے، لیکن ان کی خوشحالی میں مدّوجزر ہوتا رہتا تھا، موافق یا ناموافق حالات کے زیرِ اثر کبھی ایک خاندان زیادہ پھلنے پھولنے لگتا کبھی دوسرا، جو خاندان زیادہ متمول ہو جاتا اسی کا اثر اور رسوخ آس پاس کے عرب قبیلوں میں بڑھ جاتا، وہی میرِ مکہ ہوتا، وہی مکہ کی قومی تیرتھ گاہ کا متولی بنتا اور اسی کے ہاتھ میں سالانہ حج کی قیادت ہوتی، اس وجہ سے دونوں خاندانوں میں مُسابقت کی دوڑ اور رقابت کی روح کارفرما رہتی تھی، یہ مسابقت اور رقابت اسلام کے بعد بھی باقی رہی، رسول اللہ کی وفات پر بنو ہاشم اور بنو عبدشمس یا بنو امیّہ میں خلافت کی جو کشمکش ہوئی وہ اسی رقابت اور مسابقت کی مرہون تھی۔

عثمان غنی کا تعلق عبدشمس (بنو امیّہ) کے خاندان سے تھا، اُن کے والد آسودہ حال بیوپاری تھے اور تجارتی قافلے لے کر شام جایا کرتے تھے، ایک سفر کے دوران وہ شام کے مشہور ساحلی شہر غزہ میں بیمار پڑے اور وہیں اُن کا انتقال ہو گیا۔[1] عثمان کے صرف تین بچے تھے لیکن روپیہ پیسہ خوب تھا اس لئے زندگی آسائش سے گذرتی تھی، ان کے بعد عثمان غنی نے تجارت کو اور زیادہ فروغ دیا، مستعد اور باشعور آدمی تھے، نئے نئے ڈھنگوں سے تجارت کیا کرتے تھے، نفع میں شرکت کر کے روپیہ دیتے، غلاموں سے تجارت کراتے اور زرِ مخلصی لے کر آزاد کرتے، سستے داموں جائدادیں خریدتے اور

---

[1] کتاب المعارف ابن قتیبہ مصر ۱۹۳۴ء صہ ۸۳

ایک ملک کا سامان دوسرے ملک کو بھیجتے۔

عثمان غنی، ابوبکر صدیق کی ترغیب پر مسلمان ہوئے، رسول اللہ سے پانچ چھ سال چھوٹے بتائے جاتے ہیں، میانہ قد، وجیہ اور خوش رو، گندمی رنگ، چوڑا سینہ، گھنے بال، دل ہمدرد اور غمخوار پایا تھا، بڑے کشادہ دست تھے، نیاز مند اور صلح جو بھی ان کی صورت، سیرت اور خوش حالی دیکھ کر رسول اللہ نے اپنی لڑکی رُقَیہّ کی ان سے شادی کردی، یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہؐ مکہ میں اشاعتِ اسلام کی جدوجہد میں مشغول تھے، اس وقت عثمان غنی کی عمر لگ بھگ چالیس سال کی تھی، قریش مکہ کی اسلام دشمنی جب بڑھ گئی اور وطن کی فضا میں سانس لینا مشکل ہوگیا تو عثمان غنی بیوی بچوں کے ساتھ حبشہ چلے گئے جہاں کے تاجروں سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے اور جب رسول اللہ ہجرت کرکے مدینہ آئے تو وہ بھی پردیس سے لوٹ آئے، ۲ ہجری میں جنگ بدر کے موقع پر اُن کی بیوی رُقَیہّ بنت رسول اللہؐ بیمار پڑیں اور ایسی کہ وہ جنگ میں شریک نہ ہو سکے مرض بگڑ گیا اور ان کی جان لے کر ٹلا، ان کے انتقال کے بعد عمر فاروق نے اپنی بیوہ لڑکی حفصہ کا عقد عثمان غنی سے کرنا چاہا لیکن وہ تیار نہ ہوئے، عمر فاروق نے اس سردمہری کی رسول اللہؐ سے شکایت کی تو انہوں نے حفصہ سے خود شادی کرلی اور عثمان غنی کو اپنی دوسری لڑکی ام کلثوم بیاہ دی[۱]، دولت اور خاندانی شرافت کے ساتھ عثمان غنی ایسی نکھری اور ستھری زندگی گذارتے اور اپنے اہل وعیال کو اتنی اچھی طرح رکھتے کہ بڑے آدمی ان سے ازدواجی رشتہ کے خواہشمند رہتے تھے، یہی وجہ تھی کہ رسول اللہؐ نے دوسری لڑکی کی شادی کے موقع پر ان سے کہا: "اگر میرے دس لڑکیاں ہوتیں تو اُن سب کی یکے بعد دیگرے، تم سے شادی کردیتا۔"[۲]

مدینہ آکر عثمان غنی نے اپنا کاروبار شروع کردیا، دنیا پھر ان کے قدم چومنے لگی، وہ بڑے سوداگر اور بینکر قسم کے آدمی تھے، ان کو زیادہ دوڑ دھوپ کرنے کی

۱۔ العقد الفرید، ابن عبد ربہ مصر۔ ۱۹۲۳ء، ۱/۲۸۰

ضرورت نہ تھی، ان کے کارندے کام سنبھالے ہوئے تھے، وہ خود رسول اللہؐ کی خدمت میں رہتے اور ان کے سارے اہم معاملات میں حصہ لیتے، بدر کے علاوہ اُن کی ساری جنگوں میں شریک ہوئے، انہوں نے روپیہ پیسہ سے بھی اسلام کو خوب تقویت پہنچائی، آڑے وقت دس پانچ روپے سے مدد کرنے والے مسلمان تو کافی تھے لیکن سینکڑوں اور ہزاروں قربان کرنے والے صرف انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔ اُن معدودے چند خوش نصیبوں میں عثمان غنی سب سے بڑھ کر تھے، جب مکہ کے مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آئے تو وہاں کا پانی ان کو پسند نہ آیا، شہر کے باہر اچھے پانی کا صرف ایک کنواں تھا جس کو بئر رُومہ کہتے تھے، اس کا مالک ایک یہودی تھا، رسول اللہؐ چاہتے تھے کہ کنواں خرید لیا جائے تاکہ سب مسلمان اس کا پانی استعمال کر سکیں لیکن سوال یہ تھا کہ اس کی قیمت کہاں سے آئے، ہجرت کے ابتدائی چند سالوں میں اُن کی اور دوسرے بہت سے نومسلموں کی مالی حالت نہایت خراب تھی، عثمان غنی نے ہمت کی اور کنواں خریدنے کے لئے یہودی سے بات چیت کرنے گئے، یہودی نے کہا میں کنواں الگ نہیں کر سکتا کیونکہ میری کھیتی باڑی، کھانے پینے سب کا اسی پر دارومدار ہے، تمہاری خاطر اس کا آدھا پانی قیمتہً دے سکتا ہوں، عثمان غنیؓ نے چھ ہزار روپے میں آدھا پانی خرید لیا، ایک دن یہودی پانی لیتا، ایک دن مسلمان، مسلمانوں کی باری آتی تو وہ دو دن کا پانی نکال لے جاتے، اس سے یہودی کو شکایت پیدا ہوئی اور اس نے باقی کنواں بھی عثمان غنی کے ہاتھ چار ہزار روپے میں بیچ دیا۔[۱]

سنہ ۹ھ میں شام کے ایک تجارتی قافلہ سے جو مدینہ آیا ہوا تھا رسول اللہؐ کو یہ خبر ملی

---

[۱] استیعاب ابن عبدالبر حیدرآباد ہند ۱۳۳۶ھ ۲/۵۰۷، وکتاب المعارف ص۸۴ وسنن کبریٰ بیہقی حیدرآباد ہند ۱۳۵۵ھ ۶/۱۶۷ و ۱۶۸ ومعجم البلدان یاقوت مصر ۱۹۰۶ء ۴/۲۰۱، معجم البلدان میں کل کنوئیں کی قیمت ساڑھے تیرہ ہزار روپے اور انساب الاشراف بلاذری ۱/۵۰۲ میں دو ہزار (چار سو دینار) بتائی گئی ہے۔

کہ شام کی بازنطینی حکومت حجاز پر فوج کشی کے لئے سرحد پر فوجیں جمع کر رہی ہے، یہ خبر تھی بالکل بے بنیاد اور بعض مفسدوں نے مسلمانوں میں ہراس پھیلانے کے لئے مشتہر کرائی تھی، رسول اللہ نے شامیوں کے مقابلہ کے لئے مسلمانوں کو تیار ہونے کا حکم دیا، بے مدگرمی پڑ رہی تھی، حجاز قحط کی زد میں آیا ہوا تھا، بہت سے نو مسلم تلاش اور بے روزگار تھے، کھجور کی فصل تیار تھی اور اہلِ مدینہ اپنے باغوں کی رکھوالی میں مشغول تھے، اس کے علاوہ شامی فوج کی تعداد، ہتھیاروں اور تیاری کے بارے میں ایسی مبالغہ آمیز خبریں پھیلائی گئی تھیں کہ مسلمان ان سے لڑنے کے خیال تک سے ہراساں ہو رہے تھے، بہت سے متذبذب مسلمانوں نے رسول اللہؐ کی فوجی مہم کو خلاف مصلحت سمجھ کر جانے سے انکار کر دیا اور ایک اچھی خاصی تعداد نے بہانوں کی آڑ لی، تیس ہزار، اور بعض کہتے ہیں کہ چالیس ہزار فوج تیار کرنے کا منصوبہ تھا جس میں دس ہزار گھوڑوں کے رسالے شامل تھے، اتنا بڑا منصوبہ اور ذرائع ناکافی! جہاد فنڈ کے نام سے چندہ کی مہم چلادی گئی، اس فنڈ کے لئے غریبوں، امیروں اور عورتوں سب نے قربانی کی: غریبوں نے کھجور اور ستو سے، امیروں نے جن میں قریش کے صحابی سوداگر پیش پیش تھے، روپے سے، عورتوں نے عطر، عنبر، مشک اور زیورات سے، ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ نے دو دو ہزار روپے دیئے، عبدالرحمٰن بن عوف نے چار ہزار (دو سو اوقیہ) اور عثمان غنیؓ نے ایک تہائی فوج کے ہتھیار، جانور اور غذا مہیا کرنے کا ذمہ لیا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے دس ہزار دینار دیئے جو اس وقت کی شرح سے پچاس ہزار روپے کے برابر تھے[1]

جیسا کہ اوپر بیان ہوا عثمان غنی نے ایک آسودہ حال گھر میں جنم لیا تھا جس میں خدا کی دی ہوئی سب نعمتیں مہیا تھیں، اس لئے شروع ہی سے وہ اجلی اور ستھری زندگی

---

[1] تاریخ الخمیس قاضی دیار بکری مصر ۲/۱۲۳، ذکر النعمان متقی برہانپوری حیدر آباد ہند ۱۳۱۵ھ ۵/۳۰۱۔

بسر کرنے کے عادی تھے، اچھا کھاتے، اچھا پہنتے اور آرام سے رہتے، اسلام کے بعد بھی وہ اپنی روش پر قائم رہے کیونکہ نہ تو اسلام کا اُن سے یہ مطالبہ تھا کہ وہ موٹا کھائیں اور موٹا پہنیں اور نہ رسول اللہ ہی مسلمانوں کو طیباتِ رزق سے محروم کرنا چاہتے تھے۔

صحابی عمرو بن اُمیّہ ضمری: قریش کے بوڑھے لوگوں کو خزیرہ (ایک قسم کا کھچڑا) بہت مرغوب تھا، ایک دن رات کے کھانے پر میں نے عثمان غنی کے ساتھ خزیرہ کھایا جو نہایت لذیذ تھا، اس میں بکری کا گوشت تھا اور گھی دودھ کا بگھار، عثمان غنی نے مجھ سے پوچھا: "کیسا ہے خزیرہ؟ میں نے کہا: کیا کہنا، اس سے اچھا میں نے کبھی نہیں کھایا"؛ عثمان غنی: خدا رحم کرے ابن خطاب (عمرؓ) پر، کبھی ان کے ساتھ بھی تم کو خزیرہ کھانے کا اتفاق ہوا؟" میں نے کہا: "جی ہاں، لیکن ان کا خزیرہ اتنا روکھا تھا کہ جب میں اس کا لقمہ منہ کی طرف لاتا تو وہ بکھر جاتا، اس میں نہ گوشت ہوتا نہ دودھ، بس گھی ہوتا تھا، عثمان غنی: "تم نے سچ کہا عمرو، بخدا اُن کے نقش قدم پر چلنے والے کو آرام میسر نہیں ہو سکتا، ان کو خشک اور روکھی زندگی پسند تھی، بخدا میں یہ خزیرہ مسلمانوں کے پیسے سے نہیں بلکہ اپنی کمائی سے کھا رہا ہوں، تم کو معلوم ہے کہ قریش کے سوداگروں میں میری تجارت سب سے زیادہ فروغ پر رہی ہے اور میں شروع ہی سے اچھی اور نرم غذا کھانے کا عادی رہا ہوں اور اب تو میرا بڑھاپا ہے"۔[1]

عثمان غنی کے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر: "میں رمضان میں عثمان غنی کے ساتھ افطار کرتا تھا، وہ ہمارے لئے مرغن اور لذیذ کھانے منگواتے، دسترخوان پر عمدہ میدہ کی روٹی اور بکری کے بچہ کا گوشت ہوتا، میں نے عمر فاروق کو کبھی میدہ کی روٹی کھاتے نہیں دیکھا اور نہ بچہ کا گوشت، وہ ہمیشہ بڑی راس کا گوشت کھاتے تھے، میں

---

[1] تاریخ الامم والملوک ابن جریر طبری مصر پہلا ایڈیشن ۱۳۶/۵ -

نے عثمان غنی سے عمر فاروق کے کھانے کا ذکر کیا تو وہ بولے: "عمر کی برابری کون کرسکتا ہے"[1]

دانائے عرب احنف بن قیس: "ایک موقع پر میں نے عثمان غنی کے جسم پر قوہستان[2] کے بڑھیا قسم کے کپڑے کی قمیص دیکھی اور دوسرے موقع پر وہ زرد رنگ کی چادر اوڑھے تھے۔" دوسرا شاہد: "میں نے عثمان غنی کو یمن کے قیمتی دھاری دار کپڑے کی چادر اوڑھے دیکھا جس کی قیمت پچاس روپے تھی"[3]۔ ایک تیسرا شاہد کہتا ہے: "میں نے عثمان غنی کے جسم پر بوٹے دار تسری شال دیکھی جس کی قیمت سو روپے تھی۔"[4] انساب الاشراف بلاذری کے رپورٹر اس چادر کی قیمت پانچسو روپے یا سو دینار بتاتے ہیں۔[5]

کسی کو یہ گمان نہ ہونا چاہیئے کہ بڑے صحابہ کے زمرہ میں صرف عثمان غنی ہی کو کھانے پینے اور پہننے کا شوق تھا۔ شاید عمر فاروق کو چھوڑ کر صفِ اول کے سارے ہی صحابہ بشرطیکہ ان کی مالی حالت اچھی ہوتی، صاف ستھری اور شاندار زندگی بسر کرتے تھے، ہمارے مورخ بتاتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف کو جو دیگر اصحابِ شوریٰ طلحہؓ، علیؓ، زبیرؓ اور سعدؓ بن ابی وقاص کی طرح ہزاروں لاکھوں کے آدمی تھے، بڑھیا لباس پہننے کا خاص شوق تھا اور ان کی چادر یا شال کی قیمت دو ڈھائی سو روپے ہوا کرتی تھی۔[6] تاریخ صنعا[7] کا مولف عبداللہ بن عمر کی سند پر کہتا ہے کہ عمر فاروق کو بڑے صحابہ کے رکھ رکھاؤ اور ظاہری شان کا اتنا خیال تھا کہ وہ خود ان کا لباس تیار کراتے تھے، جس پر نو سو روپے لاگت آتی تھی۔[8] غالباً حج اور دوسرے رسمی اجتماعات کے موقعوں پر یہ لباس پہنا جاتا ہوگا۔

یہاں یہ بتا دینا مناسب ہے کہ اس وقت جزیرۂ عرب میں اشیاء ضرورت عمیجاً عنقر

---

[1] تاریخ الامم والملوک ابن جریر طبری مصر پہلا ایڈیشن ۱۳۶/۵۔ [2] خراسان کا ایک ضلع۔ [3] طبقات ابن سعد لائڈن قسم اول ۳۹/۳۔ [4] انساب الاشراف بلاذری طبع فلسطین ۳/۵۔ [5] طبقات ابن سعد ۹۲/۳۔ [6] تاریخ صنعا (قلمی) از احمد بن عبداللہ بن محمد رازی، دار الکتب قاہرہ رقم ۲۳۰۳۔

کی نسبت زیادہ گراں تھیں، بالخصوص کپڑا، برتن اور فرنی چر۔ اس کے علاوہ عثمان غنی کے عہد میں روپیہ پیسہ کی بہتات نے بھی گرانی بڑھادی تھی، نئی نئی فتوحات، تجارت اور جاگیروں کی آمدنی سے بڑے پیمانہ پر روپیہ مدینہ آنے لگا تھا، جب روپیہ پیسہ مقدار میں بڑھتا ہے تو اس کی قوتِ خرید کم ہو جاتی ہے اور اشیاءِ ضرورت مہنگی ہو جاتی ہیں چنانچہ اس زمانہ میں بعض صفات کی کنیزوں کی قیمت ان کے ہموزن چاندی کے برابر ہو گئی تھی، ایک عمدہ گھوڑا پچاس ہزار روپے اور ایک بڑھیا اونٹ پانچ ہزار میں آتا تھا، اچھی قسم کے درخت خرما کی قیمت پانچسو روپے وصول کی جاتی تھی[1] صحابہ خود ہی اچھا لباس نہ پہنتے بلکہ اپنے متعلقین اور بیویوں کو بھی اپنی شایانِ شان پہناتے قاضی واقدی: "رسول اللہ کے ساتھی بیویوں کے لباس کے معاملہ میں فراخ دستی سے کام لیا کرتے تھے[2]" صحابی ابن مسعود نے جو ہمیشہ صاف ستھرے اور خوشبودار کپڑے پہنا کرتے مرتے وقت اپنے کفن تک کے لئے وصیت کر دی تھی کہ سو روپے سے کم کا نہ ہو[3] سعد بن ابی وقاص کا لباس ٹسری ہوتا تھا[4]۔

بڑے صحابہ کے بارے میں یہ بتانا تو مشکل ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں کتنا کمایا اور کتنا خرچ کیا لیکن ان کی ایک اقلیت بالخصوص اصحاب شوریٰ کے متعلق جو قریش کے بڑے سوداگروں اور جاگیرداروں پر مشتمل تھی اتنا معلوم ہے کہ انہوں نے مرتے وقت کتنی دولت چھوڑی:۔

ابوبکر صدیق (متوفی ۱۳ھ)

قبولِ اسلام کے وقت ان کی مالی حیثیت بیس ہزار روپے کی تھی لیکن بوقت وفات

---

[1] استیعاب ۲/۲۷۶ و الامامہ والسیاسۃ ابن قتیبہ مصر ۱۹۳۷ء صـ ۲۷۔

[2] طبقات ابن سعد ۳/۱۴۰ - [3] ایضاً ۳/۱۱۱ -

[4] ایضاً ۳/۱۱۲ -

ان کے پاس بمشکل نقد کوئی قابلِ ذکر رقم نہیں تھی، البتہ انہوں نے کافی اچھی مالیت کی ایک جاگیر مدینہ کے باہر چھوڑی، یہ جاگیر سنہ ھ میں رسول اللہ نے ان کو عطا کی تھی۔[۱]

عمر فاروقؓ (متوفی سنہ ۲۳ھ)

کئی جاگیروں کے مالک تھے، جن میں سے دو کے نام یہ ہیں: ثمغ اور صرمتہ ابن الاکوع تیسری جاگیر خیبر میں تھی، یہ تینوں رسول اللہ نے عطا کی تھیں، ان سے بیس ہزار روپے سالانہ وصول ہوتے تھے[۲] تاریخ صنعاء کی تصریح سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان جاگیروں کی قیمت پانچ لاکھ روپے تھی۔

علی بن ابی طالبؓ (متوفی سنہ ۴۰ھ)

رسول اللہؐ نے ان کو خیبر وغیرہ میں چار جاگیریں دی تھیں: فُقیرین، بئرقیس اور شجرہ[۳]، پھر عمر فاروقؓ نے جو ان کے داماد بھی تھے یَنبُع کی سرسبز وادی عطا کی جہاں نخلستان تھے[۴] عثمان غنی کے قتل سے پہلے ان کی سالانہ آمدنی پچاس ہزار روپے تک پہنچ گئی تھی۔ عن أبي جعفر قال: ما قتل ابن عفان حتی بلغت غلة علی مائة ألف[۵] ہمارے رپورٹر بتاتے ہیں کہ وہ سالانہ دس ہزار روپئے زکاۃ کی مد میں ادا کرتے تھے۔[۶]

عثمان غنیؓ (متوفی سنہ ۳۵ھ)

بارہ لاکھ پچاس ہزار روپئے اور بقول بعض ایک کروڑ ساٹھ لاکھ روپئے، دس

---

[۱] کتاب الخراج ابو یوسف مصر سنہ ۱۳۰۲ھ ص ۳۳ و فتوح البلدان بلاذری مصر سنہ ۱۳۱۹ھ ص ۲۳۔ [۲] سنن کبری بیہقی ۶/۱۵۸ و شرح نہج البلاغۃ ۳/۱۵۸۔ [۳] کتاب الخراج یحییٰ بن آدم قرشی مصر سنہ ۱۳۴۷ھ ص ۳۵ و فتوح البلدان بلاذری مصر سنہ ۱۳۱۹ھ ص ۱۵ و سنن کبری بیہقی ۶/۱۴۴۔ [۴] کتاب الخراج یحییٰ بن آدم ص ۲۸ و فتوح البلدان ص ۲۰۔ [۵] کتاب الخراج یحییٰ بن آدم ص ۳۸۔ [۶] تاریخ صنعاء قلمی

[۷] مروج الذہب مسعودی حاشیہ تاریخ کامل ابن اثیر۔ [۸] طبقات ابن سعد ۳/۵۳۔

لاکھ روپے[۱] اور بقول مسعودی پانچ لاکھ روپے کی جائداد جو انہوں نے زندگی ہی میں عزیز اقارب میں بانٹ دی تھی، ہزار اونٹ، ایک حویلی۔

عبدالرحمٰن[۲] بن عوف (متوفی ۳۲ھ)

تیرہ لاکھ چوالیس ہزار روپے[۳] نقد، بعض رپورٹر کہتے ہیں سولہ لاکھ، ہزار اونٹ تین ہزار بکریاں[۴] سو گھوڑے[۵] ایک رہائشی حویلی۔

زبیر بن عوام (متوفی ۳۶ھ)

مرتے وقت چار لاکھ کے مقروض تھے، طبقات ابن سعد[۶] کے راوی گیارہ لاکھ کا قرضہ بتاتے ہیں، دو کروڑ ساٹھ لاکھ روپے کی جائداد چھوڑی اور ایک رپورٹ یہ ہے کہ جائداد سات کروڑ پچپن لاکھ سے زیادہ کی تھی، اس میں مدینہ کے گیارہ مکان، بصرہ کی دو حویلیاں، کوفہ کی ایک حویلی اور اسکندریہ مصر کی ایک کوٹھی قابلِ ذکر ہے ہزار غلام، ہزار گھوڑے[۷] اینٹ چونے اور ساگون کی ایک رہائشی حویلی۔

طلحہ بن عبید اللہ (متوفی ۳۶ھ)

اکیس[۸] لاکھ[۹] اور بقول بعض پانچ لاکھ نقد[۹]، ڈیڑھ کروڑ کی جائداد[۱۰] صرف عراق کی جاگیر سے ان کو ہر دن پانچسو روپے سے زیادہ وصول ہوتے تھے، یمن کی ایک جائداد سے پچاس ہزار روپے سالانہ کی آمدنی تھی[۱۱] اینٹ چونے اور ساگون کی ایک رہائشی حویلی۔

سعد بن ابی وقاص (متوفی ۵۰ھ یا ۵۵ھ)

ایک لاکھ پچیس[۱۲] ہزار روپے، امیر معاویہ کے زمانۂ خلافت میں انہوں نے ایک بار

---

[۱] مروج الذہب مسعودی حاشیہ تاریخ کامل ابن اثیر ۳/۵۳۔ [۲] ایضاً ۵/۱۵۱۔ [۳] تاریخ صغیر، دس ہزار بکریاں [۴] طبقات ابن سعد ۳/۹۶۔ [۵] تاریخ صغیر قلمی۔ [۶] طبقات ابن سعد ۳/۷۹، سنن کبریٰ ۶/۲۸۹ میں قرضہ کی تعداد بائیس لاکھ ہے [۷] مروج الذہب حاشیہ تاریخ کامل ۵/۱۵۱، و تاریخ صغیر۔ [۸] طبقات ابن سعد ۳/۱۵۸۔ [۹] تاریخ صغیر قلمی۔ [۱۰] طبقات ابن سعد ۳/۱۵۷۔ [۱۱] ایضاً ۳/۱۵۰، و تاریخ صغیر۔ [۱۲] طبقات ابن سعد ۳/۱۰۵ و تاریخ صغیر قلمی۔

صرف نقد روپے کی زکاۃ ڈھائی ہزار ادا کی تھی[۱]، مدینے سے باہر ایک عالی شان رہائشی کوٹھی تھی۔

عبداللہ بن مسعود[۲] (متوفی ۳۲ھ)

بینتالیس ہزار روپے[۳]۔

زید بن ثابت[۴] (متوفی ۴۵ھ)

گیارہ لاکھ روپے[۵]۔

عثمان غنیؓ دولتمند تھے لیکن دولت پرست نہ تھے، خوددار تھے لیکن خود غرض نہ تھے مروت شاید ان کی سب سے بڑی صفت تھی، ان کا ہاتھ یگانہ اور بیگانہ دونوں کے لئے کھلا رہتا تھا، لیکن ان کی میزانِ مروت میں ذوی القربا اولین حقدار تھے، وہ مشکلات اور دکھ دور کرنے کے لئے ہی خرچ نہ کرتے بلکہ روٹھوں کو منانے اور بگڑوں کی تالیفِ قلب کے لئے بھی خرچ کرتے تھے، ان کا بہت بڑا کنبہ تھا جن میں خوش حال کم تھے نادار زیادہ، قریش سے رسول اللہؐ کی جنگوں میں ان کے خاندان کے کمانے والے مارے گئے تھے، بہت سی عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو گئے تھے، عثمان غنی سب کے غمخوار تھے، سارے یتیم بچوں کو انہوں نے اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا تھا، ان کا خرچ اور تعلیم و تربیت سب ان کے ذمہ تھی، محمد بن ابی حُذیفہ ایسے ہی ایک یتیم تھے جو پل بڑھ گئے تھے لیکن جب عثمان غنی نے انکو عہدہ نہیں دیا تو وہ بگڑ کر مصر چلے گئے اور وہاں مخالف کیمپ میں داخل ہو کر عثمان غنی اور ان کی حکومت کے خلاف پروپگنڈا کرنے لگے

مروّت اور تالیفِ قلب کی مثالیں

معاویہ بن مغیرہ، عثمان غنی کا چچا زاد بھائی تھا، ۳ھ میں وہ قریش مکہ کی طرف

---

[۱] طبقات ابن سعد ۳/۱۰۵، تاریخ صنعاء میں زکاۃ کی مقدار ایک لاکھ دی گئی ہے۔ [۲] طبقات ابن سعد ۳/۱۱۳۔ [۳] تاریخ صنعاء قلمی۔

نے جنگِ احد میں شریک ہوا اور اس کی ابتدائی جھڑپوں میں شکست کھاکر فرار ہو گیا، رات ہوئی تو وہ مدینہ کے باہر ایک جھاڑی میں سو گیا، صبح تڑکے وہ مدینہ میں داخل ہوا اور عثمان غنی کے دروازہ پر جاکر دستک دی، عثمانؓ غنی اس وقت رسول اللہؐ کے پاس تھے جو جنگ اُحد میں شکست کھاکر ہنوز میدان سے واپس نہیں ہوئے تھے عثمان غنی کی بیوی (رسول اللہ کی صاحبزادی) ام کلثوم نے کہا کہ وہ گھر پر نہیں ہیں' معاویہ: "ان کو ابھی بلوا دو، میں ایک اونٹ کی قیمت دینے آیا ہوں جو دو سال پہلے ان سے خریدا تھا" ام کلثوم نے عثمان غنی کو بلوا بھیجا، وہ معاویہ کو دروازہ پر دیکھ کر سخت حیران و پریشان ہوئے اور بولے: یہ تم نے کیا غضب کیا کہ یہاں آئے! معاویہ: ابن عم میں اکیلا محمد کے رسالوں سے بھاگ کر مکہ نہیں جا سکتا اس لئے تمہاری پناہ لینے آیا ہوں " عثمان غنی نے ان کو گھر کے ایک کمرہ میں چھپا دیا۔ اور رسول اللہؐ سے ان کی جاں بخشی کی سفارش کرنے چلے گئے، اس اثنا میں رسول اللہؐ کو خبر ہو گئی اور انہوں نے معاویہ کو گرفتار کرنے کچھ لوگ بھیجے، وہ معاویہ کو پکڑ لے گئے، جب معاویہ رسول اللہ کے سامنے حاضر ہوا تو عثمان غنی نے بڑی منت سے اس کی سفارش کی، رسول اللہ نے اس کی جان بخش دی اور کہا، تین دن کے اندر اندر شہر چھوڑ دو ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے عثمان غنی معاویہ کو گھر لائے، خاطر مدارات کی اور ایک اونٹ اور زادِ راہ دے کر ان کو مکہ بھیج دیا۔[۱]

بڑے صحابی طلحہ بن عبید اللہ کسی وقتی ضرورت کے لئے عثمان غنی سے پانچ ہزار روپئے لے گئے، طلحہ اصحابِ شوریٰ میں سے تھے اور خلافت کے امیدوار، عثمان غنی پر نقد بھی کیا کرتے تھے، کچھ دن بعد انہوں نے عثمان غنی سے کہا: "روپیہ آ گیا ہے منگوا لیجئے" عثمان غنی: "ابو محمد رہنے دو، تمہاری فیاضی کے کام آئے گا۔ ھولک یا ابا محمد معونۃ

---

[۱] کتاب المغازی، واقدی، کلکتہ ۱۸۵۵ء، ایڈیٹر الفریڈ کریمر ص ۳۲۲۔

للٹ علے مروئتلٹ؟[1]

عثمان غنی کے ماموں زاد بھائی اور گورنر بصرہ عبداللہ بن عامر بن کُریز خراسان کی فتوحات کے بعد مدینہ آئے تو عثمان غنی نے ان سے کہا: "تحفہ تحائف سے مہاجرین قریش کی تالیفِ قلب کرو۔" ابن عامر نے ممتاز قریشی صحابہ کو جو عطیے اور تحفے بھیجے ان میں ایک تحفہ ڈیڑھ ہزار روپے اور ایک پوشاک پر مشتمل علی بن ابی طالب کو بھی بھیجا، عطیہ پاکر علی حیدر نے کہا: "یہ محمد کی میراث ہے جو اغیار کھا رہے ہیں۔" عثمان غنی کو اس ریمارک کی خبر ہوئی تو انہوں نے ابن عامر سے کہا کہ ڈیڑھ ہزار روپے علی کی شایانِ شان نہ تھے۔ ابن عامر: "میں نے زیادہ بھیجنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ مجھے علی کے بارے میں آپ کی رائے معلوم نہ تھی۔" ابن عامر نے مزید دس ہزار روپے علی حیدر کو بھیج دیئے، وہ خوش ہوئے اور مسجد میں جاکر اپنے حلقہ میں بیٹھے تو وہاں ابن عامر کے تحفوں اور عطیوں کا چرچا ہو رہا تھا، علی حیدر نے کہا: "واقعی ابن عامر قریشی سخیوں کا سرتاج ہے!" انصار اکابر کو ابن عامر کی داد و دہش کا علم ہوا تو ان کو جلن ہوئی اور وہ ابنِ عامر کو بُرا بھلا کہنے لگے، عثمان غنی کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے ابن عامر کو بلایا اور کہا: "اپنی آبرو بچاؤ اور انصار کے ساتھ بھی سلوک کرو، تم کو معلوم ہے اُن کی زبان کتنی تیز ہے۔" ابن عامر نے ان کو بھی ہاتھ کھول کر روپیہ اور کپڑا دیا، اب وہ بھی ابنِ عامر کے ثناخواں ہو گئے۔[2]

چار بڑے شعبے تھے جن کا خلیفہ سے براہ راست تعلق تھا: (۱) جنگی اقدامات (۲) مالی معاملات (۳) گورنروں اور کمانڈروں سے خط و کتابت اور (۴) نصب و عزل، ان کے علاوہ بہت سے فروعی، ہنگامی، مقامی اور شخصی معاملات بھی اس کے سامنے فیصلہ کے لئے آتے تھے، عمر فاروق کا طریق کار یہ تھا کہ خاص طور پر ایسے امور میں جن کا تعلق قومی خطرہ، کسی سنگین جنگ یا بڑی فوجی کارروائی سے ہوتا تو وہ مسجد میں جاکر اکابر مدینہ

---

[1] تاریخ الامم ۳/ ۱۳۹۔ [2] طبقات ابن سعد ۵/ ۳۱۔

کو صورتِ حال سے مطلع کرتے اور بڑے صحابہ کے مشورہ سے کام کرتے لیکن باقی سارے معاملات وہ خود اپنی صوابدید سے طے کیا کرتے تھے، جہاں تک ہمیں معلوم ہے ان کی کوئی باضابطہ مشاورتی کمیٹی نہ تھی، البتہ اس ضمن میں نوعمر اور باشعور عبداللہ ابن عباس کا نام لیا جاتا ہے کہ عمر فاروق ان سے مشورہ کرتے تھے۔[۱]

عثمان غنی خلیفہ ہوئے تو وہ بھی عمر فاروق کی طرح اہم معاملات میں اکابرِ مدینہ سے رجوع کیا کرتے اور بڑے صحابہ کی صلاح سے کام کرتے لیکن ان کا ایک پرائیوٹ مشاورتی حلقہ بھی تھا جو ان کے بعض تجربہ کار اور صاحبِ نظر رشتہ داروں پر مشتمل تھا جیسے ابوسفیان، سعید بن عاص اور مروان بن حکم، عمر فاروق نے جب خلافت کا چارج لیا اس وقت ان کی عمر بیتالیس چھیالیس سال سے زیادہ نہ تھی اور ان میں جوش ہمت اور ولولہ غضب کا تھا، اس لئے حکومت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ان کو معاونوں کی چنداں ضرورت بھی نہ تھی، اس کے برخلاف عثمان غنی نے جب زمامِ حکومت ہاتھ میں لی اُس وقت ان کا سن تقریباً ستر سال کا تھا اور ان میں عمر فاروق کا سا نہ تو جوش تھا نہ ولولہ اور نہ طاقت، ایک اور اہم فرق یہ تھا کہ عثمان غنی کے الیکشن سے عدم تعاون کی فضا پیدا ہو گئی تھی، پارٹی بندی کا ماحول بڑھ گیا تھا اور بڑے صحابہ ان سے اس درجہ کبیدہ خاطر اور کشیدہ رہتے تھے کہ اُن پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا، عثمان غنی کو ایسے معاونوں کی ضرورت تھی جن پر وہ اعتماد کر سکتے جو باشعور بھی ہوتے اور جن سے بآسانی رجوع کیا جا سکتا، اُن کے ہم زلف ابوسفیان ۳۱ھ تک جئے اور سعید بن عاص ۲۹ھ یا ۳۰ھ یا ۳۱ھ سے ۳۴ھ تک مدینہ سے باہر کوفہ کی گورنری پر فائز رہے، مروان جن کا سن عمر فاروق کی وفات کے وقت (۲۳ھ) بیس اکیس سال کا تھا، آخر وقت تک عثمان غنی کے

---

[۱] کنز العمال، ۳/۱ ۵۔

سکریٹری اور مشیر بنے رہے، بچازاد بھائی ہونے کے علاوہ وہ عثمان غنی کے داماد بھی تھے جہاں تک ہم کو معلوم ہے مروان کوئی مفسد یا شری آدمی نہ تھے، ان کا شمار پہلی صدی ہجری کے فقہا میں ہوتا ہے، ان کا دعویٰ تھا کہ میں نے کبھی قرآنی احکامات کی خلاف ورزی نہیں کی[1]، اُن کے اس دعوے کو کسی نے چیلنج بھی نہیں کیا، چونکہ وہ ایک ایسے شخص کے لڑکے تھے جس کو رسول اللہ نے ایک بیہودگی پر مدینہ سے نکال دیا تھا، بڑے صحابہ ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور چونکہ وہ عثمان غنی کے داماد اور مشیر بھی تھے اس لئے بڑے صحابہ ان سے کشیدہ اور برہم رہتے تھے، ان کا خیال تھا کہ مروان عثمان غنی پر بری طرح چھائے ہوئے ہیں اور خلیفہ کے سارے فیصلے مروان کی رائے سے ہوتے ہیں حالانکہ ایسا تھا نہیں، عثمان غنی اکثر خود فیصلے کرتے تھے اور خود ہی پالیسی متعین کرتے تھے اور مروان کو املا کرا دیتے تھے، چھوٹے اور فروعی معاملات میں جن کا ازدحام رہتا تھا وہ مروان کی رائے پر بھی عمل کر لیتے تھے، مروان کی سکریٹری شپ عثمان غنی کو بہت مہنگی پڑی اور ان کے زوال کے بڑے اسباب میں سے ہے، مخالفوں اور بالخصوص مدینہ کے اکابر نے اس کو پروپیگنڈے کا موضوع بنا لیا تھا۔

عمر فاروق کے عہد خلافت میں اسلامی اقتدار عراق، شام اور مصر میں تو اچھی طرح قائم ہو گیا تھا لیکن فارس کے صوبوں پر عربوں کے پیر اُکھڑے اُکھڑے سے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ فارسی بادشاہ کسریٰ یزدگرد (متوفی ۳۱ھ) زندہ تھا اور برابر فارس کے رئیسوں اور اکابر کو عربوں کے خلاف اُکساتا رہتا تھا، ارمینیہ اور آذربیجان کے علاقے جو پہاڑی تھے اور عرب فوجی مرکزوں سے دور، عمر فاروق کے مرتے ہی خود مختار ہو گئے، فارس کے دوسرے مفتوحہ صوبے عثمان غنی کی خلافت

---

[1] انساب الاشراف بلاذری ۱۲۵/۵ -

کے چند سال تک تیور بدلے تیاری میں مشغول رہے، پھر انہوں نے بھی مدینہ کی ماتحتی کا جوا اتار پھینکا، عثمان غنی نے پوری مستعدی سے اس چیلنج کا مقابلہ کیا، فارس کے کچھ صوبے گورنر بصرہ کے ماتحت تھے اور کچھ گورنر کوفہ کے، خلیفہ کے حکم سے دونوں صدر مقاموں کے گورنروں نے باغی صوبوں پر فوج کشی کر دی اور کہیں بذریعہ معاہدہ اور کہیں بزور شمشیر سارے فارس کو مسخر کر لیا، شام میں ان کے گورنر معاویہ نے بازنطینی حکومت کے کئی حملوں کو جن کا مقصد شام کو واگذار کرانا تھا پسپا کر ڈالا اور بحر متوسط کے دو اہم جزیروں قبرس اور روڈس پر فوج کشی کر کے پہلی بار اسلامی قلمرو میں داخل کیا ۳۵ھ میں بازنطینی قیصر کے ایما، اور مدد سے اسکندریۂ مصر میں ایک بڑی بغاوت ہوئی عثمان غنی کے کمانڈروں نے اس پر بھی قابو پالیا، پھر وہ مصر سے متصل شمالی افریقہ کے ان علاقوں کی طرف متوجہ ہوئے جو آج کل لیبیا، تونس اور الجیریا کے نام سے مشہور ہیں اور یہاں بھی اسلامی جھنڈا نصب کر دیا، بعض رپورٹر تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اسپین پر پہلا عرب حملہ عثمان غنی ہی کے حکم سے ہوا، ان کی خلافت کے آخری سالوں میں بازنطینی قیصر نے شام اور مصر کو واپس لینے کے لئے ایک بحری حملہ کیا، چھ سات سو جہازوں کے ذریعہ لیکن ان کے شام اور مصر کے گورنروں نے اس حملہ کو بھی پسپا کر ڈالا، بازنطینی بیڑہ کا بیشتر حصہ تباہ ہوا اور شرقی و وسطی بحر متوسط پر عرب غالب ہو گئے۔

یہ ساری کامیابیاں عثمان غنی کے پانچ گورنروں نے حاصل کی تھیں اور یہ پانچوں گورنر ان کے رشتہ دار تھے، بصرہ کے گورنر عبداللہ بن عامر ان کے ماموں زاد بھائی تھے، کوفہ کے گورنر ولید بن عُقبہ ان کے سوتیلے بھائی اور سعید بن عاص داماد، شام کے گورنر امیر معاویہ ان کے ہم زلف اور چچا زاد بھائی ابوسفیان کے صاحبزادے تھے اور مصر کے گورنر عبداللہ بن سعد بن ابی سَرح رضاعی بھائی، مخالف پارٹیوں کو عثمان غنی کے رشتہ داروں کا اعلیٰ عہدوں پر ہونا سخت ناگوار تھا، وہ کہتے کہ عثمان غنی

کنبہ پروری کی پالسی پر عمل کر رہے ہیں اور خلافت نیز اس کی برکتوں اور فائدوں کو ہمیشہ کے لئے اپنے خاندان (بنو اُمیّہ) کے لئے وقف کر دینا چاہتے ہیں، بعض بڑے صحابہ خود عہدوں کے خواہشمند تھے اور اپنے لڑکوں کے لئے بھی عہدے چاہتے تھے عثمان غنی نے نہ تو اپنے کسی لڑکے کو عہدہ دیا، نہ بڑے صحابہ یا ان کے لڑکوں کو، پانچ رشتہ داروں کی گورنری بڑے صحابہ کو ناگوار تھی تو ان میں تین (امیر معاویہ ولید بن عُقبہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سَرح)، کو پہلے رسول اللہ، پھر ابوبکر صدیق اور آخر میں عمر فاروق نے ان کی لیاقت کارکردگی دیکھ کر خود اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا تھا، باقی دو (ابن عامر اور سعید بن عاص) کے بارے میں عثمان غنی کی دلیل یہ تھی کہ میں نے محض رشتہ کی بناء پر ان کو گورنری نہیں دی بلکہ اس وجہ سے کہ مجھے ان پر بھروسہ ہے اور ان کی اہلیت کا ذاتی تجربہ رکھتا ہوں، مخالف پارٹیاں اپنے مصالح کے پیشِ نظر ان حقائق سے چشم پوشی کر لیتی تھیں، پانچوں گورنروں کی ساری خدمات اور فتوحات کو بھی نظر انداز کر دیتیں اور ان کی چھوٹی سی چھوٹی لغزش کو گناہِ کبیرہ بنا کر اچھالتیں۔

ابوبکر صدیق کی تنخواہ تین سو روپے ماہوار یا چھ ہزار درہم سالانہ تھی، ایک قول یہ ہے کہ وہ حسب ضرورت بیت المال سے لیا کرتے تھے، اس کے علاوہ یثرب اور خیبر سے نکالے ہوئے یہودیوں کی اراضی سے رسول اللہ نے ان کو دو جاگیریں[1] بھی دی تھیں، ان کا خاندان زیادہ بڑا نہ تھا، خلافت کے وقت صرف دو بیویاں اور چند بچے تھے، اس لئے تنخواہ، غنیمت کے حصوں اور جاگیروں کی پیداوار سے کام چل جاتا تھا، خیبر کی جاگیر سے ان کو چھ سو من (سو وسْق[2]) کھجور مل جاتی تھی۔

---

[1] طبقات ابن سعد ۳/۱۳۸ و فتوح البلدان صـ۲۲ وصـ۳۵ ۔ [2] وَسق = ۶۰ صاع، صاع = چار سیر بحساب رطل مدینہ رائج بعہد رسول اللہ۔

عمر فاروق نے خلیفہ ہو کر بڑے صحابہ سے اپنی تنخواہ کے بارے میں بات جیت کی تو عثمان غنی نے کہا کل وأطعم یعنی بیت المال سے لے کر کھائیے اور اپنے اہل وعیال کو بھی کھلائیے، عثمان غنی کے قول کے ابہام اور مضمر وسعت کو دور کرنے کے لئے علی حیدر نے کہا غداءً وعشاءً یعنی صبح شام کا کھانا آپ بیت المال سے لے سکتے ہیں[۱]، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عمر فاروق کی کوئی تنخواہ مقرر نہیں ہوئی تھی، بڑے صحابہ نے ان کو اپنے اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات لینے کا حق دے دیا تھا، جیسے غلہ گھی، تیل، دودھ اور کپڑا۔ عمر فاروق کا خاندان کافی بڑا تھا، چار بیویاں تھیں، تین امہات اولاد، ایک درجن سے زیادہ بچے جن میں کئی ایک کی شادی ہوگئی تھی اور کئی ایک ہنوز ان کے دست نگر تھے، اس میں شک نہیں کہ وہ نہایت کفایت شعار آدمی تھے اور چونکہ بچپن ایک معمولی گھرانے میں گذرا تھا جہاں اونٹ اور بکریاں چرایا کرتے تھے[۲] اس لئے عادۃً ان کو بڑھیا کھانے اور بڑھیا پہننے کا شوق بھی نہ تھا تاہم ان کا خرچ زیادہ تھا، صرف ام کلثوم، علی حیدر کی کمسن صاحبزادی سے ان کی شادی ۱۷ھ میں بیس ہزار روپے مہر[۳] ادا کرکے ہوئی تھی، بال بچوں کے علاوہ اپنے بھائی زید بن خطاب کے کنبہ کی کفالت بھی ان کے ذمہ تھی، زید جنگ یمامہ میں مارے گئے تھے، دوسرے نادار اور غریب رشتہ داروں کا بھی ان پر بار تھا، آمدنی بڑھانے کے لئے وہ تجارت میں بھی روپیہ لگاتے تھے[۴]، ۱۹ھ، ۲۰ھ میں جب جزیہ اور خراج کی لگی بندھی رقمیں آنے لگیں اور مہاجر وانصار کی تنخواہیں مقرر ہوئیں تو ان کو دو ڈھائی ہزار روپیہ سالانہ کی مزید آمدنی ہوگئی، خیبر سے ان کو سالانہ کئی سو من کھجور بھی ملتی تھی[۵]۔ اس کے علاوہ ابو بکر صدیق کی طرح رسول اللہ نے ان کو بھی یہودیوں

---

[۱] طبقات ابن سعد ۳/۲۲۱۔ [۲] تاریخ الامم ۵/۲۹۔ [۳] کنز العمال ۷/۹۷ وتاریخ الامم ۵/۱۶۔

[۴] طبقات ابن سعد ۳/۲۲۱۔ [۵] فتوح البلدان صہ ۳۵۔

کی املاک سے تین جاگیریں دی تھیں جن کی بیس ہزار روپے سالانہ آمدنی تھی اس کے باوجود وہ برابر خزانہ سے قرض لیتے رہتے تھے اور انتقال کے وقت اُن پر سینتالیس ہزار روپے کا قرضہ تھا[۱]۔

عثمان غنی کی تنخواہ کے بارے میں ہمیں کچھ نہیں معلوم ہو سکا، ان کے حالات کے ضمن میں اس موضوع پر کسی قسم کی روشنی نہیں ڈالی گئی، معلوم ہوتا ہے وہ اعزازی کام کرتے تھے اور یہ بات بعید از قیاس بھی نہیں کیونکہ وہ اتنے مالدار تھے کہ ان کو بیت المال سے ایک پائی تک لینے کی ضرورت نہ تھی، ان کی مالداری کی بعض مثالیں تو حیران کن ہیں مثلاً ہمارے رپورٹر کہتے ہیں کہ ایک موقع پر انہوں نے غالباً تالیفِ قلب کے لئے امیدوارِ خلافت زبیر بن عوام کو تین لاکھ روپے کا عطیہ دیا تھا[۲] اور ایک دوسرے موقع پر جب مدینہ قحط کی زد میں آیا ہوا تھا اور خورد ونوش کا سامان کمیاب تھا تو انہوں نے ہزاروں اونٹوں کا ایک کارواں جو ان کے روپے سے تجارت کا آٹا، روغن زیتون اور کشمش لے کر آیا تھا، غریبوں میں بٹوا دیا تھا۔

ابوبکر صدیق نے چار شادیاں کیں، دو اسلام سے پہلے اور دو اسلام کے بعد، ان کے چھ بچے تھے، عمر فاروق نے نو عقد کئے، ان کی امہات اولاد دو تھیں، بچے کم از کم چودہ[۳]، علی حیدر نے بی بی فاطمہ کے بعد سات مزید شادیاں کیں، ان کی متعدد امہاتِ اولاد بھی تھیں، بچے کتیس تھے[۴] عثمان غنی کی کل سات یا آٹھ بیویاں بتائی جاتی ہیں اور ایک ام ولد، بچے ڈیڑھ درجن تھے[۵]، رسول اللہ کی دو صاحبزادیاں رقیہؓ اور ام کلثوم ان سے منسوب تھیں، بی بی رقیہ کا ۲ھ میں جنگ بدر کے زمانہ میں

---

۱ طبقات ابن سعد ۳/۲۲۳ - ۲ ایضاً ۳/۵۱، - ۳ نسب قریش مصعب زبیری - ایڈیٹر لیوی پروونسال - مصر ۱۹۵۳ء ص ۳۴۰-۳۵۰، تاریخ الامم ۵/۱۶ میں صرف بارہ کا ذکر ہے۔

۴ طبقات ابن سعد ۳/۱۱ - ۵ ایضاً ۳/۲۷ و تاریخ الامم ۵/۱۴۷-۱۴۸۔

غالباً چیچک سے انتقال ہوا، ۳ھ میں رقیہ کی بہن ام کلثوم سے ان کا عقد ہوا لیکن چند سال بعد ۹ھ میں ام کلثوم بھی وفات پا گئیں، صرف رقیہ سے ایک بچہ ہوا جو بچپن ہی میں فوت ہو گیا، ان دونوں بہنوں کا کتنا مہر تھا، یہ بتانا ہمارے لئے مشکل ہے رسول اللہ کی بیویوں اور لڑکیوں کے مہر کے بارے میں ہمارے مورخ ایک عام بات کہتے ہیں کہ وہ بارہ اوقیہ اور نش یعنی ڈھائی سو روپئے سے زیادہ نہ ہوتا تھا لیکن عثمان غنی کی دوسری بیویوں کے مہر کی مقدار بہت زیادہ بتائی گئی ہے، نجدی لیڈر عُیَینَہ بن حِصن کی لڑکی ام البنین سے انہوں نے ڈھائی ہزار مہر پر شادی کی تھی، ایک قرشی رئیس شیبہ بن ربیعہ کی لڑکی رَملہ سے پندرہ ہزار اور بقول بعض بیس ہزار اور ایک دوسرے قرشی رئیس خالد بن اسید (بروزن رسید) کی لڑکی سے بیس ہزار مہر پر[1]، ان کی آخری شادی ۲۸ھ میں جب وہ لگ بھگ پچہتر سال کے تھے ایک عیسائی خاندان کی لڑکی نائِلہ سے ہوئی، اس کا مہر پانچ ہزار روپئے تھا، اگر ایک طرف ان اعداد و شمار کو اور دوسری طرف عثمان غنی کی دولتمندی اور رسول اللہ کی لڑکیوں کی حرمت کو سامنے رکھا جائے تو اس بات کا غالب قرینہ ہے کہ ان کا مہر ڈھائی سو سے بہت زیادہ رہا ہوگا۔

بڑے صحابہ میں عثمان غنی سب سے زیادہ صلح جو اور جنگ و پیکار سے نفور تھے، اُن کا ہاتھ نہ مسلمان پر اٹھتا تھا نہ رشتہ دار پر چاہے وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوتا، جنگِ بدر کو چھوڑ کر وہ رسول اللہ کی ساری لڑائیوں میں جن میں سے کئی قریشِ مکہ سے ہوئیں شریک ہوئے لیکن اِن جنگوں میں انہوں نے کوئی نمایاں رول ادا نہیں کیا، دوسرے صحابہ کے بارے میں ہمارے رپورٹر خبر دیتے ہیں کہ ان کے ہاتھ سے قریش کے ایک یا زیادہ افراد زخمی یا ہلاک ہوئے لیکن عثمان غنی کے بارے

---

[1] انساب الاشراف ۵/۱۳۔

میں کوئی ایسی خبر نہیں دیتا، قریش کے متعدد اکابر جو رسول اللہ سے لڑنے آئے تھے عثمان غنی کے رشتہ دار یا دوست تھے، ان کی صلح جوئی، غیرت اور مروت کسی پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ دیتی تھی، صحابہ کے زمرہ میں جس صحابی نے سب سے زیادہ اکابر قریش کو قتل کیا وہ علی حیدر تھے، صرف جنگِ بدر میں[۱] سے زیادہ قریشی جن میں سے کئی ایک عثمان غنی کے رشتہ دار تھے ان کی تلوار کا لقمہ ہوئے اور جنگِ اُحد میں چار، علی حیدر کی خلافت میں رکاوٹ اور بعد میں ناکامی کے وجوہ میں سے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ قریش کے کئی بڑے خاندان جن کے بزرگوں اور عزیزوں کو انہوں نے قتل کیا تھا، ان سے کینہ خاطر رکھتے تھے۔

عثمان غنی کی صلح جوئی اور تشدد سے نفور کی اس صفت سے لوگوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا، پہلے وہ گستاخی سے پیش آئے پھر باغی ہو گئے، چالیس یا پچاس دن تک ان کی حویلی کا مدینہ اور باہر کے لوگوں نے محاصرہ کیا لیکن انہوں نے کوئی سختی نہیں برتی، محاصرہ کے کچھ دن بعد حویلی میں پانی اور خوراک کا داخلہ بھی بند کر دیا گیا، عثمان غنی نے اس کو بھی برداشت کیا، باغیوں نے ان کے کچھ ساتھیوں پر تیر چلا کر زخمی کر دیا، وہ اب بھی صلح جوئی کے جادہ سے نہیں ہٹے، حویلی میں ان کے پاس دس بیس نہیں سات سو آدمی تھے، ہتھیاروں سے مسلح جو بار بار کہتے کہ ہمیں لڑنے کی اجازت دیجیے لیکن وہ منع کر دیتے، آخر کار اپنی صلح جوئی پر انہوں نے خلافت کے ساتھ جان بھی قربان کر دی۔

عثمان غنی اپنی فیاضی اور مروت کی وجہ سے قریش و انصار کے بہت سے لوگوں میں مقبول تھے، اس زمانہ کی اس دعا سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے: أَحَبَّكَ الرَّحْمٰنُ حُبَّ قُرَيْشٍ لِعُثْمَانَ۔ خدا کو تم ایسے پیارے ہو جیسے قریش کو عثمان ہیں، ان کی مقبولیت

---

[۱] مغازی قاضی واقدی کلکتہ ص۱۵۱ و ۲۹۸ - ۳۰۰۔

کا ایک سبب یہ تھا کہ خلافت کا چارج لیتے ہی انہوں نے اہلِ مدینہ کی سالانہ تنخواہ میں یکدم پچاس روپے کا اضافہ کر دیا تھا، دوسری وجہ یہ تھی کہ ان کے گورنروں کے نئے عسکری اقدامات اور فتوحات سے مرکزی خزانہ کی آمدنی بہت بڑھ گئی تھی اور تنخواہوں کے علاوہ لوگوں کو آئے دن مالِ غنیمت کے حصے ملتے رہتے تھے، ان کے ایک نوعمر ہمعصر اور شہری حسن بصری (متوفی ۱۱۰ھ) کہتے ہیں: میں نے خلیفہ عثمان کے منادی کو کہتے سُنا: لوگو! صبح جا کر اپنی تنخواہیں لے لو، وہ صبح کو جاتے اور بہر زمانہ سے زیادہ تنخواہ لے لیتے، کسی دن ان کا منادی یہ آواز لگاتا: لوگو صبح جا کر اپنا راشن لے لو وہ جاتے اور پورا پورا راشن لے لیتے، کسی دن منادی یہ اعلان کرتا: لوگو! صبح جا کر کپڑے اور جوتے لے لو، کسی دن منادی کی یہ صدا فضا میں گونجتی: لوگو! صبح جا کر گھی اور شہد لے لو۔" مختصر یہ کہ روپے پیسے اور سامانِ خورد ونوش کی مدینہ میں خوب بہتات تھی۔[۱]

عثمان غنی کی فیاضی، نرمی اور مروّت کو مخالف پارٹیوں نے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا، عثمان غنی نے بڑے صحابہ کی نقل و حرکت سے وہ ساری پابندیاں اٹھالیں جو عمر فاروق نے لگائی تھیں، عمر فاروق سخت آدمی تھے اور وہ سب پر کڑی اور احتسابی نظر رکھتے تھے اور بڑے صحابہ کو کوئی ایسا کام نہ کرنے دیتے جس سے شورش یا پھوٹ پیدا ہوتی، اس کے علاوہ انہوں نے بڑے صحابہ کو جن میں سے کئی خلافت کے خواہشمند تھے نہ تو کوئی عہدہ دیا اور نہ مدینہ سے شام، عراق یا مصر کے صدر مقاموں میں جا کر بسنے کی اجازت دی، ان کو اندیشہ تھا کہ اگر یہ لوگ مرکزِ خلافت سے دور چلے گئے تو اپنی پوزیشن سے فائدہ اٹھائیں گے اور عربوں کی مدد سے خلیفہ بننے کی کوشش کریں گے، امام شعبی: "عمر فاروق کی سخت گیری اور روکھے پن سے اکابر قریش پریشان ہو گئے تھے، انہوں نے مدینہ میں بڑے صحابہ کو بند کر رکھا تھا، جب وہ باہر جانے کی

---

[۱] الامامۃ والسیاسۃ ص۳۲ و ازالۃ الخفاء ۲/۲۴۳۔

اجازت مانگتے تو عمر فاروق انکار کر دیتے اور کہتے: "اس قوم کی سلامتی کے لیے مجھے کسی بات سے اتنا اندیشہ نہیں جتنا آپ کے باہر جانے سے ہے"۔ اکابر قریش اور بالخصوص مہاجرین میں سے اگر کوئی رومیوں یا فارسیوں سے جہاد کے لیے جانے کو کہتا تو وہ کہتے: رسول اللہ کے ساتھ آپ نے جو جہاد کیا ہے وہ آپ کی سرخروئی کے لیے کافی ہے، اس وقت یہی بہتر ہے کہ نہ تو آپ دنیا کو دیکھیں اور نہ دنیا آپ کو؟ عمر فاروق کے بعد عثمان غنی خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اکابر قریش کو ڈھیل دے دی اور وہ مختلف ملکوں کو چلے گئے جہاں لوگ ان سے ملنے جلنے لگے اور ان کی وفاداری کا دم بھرنے لگے .... [1] قاضی ابن قتیبہ: عمر فاروق سخت آدمی تھے، انہوں نے قریش کا قافیہ تنگ کر رکھا تھا، اس لئے جب تک وہ زندہ رہے کوئی قریشی دنیاوی نعمتیں حاصل نہ کر سکا [2] سیف بن عمر: عثمان غنی کی خلافت کو ابھی ایک سال بھی نہ گذرا تھا کہ قریش کے بعض اکابر نے اسلامی صدر مقاموں میں جائدادیں بنالیں، بہت سے لوگ ان کے حامی اور وفادار ہو گئے پھر عبداللہ بن سبا نے مسلمان ہو کر علی حیدر کی خلافت کی مہم چلائی، اس اثناء میں دولت و خوشحالی بھی بہت بڑھ گئی، ابن سبا کے پروپیگنڈے اور ریشہ دوانیوں سے مختلف شہروں میں حکومت کے خلاف شورش ہونے لگی اور بغاوت کی ایسی ہوا چلی کہ لوگ عثمان غنی کی حکومت کو ناپسند کرنے اور علی حیدر کو خلیفہ بنانے کی کوشش کرنے لگے [3]

بڑے صحابہ میں علی حیدرؓ، طلحہؓ بن عبید اللہ اور زبیرؓ بن عوام خلافت کے خواہشمند تھے علی حیدر رسول اللہ کے چچا زاد بھائی اور داماد تھے، اس کے علاوہ رسول اللہ کی ابتدائی جنگوں میں بھی انہوں نے نمایاں حصہ لیا تھا، ان کو اور ان کی بیوی فاطمہؑ

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید مصر ۳ / ۱۵ [2] الامامہ والسیاسہ ص ۲۷۔

[3] تاریخ الامم ۵ / ۱۳۴۔

کو امید تھی کہ رسول اللہ ان کو اپنا جانشین مقرر کریں گے اور نبوت کے ساتھ خلافت کی بنیاد بھی ہمیشہ کے لئے بنوہاشم یا عبدالمطلب کے معزز خاندان میں مستحکم ہو جائے گی لیکن رسول اللہ اپنا جانشین نامزد کئے بغیر رحلت کر گئے اور ابوبکر صدیق خلیفہ بنائے گئے، ان کے انتخاب سے علی حیدر کو بڑا ملال ہوا، ابوبکر صدیق نے عمر فاروق کو اپنا جانشین نامزد کیا، علی حیدر کو اس سے مزید دکھ اور مایوسی ہوئی اور جب اصحاب شوریٰ نے عثمان غنی کو خلیفہ بنایا تو علی حیدر کی برہمی کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور انہوں نے تہیّہ کیا جیسا کہ ہمارے رپورٹر بتاتے ہیں کہ عثمان غنی کی خلافت کو کامیاب نہ ہونے دیں گے لئن مات عمر ولیموتنّ لیجتمعنّ ھؤلاء القوم علیٰ أن یصرفوا ھذا الأمر عنا ولئن فعلوھا ولیفعلنّ لیروُنی حیث یکرھون۔[1]

طلحہ بن عبید اللہ بھی رسول اللہ کے عزیز اور ہم زلف تھے، رسول اللہ کی بیوی زینب بنت جحش کی بہن حمنہ ان کو بیاہی تھیں[2] ابتدائی جنگوں میں بھی انہوں نے امتیازی رول ادا کیا تھا، اس کے علاوہ ابوبکر صدیق کے چچا زاد بھائی اور داماد بھی تھے، ان کی خواہش تھی کہ ابوبکر صدیق ان کو اپنا جانشین مقرر کریں تاکہ خلافت قبیلہ تیم میں مرکوز ہو جائے، لیکن مرتے وقت جب ابوبکر صدیق نے عمر فاروق کے لئے وثیقۂ خلافت لکھوایا تو وہ بگڑے ہوئے آئے اور ابوبکر صدیق سے احتجاجاً کہا: آپ خدا کو کیا جواب دیں گے جب وہ پوچھے گا کہ تم نے ایک سخت اور بدمزاج شخص کو کیوں خلیفہ بنایا؟"

زبیر بن عوام بھی رسول اللہ کے رشتہ دار، ابوبکر صدیق کے داماد اور اسلامی خدمات کے مالک تھے، ان کو بھی خلافت کی چاہ تھی اور اس چاہ کو ان کے لڑکوں بالخصوص عبداللہ بن زبیر کے اصرار نے اور زیادہ بڑھا دیا تھا، عمر فاروق

---

[1] شرح نہج البلاغہ ۲/۱۰۲۱۔ [2] انساب الاشراف ۱/۲۶۴ و اصابہ ۴/۲۷۵۔

نے بڑے صحابہ میں سے کسی ایک کو خلیفہ نامزد نہیں کیا، ان کے معیار پر کوئی بھی پورا نہ اترتا تھا، اس لئے مرتے وقت انہوں نے چھ اور بقول بعض پانچ افراد کا ایک پینل مقرر کیا کہ باہمی مشورہ سے کسی ایک کو اپنے درمیان سے خلیفہ منتخب کرلیں، اس پینل میں یہ لوگ تھے: عثمان غنیؓ ان کی عمر اس وقت ستر برس کی تھی، اور وہ پینل کے باقی ارکان سے زیادہ سن رسیدہ تھے، علی حیدرؓ، یہ کوئی پینتالیس سال کے تھے، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، ان کا سن قریب ساٹھ سال کے تھا، طلحہ بن عبید اللہؓ، ان کی عمر چالیس سال سے کچھ اوپر تھی، زبیر بن عوام، یہ بیالیس تینتالیس برس کے تھے اور سعدؓ بن ابی وقاص، ان کی عمر بھی لگ بھگ اتنی ہی تھی، رسول اللہؐ کے پرانے ساتھی ہونے کے علاوہ ان چھ کو اپنی دولت و ثروت کی وجہ سے معاشرہ اور اپنے اپنے قبیلوں میں بڑا رسوخ و اثر حاصل تھا، اہل مدینہ انہی کی آنکھوں سے دیکھتے اور انہی کے کانوں سے سنتے، بڑی کشمکش اور ڈپلومیٹک سرگرمیوں کے بعد عثمان غنی کا انتخاب ہوا، اس انتخاب کے نتیجہ میں چار سیاسی پارٹیاں مدینہ کے افق پر ابھر آئیں، ایک اور سب سے زیادہ طاقتور علی حیدر کے حامیوں کی، دوسری طلحہ کی، تیسری زبیر بن عوام کی اور چوتھی بنو امیہ کی جو عثمان غنی کے رشتہ دار اور عبد شمس کے خاندان سے تھے، پارٹی بندی کی بنیاد اسی وقت پڑ گئی تھی جب ابوبکر صدیق کا انتخاب ہوا تھا، جس سے بگڑ کر بعض اکابر انصار اور ان کے زیر اثر عربوں نے ترک موالات کر دی تھی، اور جس سے ناراض ہو کر علی حیدر عرصہ تک ابوبکر صدیق کی بیعت سے گریز کرتے رہے تھے، ہمارے رپورٹر بتاتے ہیں کہ وہ اپنی بیوی فاطمہؓ اور دونوں بچوں حسن اور حسین کو ساتھ لے کر راتوں میں مہاجرین و انصار کے گھر جاتے اور اپنی بیعت کے لئے کوشش کرتے، چند مہاجر اور بہت سے انصار ان کے حامی ہو گئے اور ان کی بیعت کا وعدہ[1]

---

[1] شرح نہج البلاغہ ۳/۱۵۔

بھی کر لیا، ان میں سے چار کے نام یاد رکھنے کے قابل ہیں: عمار بن یاسر، ابوذرؓ، سلمانؓ اور مقداد بن عمروؓ. لیکن اس وقت عربوں کی عام بغاوت اور اس سے پیدا ہونے والی عام پریشانیوں اور مصروفیتوں میں علی حیدرؓ کی تحریک ابھر نہ سکی، خلافت کے استحقاق کے لیے رسول اللہ کی دامادی علی حیدرؓ کی سب سے بڑی دلیل تھی، طلحہؓ اور زبیرؓ دونوں ابوبکر صدیقؓ کے داماد تھے اور خلافت کی حقداری کے لئے یہ رشتہ ان کی سب سے بڑی دلیل تھا، یہ چاروں سیاسی پارٹیاں عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں موجود تھیں لیکن دبی دبی، عمر فاروقؓ کو ان کا علم تھا اس لیے انہوں نے نہ تو علی حیدرؓ کو کوئی عہدہ دیا، نہ طلحہؓ اور زبیرؓ کو، ان کو اندیشہ تھا کہ اگر یہ لوگ مدینہ سے باہر چلے گئے تو اپنی خلافت کی خواہش کو پروان چڑھانے کی کوشش کریں گے، خلافت کا چارج لے کر ایک طرف انہوں نے ایسی سادہ اور بے رونق زندگی بسر کی کہ مخالفوں کے دل میں حسد، اشتعال اور خوردہ گیری کے جذبات کو سر اٹھانے کا موقع نہ ملا اور دوسری طرف ایسی کڑی نظر رکھی کہ بڑے سے بڑے صحابی کو برملا کوئی غیر تندرست کارروائی کرنے کی جرأت نہ ہوئی، ان کے کوڑے، زبان اور تیکھی نظر سے سب ڈرتے تھے، ان کی اس روش اور پالیسی کے باوجود پارٹی بندی کا ماحول قائم تھا، یہ ماحول ان کی آخر عمر میں کیت اور کیفیت دونوں میں اتنا بڑھ گیا تھا کہ ایک دن انہوں نے بڑے صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے الگ الگ حلقے بنائے ہیں، دو آدمی بھی اگر ساتھ بیٹھتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ یہ فلاں کی پارٹی کے ہیں.... بخدا گروہ بندی بہت جلد آپ کے دین، شرافت اور تعلقات پر کاری ضرب لگائے گی...."

عثمان غنیؓ کی خلافت کا ڈھنگ عمر فاروق سے مختلف تھا، ان کے لیے عمر فاروقؓ

لہ کتاب المحبر محمد بن حبیب بغدادی حیدرآباد دکن ۱۳۶۱ھ. سے تاریخ الامم ۲۵۱/۵ -

کی روش پر چلنا ممکن بھی نہ تھا، کیونکہ وہ مالدار و خوش حال تھے، عمر فاروق مالی مشکلات میں دبے رہتے تھے، وہ خوب داد و دہش کرتے، عمر فاروق کو داد و دہش ناپسند تھی، وہ صاف ستھری اور پُر آرام زندگی بسر کرتے، عمر فاروقؓ نہ عمدہ کھاتے نہ عمدہ پہنتے، نہ اپنے متعلقین کو اچھا کھلاتے پلاتے، عمر فاروق ہاتھ میں کوڑا رکھتے اور مہاجر صحابہ تک کو مارتے اور پھٹکارتے، عثمان غنی نے کبھی کوڑا ہاتھ تک میں نہیں لیا، ان کی نرمی اور مروت سے مخالف گستاخ ہو گئے، ان کی دولت، داد و دہش اور پُر آرام زندگی نے ان کو حاسد بنا دیا، ان پر نقد ہونے لگا اور ان کے خلاف زبان کھل گئی، ان کو بدنام کرنے اور عوام میں اشتعال پیدا کرنے کے لئے ان کی معمولی سی معمولی باتوں پر اعتراض کیا جانے لگا اور ان کی چھوٹی سی چھوٹی کوتاہی فرد جرم بنا کر اچھالی جانے لگی، وہ اگر اپنے روپیہ سے کسی کے ساتھ سلوک کرتے یا رہائش کے لئے مکان بنواتے تو خبر اڑ جاتی کہ خزانہ کا روپیہ غصب کیا گیا ہے، وہ اپنے روپیہ سے اگر مسجد مدینہ کی توسیع کراتے تو اس کو "بدعت" سے تعبیر کیا جاتا۔

الیکشن

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے عمر فاروق نے مرتے وقت چھ بڑے صحابہ کا ایک پینل مقرر کیا تھا جن میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کرنا تھا، ان کے نام ہیں: عثمان غنیؓ علی حیدرؓ، عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ بن عبیداللہؓ اور زبیرؓ بن عوام اس وقت پینل کے ایک رکن طلحہؓ موجود نہ تھے اور کسی کام سے اپنی جائداد کو گئے ہوئے تھے جو مدینہ سے باہر تھی، عمر فاروق نے باقی پانچوں کو بلایا اور کہا: "بی بی عائشہؓ کے قریب جا بیٹھے اور باہمی مشورہ سے کسی ایک کو چن لیجئے"۔ پینل کے پانچوں ارکن بی بی عائشہؓ کے کمرہ کے قریب جا بیٹھے اور انتخابی گفتگو ہونے لگی، تھوڑی دیر ہی گذری تھی کہ آوازیں بلند ہونے لگیں اور پینل کے ارکان خلافت کے لئے اپنی اپنی فضیلت اور اہلیت کا پُر زور

اظہار کرنے لگے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی جھگڑا یا تصادم ہو رہا ہے، عمر فاروق پر حملہ کا چوتھا دن تھا، خون بہنے سے وہ بیحد کمزور ہو گئے تھے اور چند گھنٹے کے مہمان تھے، پینل کے اختلاف وشور سے ان کو اذیت ہوئی اور انہوں نے کہلا بھیجا کہ میری موت تک خلافت کی گفتگو موقوف رکھی جائے، میری وفات کے بعد آپ لوگ پھر جمع ہوں اور تین دن کے اندر اندر کسی ایک کو منتخب کریں، انہوں نے ایک بڑے انصاری صحابی ابوطلحہؓ کو بلایا اور کہا کہ پچاس مسلح انصاری اپنے ساتھ لو اور پینل کے ارکان کو ایک مکان میں لے جاؤ اور مجبور کرو کہ کسی ایک کا انتخاب کر لیں، اس کام کے لئے تین دن کی مہلت دیتا ہوں، اس دوران اگر طلحہ لوٹ آئیں تو ان کو بھی انتخابی کارروائی میں شامل کر لیا جائے، اس سلسلہ میں ایک بات یاد رکھو اور وہ یہ کہ اگر پینل کے چار ممبر کسی ایک کے انتخاب پر متفق ہوں اور پانچواں اس سے اختلاف کرے تو اس کی گردن اڑا دو، اور اگر پینل کے تین ممبر کسی ایک کے انتخاب پر متفق ہوں اور دو اس سے اختلاف کریں تو ان کو بھی قتل کر دو، اگر پینل کے نصف ممبر ایک فریق کی تائید کریں اور نصف دوسرے کی تو خلیفہ اس فریق کو بنایا جائے جس کو عبدالرحمن بن عوف کی تائید حاصل ہو، اگر پینل کے ارکان باہمی اختلاف کی وجہ سے تین دن کے اندر اندر کسی ایک کا انتخاب کرنے سے قاصر رہیں تو ان کو قتل کر دینا۔[1]

یہ اعلان سن کر علی حیدر گھبرا گئے اور انہوں نے اپنے چچا عباس اور دوسرے خاندانی بزرگوں سے شکایت کی کہ عمر فاروق نے ایسا پلان بنایا ہے کہ اس بار بھی خلافت ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی، چچا عباس نے پوچھا: وہ کیسے؟ تو علی حیدر نے کہا: کسی ایک شخص کے بالاتفاق منتخب ہونے کا تو کوئی سوال ہی نہیں ہے، اس وقت میدان میں میں ہوں اور عثمان، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمن بن عوف کے چچازاد بھائی ہیں

---

[1] شرح نہج البلاغہ ۱/۶۲-۶۵ وتاریخ الامم ۵/۳۴-۳۵۔

اور عبدالرحمن، عثمان غنی کے قرابت دار، لہٰذا یہ دونوں عثمان غنی کو ضرور ہی ووٹ دیں گے اور اگر بالفرض پینل کے باقی دو رکن یعنی طلحہ اور زبیر مجھے ووٹ دے بھی دیں تب بھی خلافت مجھے نہیں مل سکتی کیونکہ عمر نے وصیت کردی ہے کہ خلیفہ وہ فریق ہوگا جس کو عبدالرحمن بن عوف کی تائید حاصل ہو، بخدا اگر عمر جیتے رہے تو میں بتاؤں گا جیسی انہوں نے ہماری حق تلفی کی ہے اور اب اور پہلے جیسی جیسی ہمارے ساتھ بدسلوکیاں کی ہیں اور اگر مر گئے جیسا کہ پورے آثار ہیں تو پینل کے باقی رکن یقیناً خلافت سے ہم کو محروم کردیں گے اور اگر انہوں نے ایسا کیا اور یقیناً کریں گے تو میں بھی ان کو چین سے نہ بیٹھنے دوں گا؟[1]

عمر فاروق کی تجہیز و تکفین کے بعد پینل کے پانچوں رکن خلافت کی گتھی سلجھانے ایک مکان میں جمع ہوئے، مکان کے دروازہ پر عمر فاروق کی حسب ہدایت الیکشن نگراں ابوطلحہ اور پچاس مسلح انصاریوں نے جگہ لے لی، جب کافی وقت ردوقدح میں گذر گیا اور کوئی فیصلہ نہ ہوسکا بلکہ گتھی سلجھنے کی بجائے اور زیادہ الجھ گئی تو عبدالرحمن بن عوف نے خلافت کی امیدواری سے دست بردار ہونے کا ارادہ کرلیا اس وقت ان کی عمر سڑسٹھ سال کی تھی، رئیس آدمی تھے، خوش خور و خوش پوش، اعزاز کے علاوہ خلافت میں ان کے لئے کوئی مادی کشش نہ تھی، بلکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر میں خلیفہ ہوا تو عمر فاروق کی سی خشک اور روکھی زندگی میرے لئے بسر کرنا ناممکن ہے اور اگر میں نے ایسی زندگی بسر نہ کی تو میری خلافت کامیاب نہیں ہوگی اور خلافت کے امیدواروں کے ہاتھوں مجھے ہرگز چین اور سکھ نصیب نہ ہوگا لہٰذا لہٰذا انہوں نے پینل سے کہا کہ میں خلافت سے دست بردار ہوتا ہوں اور اگر آپ

---

[1] شرح نہج البلاغہ بحوالہ زیادات کتاب السقیفہ احمد بن عبدالعزیز جوہری ۹/۲ ۱۰۹ھ و تاریخ الامم فرق کے ساتھ ۳۵/۵ و انساب الاشراف ۲۰/۵ -

لوگ راضی ہوں تو اپنی اور مسلمانوں کی صوابدید سے جس کو مناسب سمجھوں منتخب کر لوں سب سے پہلے عثمان غنی نے اس تجویز پر اظہار رضامندی کیا پھر دوسرے ارکان نے، علی حیدر نے کہا: "میں غور کر کے جواب دوں گا۔" الیکشن نگراں کو اس نئی اور امید افزا صورت حال کا علم ہوا تو وہ علی حیدر سے ملے اور سمجھا بجھا کر ان کو عبدالرحمٰن کی تجویز پر آمادہ کر لیا، علی حیدر نے عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا: "آپ حلف لیجئے کہ انتخاب میں آپ اپنی ذاتی رائے اور خواہش کو دخل نہ دیں گے، نہ رشتہ اور کنبہ کا خیال کریں گے بلکہ حق اور انصاف سے کام لیں گے اور قوم کے مفاد کو پیش نظر رکھیں گے۔" عبدالرحمٰن بن عوف نے یہ حلف لے لیا، اس کے بعد عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے زبیرؓ بن عوام اور سعد بن ابی وقاصؓ کو بھی خلافت سے دست بردار ہونے کے لئے تیار کر لیا سعدؓ عبدالرحمٰنؓ کے سمدھی تھے، ان کو خلافت کی زیادہ چاہ بھی نہ تھی، وہ عمر فاروق کے زمانے میں کئی برس تک کمانڈری اور گورنری کر چکے تھے، مذہبی تشدد اور قبائلی تمرد کے تلخ تجربات نے ان کے دل میں امارت وخلافت کی کوئی ہر زور لگن باقی نہ رکھی تھی، زبیرؓ بن عوام یہ محسوس کر کے دب گئے کہ عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص کی تائید سے محروم ہو کر اُن کے لئے خلیفہ بننے کا کوئی امکان نہیں ہے اب میدان میں صرف علی حیدرؓ اور عثمان غنیؓ باقی رہ گئے، دو ڈھائی دن تک عبدالرحمٰن بن عوفؓ اہالیٔ مدینہ، قریش و انصار کے اکابر نیز ان گورنروں سے ملتے رہے جو اس وقت مدینہ میں موجود تھے اور علی حیدرؓ و عثمان غنیؓ دونوں کے بارے میں اُن سے مشورہ کرتے رہے، اس وقت علی حیدرؓ کے خاندان بنو ہاشم کو چھوڑ کر باقی سارے اکابر قریش، عثمان غنی کا انتخاب چاہتے تھے، انصار میں تین رجحان تھے، ان کا ایک بڑا گروہ علی حیدرؓ کا مؤید تھا، ایک دوسرا لیکن پہلے سے چھوٹا گروہ عثمان غنی کے حق میں تھا اور ایک تیسری جماعت غیر جانبدار تھی۔[۱]

---

۱ شرح نہج البلاغہ ۲ / ۱۷۰

ڈھائی دن استصواب رائے کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف نے پینل کا جلسہ منعقد کیا، مدینہ کے بڑے چھوٹے سب جمع ہو گئے، عبدالرحمٰن بن عوف نے پینل کے ہر رکن کو فرداً فرداً بلایا اور اس سے حلف لیا کہ ان کے فیصلہ کو مانے گا اور مخالفت نہیں کرے گا، پھر انہوں نے علی حیدرؑ کا ہاتھ پکڑا اور کہا: "یہ عہد کیجئے کہ اگر آپ کا انتخاب کیا گیا تو آپ اپنے کنبہ کے لوگوں کو عہدے دے کر مسلمانوں پر مسلط نہیں کریں گے اور رسول اللہؐ نیز شیخین کے نقشِ قدم پر چلیں گے۔" علی حیدر: "میں ایسی باتوں کا عہد کیسے کر سکتا ہوں جو میری استعداد، علم او رقدرت سے باہر ہوں، رسول اللہؐ کے نقشِ قدم پر چلنا کس کے بس کی بات ہے، البتہ میں یہ وعدہ کر سکتا ہوں کہ اپنے علم اور اجتہاد کے مطابق عمل کروں گا اور رسول اللہؐ کی مثال پر اپنے بس بھر چلوں گا۔" عبدالرحمٰن بن عوف نے علی حیدر کا ہاتھ چھوڑ کر عثمان غنی کا ہاتھ پکڑا اور کہا: "یہ عہد کیجئے کہ اگر آپ کو خلیفہ بنایا گیا تو آپ اپنے کنبہ والوں کو عہدے دے کر مسلمانوں پر مسلط نہیں کریں گے اور رسول اللہ نیز شیخین کے نقشِ قدم پر چلیں گے۔" عثمان غنی نے یہ عہد کر لیا، اس کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف نے دوبار پھر علی حیدر سے حسبِ سابق عہد طلب کیا لیکن انہوں نے ہر بار وہی جواب دیا جو پہلی دفعہ دیا تھا، اس کے برخلاف عثمان غنی نے ہر بار بلا پس و پیش عہد پر عمل کرنے کا وعدہ کر لیا۔[1] بعض رپورٹر کہتے ہیں کہ عہد کے الفاظ یہ تھے: "خدا کے نام پر یہ عہد کیجئے کہ میں کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہؐ، نیز ابوبکر و عمر کے نقشِ قدم پر چلوں گا۔" عثمان غنی نے یہ عہد کر لیا لیکن علی حیدر نے کہا: میرے لئے یہ عہد کرنا مشکل ہے، البتہ میں اپنی قدرت اور علم کی حد تک رسول اللہؐ نیز ابوبکر و عمر کی سیرت پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔[2] علی حیدر کے اس پُراحتیاط اور غیر حتمی جواب کی ایک دلچسپ وجہ بیان کی گئی ہے، ہمارے

---

۱ انساب الاشراف ۲۱/۵ - ۲۲ - ۲ تاریخ الامم ۳۶/۵ و ۴۰ -

رپورٹر کہتے ہیں کہ صحابی عمرو بن عاص ایک دن پہلے علی حیدر سے ملے تھے اور ان سے کہا تھا کہ عبدالرحمٰن بن عوف کو قطعی اور حتمی جواب ناپسند ہے، لہٰذا اگر وہ خلافت کے لئے کوئی وعدہ لیں تو غیر قطعی الفاظ میں کرنا، پھر عمرو بن عاص عثمان غنی سے ملے اور ان سے کہا کہ عبدالرحمٰن بن عوف کو غیر قطعی جواب ناپسند ہے اس لئے اگر وہ خلافت کے لئے کوئی عہد طلب کریں تو قطعی اور حتمی الفاظ میں کرنا۔[1]

عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے عثمان غنی کو الیکٹ کر لیا، سارے حاضرین نے ان کی بیعت کر لی، صرف علی حیدر بیعت سے گریزاں رہے لیکن جب پینل کے دوسرے ارکان اور الیکشن نگراں نے ان پر دباؤ ڈالا اور عمر فاروق کی وصیت یاد دلائی تو ان کو بادلِ ناخواستہ بیعت کرنا پڑی، ان کا خیال تھا کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے جنبہ داری سے کام لیا ہے اور عثمان غنی کو اس لئے خلیفہ بنایا ہے کہ اپنے بعد وہ ان کو خلیفہ نامزد کریں، بعض رپورٹر کہتے ہیں کہ انہوں نے عثمان غنی کے الیکشن کے بعد کہا کہ مجھے دھوکہ دیا گیا ہے اور میرا حق مارا گیا ہے، علی حیدر کے کنبہ سے باہر جن لوگوں کو ان کے خلیفہ نہ ہونے پر سب سے زیادہ طیش آیا وہ صحابی عمار بن یاسر تھے جو یہ صدا لگاتے سنے گئے "لوگو! اسلام کا ماتم کرو، آج "معروفؔ" کا جنازہ اٹھتا ہے اور "منکر" کا بول بالا ہوتا ہے بخدا اگر مجھے رضا کار مل جائیں تو میں عثمان کو خلیفہ بنانے والوں سے جہاد کروں"۔[2]

خلافت پینل میں شمولیت کی خبر پاکر طلحہ بن عبیداللہ ہر ممکن عجلت کے ساتھ مدینہ روانہ ہوئے لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے عثمان غنی چنے جا چکے تھے، وہ روٹھ کر گھر بیٹھ گئے، انہوں نے اپنی غیر موجودگی میں الیکشن کو بے قاعدہ قرار دیا اور مطالبہ کیا کہ الیکشن پھر سے ہونا چاہیئے تاکہ وہ بھی اس میں حصہ لے سکیں لیکن عمر فاروق کی وصیت سے جب ان کو مطلع کیا گیا اور پھر عبدالرحمٰن بن عوف اور خود عثمان غنی نے ان کو سمجھایا بجھایا اور

---

[1] شرح نہج البلاغہ ۲/۴۱۱ - [2] ایضاً ۲/۴۱۱ -

منایا تو انہوں نے بیعت کر لی۔

عثمان غنی کے انتخاب سے مدینہ میں پارٹی بندی کا ماحول بڑھ گیا اور جوں جوں دن گذرتے گئے اس میں برابر اضافہ ہوتا رہا، علی حیدر کی پارٹی سب سے زیادہ طاقتور تھی، اس کو کئی بڑے صحابہ کی عملی تائید حاصل تھی، ان میں ابوذرؓ، عمار بن یاسرؓ اور مقدادؓ بن عمرو کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں، یہ لوگ ابوبکر صدیقؓ کے انتخاب کے بعد اسی وقت سے علی حیدر کے پُرزور حامی ہو گئے تھے جب بی بی فاطمہؓ کے ساتھ راتوں کو مہاجر و انصار صحابہ سے اپنے استحقاقِ خلافت اور بیعت کی تائید حاصل کرنے جایا کرتے تھے، ان تینوں کے علاوہ انصار کے کئی درجن افراد نے علی حیدر کی عملاً بیعت بھی کر لی تھی لیکن جیسا کہ پہلے بیان ہوا اس وقت سارے جزیرۂ عرب میں بغاوتوں کے چھڑنے اور ان کو فرد کرنے کی مصروفیتوں اور پریشانیوں میں علی حیدر کی مہم دب گئی تھی، یہ پارٹی عثمان غنی اور ان کے رشتہ داروں کے پبلک اور پرائیویٹ کاموں کی ٹوہ میں رہتی اور ان کی مخالفانہ تشریح و تعبیر کر کے لوگوں میں اشتعال پیدا کرتی، علی حیدر اپنے اس قول کے مطابق عمل کر رہے تھے کہ اگر عثمان غنی کا انتخاب ہوا تو لیَزَوْدِنی حیث یکرھون[1]، عمار بن یاسر کا عثمان غنی کے انتخاب پر تبصرہ آپ اوپر پڑھ چکے ہیں، وہ اپنے حلقوں میں ان کو کافر کہا کرتے تھے اور اگر ان سے خطاب کرتے تو امیر المومنین کہہ کر نہیں بلکہ ابو عبداللہ کہہ کر، وہ ان کو خلیفہ تسلیم ہی نہ کرتے تھے، ابوذر بھی عثمان غنی اور ان کی حکومت کے مخالف تھے جیسا کہ آپ آگے پڑھیں گے، ان کی مخالفانہ سرگرمیاں اتنی بڑھیں کہ ان کو شام جلاوطن کر دیا گیا، وہاں ان کا حکومت دشمن پروپیگنڈہ اور زیادہ بڑھ گیا تو ان کو مدینہ کے ایک مضافاتی گاؤں بھیج دیا گیا جہاں ۳۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

---

[1] شرح نہج البلاغۃ ۲/۱۰۱۴ -

طلحہ بن عبید اللہ اور زبیر بن عوام کی پشت پر ان کے اہل خاندان اور قبیلوں کے علاوہ کون کون بڑے صحابی تھے ہمیں نہیں معلوم لیکن یہ معلوم ہے کہ ان کی غیر معمولی دولتمندی اور داد و دہش نے بہت سے اہل مدینہ بالخصوص انصار کو ان کا حامی اور وفادار بنا لیا تھا، رسول اللہ کی بیوی عائشہؓ بھی عثمان غنی پر خوب لعن طعن کیا کرتی تھیں، ان کی برہمی کے کچھ اسباب خاندانی تھے اور کچھ غیر خاندانی، وہ چاہتی تھیں کہ عثمان غنی ان کے بھائی محمد بن ابی بکر کو کوئی عہدہ دیں لیکن عثمان غنی نے ایسا نہیں کیا، ایک موقع پر محمد بن ابی بکر کے ذمہ کوئی مواخذہ آ پڑا اور انہوں نے چاہا کہ عثمان غنی رعایت کر کے ان کو مواخذہ سے بچا لیں لیکن انہوں نے رعایت نہیں کی اور حقدار کو پورا پورا حق دلوا دیا[1] یہ بات بھی بی بی عائشہ کو ناگوار گذری عثمان غنی کو بی بی عائشہؓ کی سوت یعنی بی بی خدیجہؓ کی دو لڑکیاں رُقیہؓ اور ام کلثومؓ بیاہی تھیں اور عثمان غنی دونوں کو بڑے آرام سے رکھتے تھے، اس سے بھی عائشہؓ کے دل میں کدورت پیدا ہو گئی تھی، وہ علی حیدر سے بھی کبیدہ خاطر تھیں اور ہرگز نہیں چاہتی تھیں کہ ان کو خلافت ملے، ان کی ہمدردیاں طلحہ بن عبید اللہ سے وابستہ تھیں جو ان کے بہنوئی اور چچا زاد بھائی تھے اور ہر سال پانچہزار روپے کا وظیفہ ان کو دیا کرتے تھے[2] ان کی خواہش تھی کہ طلحہ خلیفہ بنیں اور خلافت کی جڑ خاندان تیم میں مستحکم ہو جائے جس سے ابوبکر صدیقؓ اور طلحہ دونوں کا تعلق تھا، اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ عثمان غنی کے خلاف مہم چلائے ہوئے تھیں۔

طلحہؓ اور زبیر کا چونکہ مدینہ میں علی حیدرؓ کی نسبت نفوذ کم تھا، اس لئے انہوں نے سب سے بڑے عرب مرکزوں بصرہ اور کوفہ میں جہاں ان کی جائدادیں تھیں اور

---

[1] تاریخ الامم ۵/۱۰۶ - [2] محبّر ابن حبیب ص۵۵ وانساب الاشراف ۲/۴۲۱ - [3] طبقات ابن سعد قسم اول ۳/۱۵۷ -

جہاں وہ آتے جاتے رہتے تھے، داد و دہش اور تلقین و ترغیب سے اپنی خلافت کے لئے ماحول پیدا کر لیا تھا۔

انتخابی پینل کے دوسرے دو رکنوں۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور سعدؓ بن ابی وقاص کی جہاں تک ہمیں علم ہے کوئی سیاسی پارٹی نہ تھی، عبدالرحمٰن شوریٰ کے وقت سرسٹھ سال کے ہو چکے تھے، فراغبال اور مطمئن زندگی بسر کر رہے تھے، ان کا بڑا کاروبار تھا جس میں لگے رہتے تھے، اس کے علاوہ جیسا کہ انہوں نے الیکشن کے ایام میں خود اقرار کیا تھا، ان کے دل میں خلافت کی زوردار کشش بھی نہ تھی، وہ محسوس کر رہے تھے کہ عمرؓ فاروق کی بے کیف اور روکھی خلافت کے بعد کسی مالدار، خوش پوش، فراخ دست شخص کی خلافت کامیاب نہ ہو سکے گی، سعد بن ابی وقاص آٹھ سال تک کمانڈری اور گورنری کر چکے تھے اور اس عرصہ میں ان کو کافی تلخ تجربے ہوئے تھے۔ اس لئے ان کی خواہش اقتدار کسی حد تک مضمحل ہو چکی تھی لیکن سب سے بڑی بات یہ تھی کہ مدینہ اور باہر کا سیاسی ماحول ان کے لئے بالکل سازگار نہ تھا، علی حیدرؓ طلحہؓ اور زبیرؓ تینوں کے مقابلے میں خلافت کے لئے ان کی اہلیت کم تھی، موجودہ ماحول سے وہ اتنے بیزار تھے کہ انہوں نے مدینہ میں رہنا تک پسند نہ کیا اور وہاں سے بارہ تیرہ میل دور عقیق کی کھلی اور بے آزار فضا میں ایک کوٹھی بنوا کر سکونت اختیار کی، انہوں نے مدینہ آنا جانا بالکل بند کر دیا تھا اور جب کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا: "کیا کروں مدینہ جا کر، اب وہاں صرف حاسد رہتے ہیں یا ایسے لوگ جو دوسروں کی مصیبت سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ما بقی فیہا إلا حاسد نعمۃ أو فرح بنقمۃ[1]۔ انہی سعد سے ایک دوسرے معزز آدمی نے دریافت کیا کہ عثمان غنی کے قتل کی ذمہ داری کس پر ہے تو بولے:

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول ۳/۱۰۷۔

عثمان ایک ایسی تلوار سے قتل ہوئے جس کو عائشہؓ نے نیام سے نکالا، طلحہ نے تیز کیا، علی نے زہر پلایا اور زبیر نے ہاتھ کے اشارہ سے حملہ کرایا۔[1]

---

[1] العقد الفرید ۳/۸۴ ۔

عثمان غنیؓ پر اعتراضات اور اُن کا جائزہ

اب ہم ان اعتراضات کا جائزہ لیں گے جو مدینہ اور باہر کی پارٹیوں نے عثمان غنیؓ کے بارہ سالہ دورِ خلافت میں اُن پر لگائے تھے، یہاں یہ بتا دینا مفید ہو گا کہ عثمان غنیؓ کے پیش رو خلیفہ عمر فاروقؓ پر بھی اعتراض ہوئے تھے اور زیادہ انہی لوگوں کی طرف سے جو ان کے خلیفہ بننے سے ناخوش تھے لیکن چونکہ وہ دبنگ آدمی تھے اور چونکہ ان کا کوڑا سخت اور نظر تیکھی تھی کسی کو شورش کرنے یا اعتراضات اچھالنے یا مخالفت کی الاپ لگانے کی جرأت نہ ہوتی تھی، دوسری بات یہ تھی کہ انہوں نے ایسی بے رونق اور روکھی زندگی گزاری کہ ان کی خلافت پر حسد اور جلن کو زیادہ فروغ پانے کا موقع نہ ملا، اس کے علاوہ انہوں نے میدانِ خلافت کے سب سے بڑے حریف علی حیدرؓ کی صاحبزادی ام کلثوم سے ۱۷ھ میں عقد کر کے ان کو منا لیا تھا اور ینبع کا نخلستان دے کر ان کا غبار خاطر کسی قدر کم کر دیا تھا اور دوسرے دو امیدوارانِ خلافت طلحہؓ اور زبیرؓ کو حجاز میں جاگیریں[1] عطا کر کے ایک حد تک ان کی بھی تالیفِ قلب کر دی تھی۔

۱۔ عثمان غنیؓ پر ایک اعتراض یہ تھا کہ انہوں نے عمر فاروقؓ کے صاحبزادے عبید اللہ کو تین افراد کے قتل کی سزا نہیں دی جس کے وہ قانوناً مستحق تھے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مدینہ میں ایرانی نژاد ایک غلام ابولولو رہتا تھا، وہ بڑھئی اور لوہار کا کام جانتا تھا، اُس کے مالک طائفی صحابی مغیرہ بن شعبہ اس سے پچاس روپئے

---

[1] تاریخ الامم ۱۴۸/۴ -

ماہوار اور بقول بعض دو روپے یومیہ ٹیکس وصول کرتے تھے، ابو لؤلؤ نے کئی بار ٹیکس کم کرنے کی درخواست کی لیکن مغیرہؓ نے اس کو منظور نہیں کیا، ایک دن اس نے عمر فاروقؓ سے زیادتی ٹیکس کی شکایت کی لیکن وہ بھی ہمدردی سے پیش نہ آئے، ابو لؤلؤ کو غصہ آگیا اور اس نے چند دن بعد نماز فجر کے موقع پر بھیس بدل کر عمر فاروق پر دو دھارے خنجر کے کئی وار کئے اور بھاگ گیا، لوگوں نے اس کا تعاقب کیا تو اس نے خنجر سے اپنا گلا کاٹ کر خودکشی کرلی، عمر فاروقؓ حملہ کے بعد تین چار دن زندہ رہے، اس اثناء میں اس بات کی تحقیق کی گئی کہ حملہ کے منصوبہ میں ابو لؤلؤ کے ساتھ کون کون شریک تھا، کوئی قطعی بات تو نہ معلوم ہو سکی البتہ اس شبہ کا قرینہ پیدا ہوا کہ ابو لؤلؤ کے ساتھ جرم میں ہرمزان اور جفینہ بھی شریک تھے، ہرمزان کسروی خاندان کا ایک گورنر تھا جو ۱۷ھ میں مسلمان ہو کر مدینہ میں بس گیا تھا، جفینہ عراق کا ایک عیسائی عرب تھا، وہ بھی مسلمان ہو گیا تھا اور مدینہ کے بچوں کو عربی لکھنا پڑھنا سکھاتا تھا، ابو لؤلؤ ان دونوں سے ملتا جلتا رہتا تھا، ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے ابو لؤلؤ جیسا خنجر ہرمزان اور جفینہ کے ہاتھ میں دیکھا تھا، یہ کوئی قطعی شہادت نہ تھی، عمر فاروقؓ کے صاحبزادے عبیداللہ کے جذبات مشتعل تو تھے ہی، اس رپورٹ کی بناء پر انھوں نے ہرمزان، جفینہ، نیز اس کی چھوٹی لڑکی کو قتل کر ڈالا، بلکہ ان کا ارادہ تو ان سب فارسیوں کو قتل کرنے کا تھا جو مدینہ میں موجود تھے، عبیداللہ کو گرفتار کر لیا گیا، عثمان غنیؓ کے انتخاب کو ابھی گھنٹے ہی گذرے تھے کہ علی حیدرؓ نے آکر مطالبہ کیا کہ عبیداللہ کو قتل کی سزا دی جائے کیونکہ انہوں نے عمداً تین خون کئے ہیں، ایک جلسہ ہوا اور ممتاز مہاجرہ انصار صحابہ کے سامنے یہ معاملہ رکھا گیا، اکثریت کی رائے تھی کہ عبیداللہ کو قتل نہ کیا جائے بلکہ مقتولین کی دیت ادا کر دی جائے، لیکن علی حیدرؓ اور ان کی پارٹی کے لوگ قتل پر مُصر تھے، مؤیدین دیت کی دلیل یہ تھی کہ چونکہ مقتولین کا کوئی وارث نہیں اس لئے خلیفہ ان کا ولی وارث ہے اور خلیفہ کو اختیار ہے چاہے قاتل کو قتل کردے یا دیت لے لے، یہ دلیل عین

قانونِ اسلام کے مطابق تھی اور عثمان غنیؓ نے اسی کو اختیار کیا، علی حیدرؓ کی دلیل تھی کہ قتل عمر فاروق کے عہد میں ہوا اس لئے وہی مقتولین کے وارث تھے، نیا خلیفہ وارث نہیں ہو سکتا اور نہ ہی دیت لے سکتا ہے، عبیداللہ کو چھوڑ دیا گیا، علی حیدرؓ نے ان کو دیکھا تو غصہ سے کہا "بچہ میرے ہتے چڑھے تو بغیر قتل کئے نہیں رہوں گا"۔ عبیداللہ امیر معاویہ کے پاس شام چلے گئے اور جنگ صفین (۳۷ھ) میں علی حیدرؓ کے خلاف لڑے۔

۲۔ عثمان غنیؓ پر ایک اعتراض یہ تھا کہ انہوں نے سرکاری روپیہ سے مدینہ میں ایک کوٹھی بنوائی۔ یہ کوٹھی ۲۸ھ میں تعمیر ہوئی، اس کے چار حصے تھے، ایک میں خزانہ، دوسرے میں دفاتر، تیسرا مہمانوں، سفیروں اور وفدوں کے لئے مخصوص تھا، چوتھے میں عثمان غنی خود رہتے تھے، اب سے چودہ پندرہ سال پہلے عمر فاروقؓ کے عہد میں بصرہ اور کوفہ میں جو دارالامارہ (گورنمنٹ ہاؤس) بنایا گیا تھا اس کا نقشہ بھی کم و بیش یہی تھا، یعنی ایک حصہ میں خزانہ، دوسرے میں دفاتر اور تیسرے میں گورنر کی رہائش کا انتظام تھا، عثمان غنیؓ نے اس کوٹھی کا افتتاح ایک دعوت سے کیا جس میں اکابر مدینہ مدعو تھے، کھانا عمدہ اور بڑے پیمانہ پر تھا، حاسدوں اور مخالف پارٹیوں نے دعوت اور کوٹھی دونوں کو پروپیگنڈے کا موضوع بنالیا، ان کی ہر مجلس اور ہر اجتماع میں کوٹھی کے چرچے اور عثمان غنیؓ پر لعنت ملامت ہونے لگی، سب سے بڑا حملہ یہ تھا کہ انہوں نے کوٹھی سرکاری روپئے سے بنوائی ہے حالانکہ انہوں نے اپنا ذاتی روپیہ خرچ کیا تھا، ترکِ سنت اور فضول خرچی کے الزام لگائے گئے حالانکہ اس میں نہ کوئی ترکِ سنت تھی نہ فضول خرچی، اہلِ مدینہ کی مالی حالت بہتر ہونے سے شہر میں بہت سے نئے مکان بن گئے تھے اور مالدار صحابہ نے حویلیاں بنوالی تھیں اور یہ سب باتیں عرب مدنیت کے ارتقا، اور خوش حالی کا نتیجہ تھیں، اس لئے خلافت کے سربراہ نے اگر اپنے عملہ، خزانہ اور سرکاری مہمانوں کے لئے ایک باقاعدہ اور خلافت کے شایانِ شان عمارت بنوالی تھی تو اس میں اعتراض نہیں بلکہ اطمینان و مسرت کا موقع تھا اور خاص کر جب کہ

عمارت پر سرکاری روپیہ بھی نہ لگا ہو، عثمان غنیؓ کو اس پروپیگنڈے کا علم ہوا تو انہوں نے نمازِ جمعہ کے بعد ایک تقریر میں کہا:۔

جب کوئی نعمتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے تو اس کے حاسد پیدا ہو جاتے ہیں . . . اس عمارت کا مقصد جو میں نے بنوائی ہے خزانہ کو محفوظ کرنا ہے اور باہر کے مہمانوں اور وفدوں کو ٹھہرانا ہے، شہر کے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ میں نے سرکاری روپے سے اس کو تعمیر کرایا ہے اور مسلمانوں کی بلا اجازت ان کی آمدنی اس پر لگائی ہے، ان کی پارٹیاں سرگوشیاں کرتی اِدھر اُدھر پھرتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ مجھے ان کی حرکتوں کا علم نہیں، یہ لوگ میرے سامنے اعتراض نہیں کرتے کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ ان کے اعتراض کا مدلل اور دنداں شکن جواب دیا جائے گا، ان کو ایسے ہمجیال مل گئے ہیں جو ان کی طرح پروپیگنڈے اور غلط بیانی سے کام لیتے ہیں، خدا ان کو دفع کرے، خدا ان کو ذلیل کرے۔"

عثمان غنی نے یہ دو شعر پڑھے جن کا اشارہ علی حیدرؓ کی طرف ہے:۔

تَوَقَّدَ بنار أیتما کنت واشتعِل　　　فلستَ تری مما تعالج شافیا

تَشِیطُ فیقصی الأمر دونك أھله　　　وشیکا ولاتدعی اذا کنت نائیا

مجھے آپ کی آمدنی اور سرکاری روپیہ لینے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا میں قریش کے مالدار ترین لوگوں میں نہیں ہوں اور مان لو کہ میں نے خزانہ کے روپے سے عمارت بنوائی تو کیا خزانہ آپ کی اور میری ضرورت کے لیے نہیں ہے؟ کیا میں آپ کی خدمت نہیں کر رہا ہوں؟ کیا میں آپ کی ضروریات اور روزی کا کفیل نہیں ہوں اور آپ کے سارے حقوق پوری طرح ادا نہیں کر رہا ہوں؟ پھر کیا مجھے اتنا بھی اختیار نہیں کہ فالتو روپے سے اپنی مرضی کے مطابق

کوئی کام کرسکوں؛ اگر نہیں ہے تو پھر میں خلیفہ کس بات کا ہوں! سب سے زیادہ حیرت مجھے اس بات پر ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ ہم عثمان کو معزول کردیں گے، قتل کردیں گے۔"[۱]

مدینہ میں مختلف ملکوں کی عورتیں کنیزوں کے روپ میں آنے لگی تھیں، اُن میں اعلیٰ گھرانوں کی خاتونیں بھی تھیں ان کا تمدن، رہائش، کھانا اور لباس سب عربوں کی سادہ اور بدوی معیشت سے بہت بلند تھا، اس لئے یہ فطرتی بات تھی کہ وہ اپنے نئے گھروں میں اپنے اعلیٰ معیارِ تمدن و معیشت کو قائم کرنے کی کوشش کرتیں، ان کی آمد سے عرب گھرانوں کا ماحول اور وضع قطع بدلنے لگی، دوسری طرف صحابہ کے بچے عثمان غنیؓ کے عہد میں جوان ہوچکے تھے اور ان کی ایک خاصی بڑی تعداد جنگوں میں شرکت کے لئے فارس، خراسان، عراق، شام، آرمینیہ، مصر اور شمالی افریقہ کا سفر کرکے وہاں کے تمدنوں سے روشناس ہوگئی تھی اور چونکہ عمر فاروقؓ کے عہد سے وظیفوں اور مالِ غنیمت کی راہ سے گھر بیٹھے خوب روپیہ آرہا تھا اس لئے یہ باامنگ جوان اپنے کپڑے، کھانے، فرنیچر، مکان سب کو بہتر بنانے کی کوشش کرتے تھے بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ ان امور میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی ان کے درمیان دوڑ رہا کرتی تھی، عمر فاروقؓ اپنی سخت گیری اور احتساب سے یہ رجحانات دبائے ہوئے تھے، عثمان غنیؓ نے نہ تو سختی سے کام لیا نہ احتساب سے، اس لئے ان رجحانات کو پھلنے پھولنے کا موقع مل گیا، ان رجحانات کو روکنا کسی فرد کے بس کی بات نہ تھی کیونکہ جب دولت کے ساتھ فرصت کا جوڑ ملتا ہے یا بے محنت روپیہ ہاتھ آتا ہے تو منجملہ اور خرابیوں کے تکلف، شان و شوکت اور ترف کے مظاہر بھی ضرور پیدا ہوتے ہیں۔

۳- ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے مسجد نبوی کی تجدید و توسیع کرائی اور بدعت کے مرتکب ہوئے۔

---

[۱] شرح نہج البلاغہ بحوالہ موفقیات قاضی مکہ زبیر بن بکار ۲/۳۹۴ -

ہجرت کے بعد یہ مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوائی تھی، اس کی لمبائی سو ذراع یا لگ بھگ دو سو فٹ تھی، دالان اینٹوں کا تھا، دالان کی چھت کھجور کی ٹہنیوں سے پاٹی گئی تھی اور کھجور کے تنوں پر قائم تھی، ابوبکر صدیقؓ کا عہد چونکہ مختصر تھا اور مشکلات سے پُر اس لئے مسجد کی طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی، عمر فاروقؓ کے عہد میں حالات بہتر ہوئے اور سرکاری آمدنی بڑھ گئی تو انہوں نے مسجد کی توسیع و اصلاح کرائی، انہوں نے لمبائی دو سو فٹ سے بڑھا کر دو سو اسی فٹ کر دی، مسجد کے آنگن کی بنیادیں پتھر سے چنوا دیں اور قدِ آدم دیوار اٹھوا دی، رسول اللہؐ کے عہد میں مسجد کے صرف تین دروازے تھے، عمر فاروقؓ نے مزید تین دروازوں کا اضافہ کیا لیکن مسجد کے دالان، چھت اور فرش بدستور رہے۔

چھت کھجور کی ٹہنیوں سے پٹی تھی اور بارش کے وقت ٹپکا کرتی تھی، بارش نہ ہوتی تو کوڑا کرکٹ اور کیڑے مکوڑے گرا کرتے، مسجد کا فرش کچا تھا، اس لئے خاک اڑتی اور نمازیوں کے کپڑے خراب ہوتے، بارش کے زمانے میں پانی بھر جاتا اور کیچڑ رہتی، شہر میں نئے نئے مکانات اور حویلیاں بنتی جا رہی تھیں، ایک سال پہلے یعنی ۲۸ھ میں عثمان غنیؓ نے دارالامارہ (گورنمنٹ ہاؤس) بھی بنوا لیا تھا، نئی عمارت کے مقابلے میں مرکزِ خلافت کی مسجد بدنما منظر پیش کر رہی تھی، ان سب باتوں کے پیش نظر عثمان غنیؓ نے مسجد کو پکا کرانے کی تجویز صحابہ کے سامنے پیش کی لیکن انہوں نے عدم تعاون کی روش کے ماتحت تجویز کی مخالفت کی اور مسجد کی اصلاح پر سرکاری روپیہ صرف کرنے کی اجازت نہیں دی، عثمان غنیؓ نے مسجد کی توسیع و تجدید پر اپنے پاس سے روپیہ خرچ کرنے کا عزم کر لیا، انہوں نے مسجد کی لمبائی ایک سو چالیس ذراع (دو سو اسی فٹ) سے بڑھا کر ایک سو ساٹھ ذراع (تقریباً تین سو بیس فٹ) اور چوڑائی ایک سو پچاس ذراع یا لگ بھگ تین سو فٹ کر دی، مسجد کا دالان پتھر اور چونے سے بنوایا اور ایک پکی چھت ساگون کی کڑیوں پر ڈلوا دی، چھت کے ستون منقش پتھر کے لگوائے اور فرش بھی پکا کرا دیا، یہ کام ۲۹ھ میں شروع ہوا اور ۳۰ھ میں

دس ماہ بعد پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اس پر دس ہزار روپے (بیس ہزار درہم) خرچ ہوئے[1] چونکہ مخالفت اور عدم تعاون کا ماحول تھا اس لئے اس اچھے کام کو بدعت اور مخالفتِ سنت قرار دیا گیا، عمر فاروقؓ کے درے سے چونکہ سب ڈرتے تھے اس لئے جب انہوں نے مسجد میں توسیع و ترمیم کرائی تو کسی کو اعتراض کی جرأت نہ ہوئی۔

۴۔ ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے منیٰ میں دو رکعت کی جگہ چار رکعتیں پڑھیں حالانکہ رسول اللہؐ، ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ دو رکعت پڑھا کرتے تھے۔

منیٰ مکہ سے باہر تقریباً سوا چار میل پر ایک میدان ہے جہاں حاجی رمی جمار کے لئے جمع ہوتے ہیں، رسول اللہؐ جب یہاں آتے تو قصر کیا کرتے یعنی چار رکعتی نماز دو رکعت پڑھتے، خلافت کے بعد کئی برس تک عثمان غنیؓ بھی منیٰ میں دو ہی رکعت پڑھتے تھے لیکن ۲۹ھ کے حج کے بعد ان کو معلوم ہوا کہ یمن اور بعض دوسرے علاقوں کے عرب کہتے ہیں کہ مقیم کی نماز دو رکعت ہے اور اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ خلیفہ نے چونکہ مکہ میں شادی کر لی ہے اور اس قرینہ سے چونکہ مکہ ان کے وطن کے حکم میں آ گیا ہے اور خود ان کی حیثیت مقیم کی سی ہو گئی ہے اس لئے ان کا منیٰ میں چار رکعتی نماز کا دو رکعت پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ خلیفہ کے نزدیک مقیم کی نماز چار رکعت کی بجائے دو رکعت ہے، اس لئے دوسرے مسلمانوں کو بھی دو رکعت پڑھنا چاہیئے۔

حج کے لئے دور دور سے عرب آتے تھے، عثمان غنیؓ کو اندیشہ ہوا کہ مقیم کی نماز کے دو رکعت ہونے کا تصور کہیں عرب کے دوسرے شہروں اور قریوں میں نہ پھیل جائے اس لئے انہوں نے منیٰ میں دو کی جگہ چار رکعت پڑھنا شروع کر دیا۔ اعتراض کا جواب خود ان کے الفاظ میں سنئے ــ إن بعض من حج من أهل اليمن وجفاة الناس قد قالوا في عامنا الماضي إن الصلوٰة للمقيم ركعتان، هذا إمامكم عثمان يصلي ركعتين

---

[1] تاریخ الامم ۵/۶۸ و فتوح البلدان مصر ص۵۳، معجم البلدان یاقوت، ۳۱/۱۳ و انساب الاشراف ۵/۳۸۔

وقد اتخذ بمكة أهلاً فرأيت أن أصلي أربعا لخوف ما أخاف على الناس و أخرى قد اتخذت بها زوجة ولى بالطائف مال فربما اطلعته فأقمت فيه بعد الصدار[1]

قصر نماز کی قرآن میں صرف خطرہ کے وقت اجازت دی گئی ہے: فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا الصَّلٰوةَ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ تم صلاۃ میں کوئی حرج نہیں اگر تم کو اندیشہ ہو کہ دشمن دھوکہ سے تم پر حملہ کر دے گا۔ لیکن رسول اللہ نے عوام کی آسانی کے لئے سفر میں بھی قصر کی اجازت دے دی تھی، یعنی قصر کی حیثیت مباح سے زیادہ نہ تھی، سفر میں رسول اللہ کبھی پوری نماز بھی پڑھ لیتے تھے لیکن منیٰ میں ہمیشہ دو رکعت ہی پڑھا کرتے تھے، مذکورہ بالا خبر کے بعد عثمان غنیؓ کے سامنے دو صورتیں تھیں (۱) سنتِ نبی پر عمل کریں (۲) چہار رکعتی مفروضہ نماز کو دو رکعتی بنانے کا خطرہ مول لیں، انہوں نے پہلی صورت اختیار کی، رہا سنتِ نبی کا ترک تو یہاں یہ بتا دینا مناسب ہے کہ صحابہ مصالحِ عامہ کی خاطر عملِ نبی کو نظر انداز کر دیا کرتے تھے، سند کے طور پر یہاں ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کے عہد کی دو دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں، ترکِ سنت کی مزید مثالیں آپ کو آگے بھی ملیں گی۔

(۱) رسول اللہ کا عمل اس اصول پر تھا کہ جو شخص زبان سے خدا کی وحدانیت کا اقرار کرے . . . . . اس پر تلوار نہیں اٹھائی جا سکتی لیکن ابوبکر صدیقؓ نے ان لوگوں سے بھی جہاد کیا جو زکوٰۃ دینے کے لئے تیار نہ تھے اگرچہ توحید کے قائل تھے اور نماز بھی پڑھتے تھے۔

(۲) رسول اللہ نے خرابی کے لئے کوئی خاص سزا مقرر نہیں کی تھی، گھونسوں سے کبھی چانٹوں سے اور کبھی جوتوں سے اس کی خبر لی جاتی تھی لیکن ابوبکر صدیقؓ نے چالیس

---

[1] تاریخ الامم ۵/۵۶۔

کوڑوں کی سزا مقرر کی۔

(۳) رسول اللہ ؐ نے ہجر (بحرین) کے ذمیوں۔ مرد، عورت، ... بوڑھوں سب پر فی کس پانچ روپے (ایک دینار) جزیہ لگایا تھا لیکن عمر فاروقؓ نے جزیہ کا ایک بالکل نیا ضابطہ وضع کیا، انہوں نے عورتوں، بچوں، بوڑھوں، بیماروں اور اپاہجوں کو جزیہ سے مستثنیٰ کر کے صرف جنگ کے قابل بالغ مردوں سے جزیہ وصول کیا، دوسری طرف انہوں نے جزیہ کی تین شرحیں مقرر کیں: مال داروں کے لئے چوبیس روپے سالانہ متوسط حال لوگوں کے لئے بارہ روپے، اور دست کاروں اور ناداروں کے لئے چھ روپے سالانہ۔

(۴) قرآن میں زکاۃ سے مؤلفۃ القلوب کا ایک حصہ مقرر کیا گیا ہے، یہ حصہ رسول اللہ ؐ برابر دیتے رہے، لیکن عمر فاروقؓ نے اس کو بند کر دیا۔

(۵) ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے منیٰ میں شامیانہ لگایا۔ حالانکہ رسول اللہ ؐ یا عمر فاروقؓ نے ایسا نہیں کیا تھا[1]۔

رسول اللہ ؐ کے زمانہ میں اسلام جزیرۂ عرب سے باہر نہیں نکلا تھا اس لئے مکہ، مدینہ اور حجاز کا تمدن خالصۃً عربی تھا، اس تمدن کو بنانے میں یہاں کے معاشی، موسمی اور طبعی حالات کو بڑا دخل تھا، عام طور سے لوگ مفلوک الحال اور غریب تھے، ان کے کھانے، پینے اور برتنے کی چیزیں وہی ہوتیں جو اس علاقہ میں سیکڑوں برس سے بنتی چلی آتی تھیں لیکن رسول اللہ ؐ کے بعد ابو بکر صدیقؓ اور ان کے بعد زیادہ بڑے پیمانہ پر عمر فاروقؓ اور عثمان غنیؓ کے عہد میں جب عرب بیرونی ملکوں میں فاتح کی حیثیت سے گئے اور ان کی مالی حالت بہتر ہو گئی تو انہوں نے شام، عراق اور فارس کے زیادہ نکھرے تمدن کو اپنانا شروع کر دیا، ان کا لباس، کھانا پینا، برتن، فرنیچر، غرض کہ معیشت کے

---

[1] انساب الاشراف ۵/۳۹۔

سارے پہلو بدلنے لگے اور اس تبدیلی کو مفتوحہ علاقوں کی عورتوں نے جو غلام بن کر عرب گھروں میں داخل ہوئیں، تیز کر دیا، ان عورتوں کا تمدن چونکہ زیادہ اجلا اور دلکش تھا اس لئے قدرتی طور پر وہ اپنے نئے گھروں میں اس کو رائج کرنے کی کوشش کرتی تھیں عمر فاروقؓ نے نئے تمدن کو روکنے کی کوشش کی لیکن وہ رکا نہیں، اوٹ میں ہو گیا، عثمان غنیؓ کی زندگی شروع ہی سے اُجلی اور پُر آرام تھی، وہ زندہ دل اور خوش ذوق آدمی تھے انہوں نے خلافت کا چارج لیا تو نیا تمدن پردہ سے باہر نکل آیا، ان کے عہد میں ہر زمانہ سے زیادہ روپیہ اور سامان مدینہ آنے لگا، اہلِ مدینہ کو مقررہ وظیفوں کے علاوہ جلد جلد خمس کی مد سے بھی کافی روپیہ ملتا رہتا تھا اور وہ اس قابل ہو گئے تھے کہ ایک ستھری اور اُجلی زندگی بسر کر سکیں، اس کے علاوہ غنیمت کے روپ میں مختلف انواع و اقسام کا سامان، فرنیچر، قالین، کپڑے، برتن اور شاہی نوادرات بھی مدینہ آتے اور لوگ ان سے متعارف ہوتے اور خود بھی ان میں سے بعض چیزیں حاصل کرنے کی کوشش کرتے نئے تمدن کے مظاہر میں شامیانہ بھی تھا جس کو عربی میں فسطاط کہا جاتا ہے، عرب شامیانہ سے واقف تھے لیکن چونکہ مہنگی چیز تھا اس کے استعمال پر قادر نہ تھے، عرب جرنل جب اپنے ملکی حدود سے باہر نکلے اور شام و عراق وغیرہ میں انہوں نے دیکھا کہ دشمن کے کمانڈر اور افسر شامیانہ استعمال کرتے ہیں تو خود بھی کرنے لگے. فاتحِ مصر عمرو بن عاص کے مشہور شامیانہ سے شاید ہمارے قارئین واقف ہوں گے، یہی وہ شامیانہ تھا جو مصر کی راجدھانی فسطاط کی بنیاد پڑا - رسول اللہؐ یا ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں شامیانہ کا چلن مدینہ میں نہیں ہوا تھا لیکن ۲۰ھ میں بہ عہد عمر فاروقؓ ہمارے رپورٹر بتاتے ہیں کہ رسول اللہؐ کی بیوی زینب بنت جحش کی قبر پر شامیانہ لگایا گیا تھا تاکہ اہلِ جنازہ دھوپ اور لو سے محفوظ رہیں، اس وقت کسی نے اعتراض نہیں کیا تھا کہ یہ بدعت ہے حتیٰ کہ عمر فاروقؓ نے جو عجمی تمدن کے مخالف تھے اسی شامیانہ کے نیچے نماز پڑھائی تھی، شامیانہ نئے اور زیادہ

پر آسائش تمدن کا مظہر تھا، خیمہ کی نسبت اس میں زیادہ گنجائش اور فراخی بھی تھی، خیمہ کی نسبت اس میں موسمی تکلیفوں سے زیادہ امن رہتا تھا، اسی لیے عثمان غنیؓ نے اس کو منیٰ کے چٹیل میدان میں جہاں گرمی اور لوہ بلا کی ہوتی لگوایا تھا چونکہ مفید اور آرام دہ چیز تھی، مالدار لوگوں نے جلد اس کو اپنا لیا، رسول اللہؐ کی بیوی عائشہؓ جب حج کرنے جاتیں تو حرم کے پاس ان کا بھی ایک شامیانہ لگتا تھا، رسول اللہؐ کا شامیانہ کو استعمال نہ کرنا اس وجہ سے نہ تھا کہ اسلام اس کی اجازت نہ دیتا تھا بلکہ محض اس وجہ سے کہ وہ اور مسلمان اس وقت اتنے خوش حال نہ تھے کہ ایسی گراں چیز کے متحمل ہو سکتے، عمر فاروقؓ کا شامیانہ سے احتراز بھی کسی جذبۂ دینی کا مرہون نہ تھا بلکہ اس کا ایک سبب ان کا طبعی تقشف تھا اور دوسرا سبب یہ تھا کہ وہ عجمی تمدن کو اپنانے کے خلاف تھے۔

(۶) ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے اپنے چچا حکم بن عاص کو مدینہ آنے کی اجازت دی حالانکہ رسول اللہؐ نے ان کو طائف جلاوطن کر دیا تھا۔[1]

حکم بن عاص قریش کے اکابر میں سے تھے، ایک بے ہودگی پر رسول اللہؐ نے اُن کو مدینہ میں رہنے کی ممانعت کر دی تھی اور طائف جلاوطن کر دیا تھا، فتح مکہ کے بعد ۸ھ کا یہ واقعہ ہے جب حکم نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، اُس وقت نہ تو ان کو اسلام سے قلبی لگاؤ تھا اور نہ رسول اللہ کا جیسا چاہیے احترام کرتے تھے، بعد میں مخلص مسلمان ہو گئے تھے، کافی بڑا کنبہ تھا، اُن کا کچھ خاندان مکہ اور مدینہ میں تھا اور کچھ ان کے ساتھ طائف میں، دو تین جگہ خاندان بٹ جانے سے بہت سی دقتیں اور مسائل پیدا ہو گئے تھے، ان دقتوں کو دیکھ کر عثمان غنیؓ نے رسول اللہؐ سے درخواست کی کہ حکم کو مدینہ آنے کی اجازت دے دیں لیکن انہوں نے کہا: سر دست حکم کی واپسی مناسب نہیں، کچھ عرصہ بعد عثمان غنیؓ نے پھر درخواست کی تو رسول اللہؐ نے واپسی کی اجازت

---

[1] تاریخ الامم ۵/۱۰۲۔

دینے کا وعدہ کرلیا، ابھی یہ وعدہ پورا نہ ہوا تھا کہ رسول اللہؐ کا انتقال ہوگیا، ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے تو عثمان غنیؓ نے ان سے حکم کی واپسی کی سفارش کی اور رسول اللہؐ کے اس وعدہ کا ذکر کیا جو انہوں نے حکم کے بارے میں کیا تھا، ابو بکر صدیقؓ رسول اللہؐ کی طرف منسوب کسی صحابی کا قول اس وقت تک نہ مانتے جب تک دوسرا صحابی اس کی توثیق نہ کر دیتا اور عثمان غنیؓ چونکہ دوسرا شاہد فراہم نہ کرسکے اس لئے ان کی درخواست پوری نہ ہوسکی، عمر فاروقؓ خلیفہ ہوئے تو عثمان غنیؓ نے حکم کی واپسی کی ان سے اجازت مانگی، اور کہا کہ رسول اللہؐ نے مجھ سے اجازت دینے کا وعدہ کرلیا تھا، عمر فاروقؓ بھی رسول اللہؐ کی طرف منسوب کوئی بات اسی وقت مانتے جب دوسرا صحابی اس کی گواہی دے دیتا اور چونکہ عثمان غنیؓ دوسرا گواہ پیش نہ کرسکے ان کی خواہش پوری نہ ہوئی، ۲۴ھ میں عثمان غنیؓ کے انتخاب کے وقت حکم کو وطن اور عزیزوں سے چھوٹے پندرہ سال ہوچکے تھے اور وہ تیز ان کے کنبہ کے لوگ بہت پریشان تھے، عثمان غنیؓ نے ان کو مدینہ آنے کی اجازت دے دی یہ ایک معمولی واقعہ تھا لیکن مخالفوں نے اس کو پروپیگنڈے کا موضوع بنالیا اور ایک بڑا جرم قرار دے کر اس کے چرچے کرنے لگے، عثمان غنیؓ کا یہ فعل کسی اعتبار سے ملامت کے قابل نہیں تھا، انہوں نے ایک ایسے خاندان کا دکھ دور کیا تھا جو سولہ سال سے بے خانماں اور پریشان حال تھا، رسول اللہؐ اگر جلاوطنی ختم کرنے کا وعدہ نہ بھی کرلیتے تب بھی عثمان غنیؓ کا یہ اقدام درست ہوتا کیونکہ وہ حاکم تھے اور حاکم کو خطاکاروں کو معاف کرنے کا اختیار ہے، اس کے علاوہ حکم کی بے ہودگی یا گستاخی کوئی ایسا جرم بھی نہیں تھی کہ اس کے لئے ان ...ری عمر وطن اور عزیزوں سے محروم رکھا جاتا۔

(۷) ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے حکم کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کی قبر پر شامیانہ لگایا۔[۱]

---

[۱] انساب الاشراف ۵/۲۷۔

حکم کا ۳۲ھ میں یا اس کے لگ بھگ انتقال ہوا۔ جس طرح رسول اللہ؈ اپنے چچا عباسؓ اور حمزہؓ کا احترام کرتے تھے ٹھیک اسی طرح عثمان غنیؓ بھی اپنے چچا حکم کی عزت کرتے تھے عثمان غنیؓ کے والد کا بچپن میں انتقال ہو گیا تھا اور ان کے بعد حکم ہی عثمان غنیؓ اور ان کی بہن کے باپ تھے، حکم نے اپنی شفقتِ خاص، پیار اور خیال سے عثمان غنیؓ کے دل میں اور زیادہ گھر کر لیا تھا، اس متبادل رشتۂ محبت کی وجہ سے عثمان غنیؓ بھی حکم اور ان کی اولاد کا خاص خیال رکھتے تھے چنانچہ وہ حکم کے لڑکوں کو اپنے کاروبار میں لگائے رہتے تھے اور شادی بیاہ نیز دوسری تقریبوں پر ان کو تحفے اور عطیے دیا کرتے تھے، عثمان غنیؓ کے حریف ان باتوں سے جلتے تھے اور مخالف پارٹیاں ان کی داد و دہش اور التفاتِ خاص کو توڑ مروڑ کر اور حاشیے چڑھا کر مدینہ اور دوسرے صدر مقاموں میں پیش کیا کرتی تھیں، مقصد عثمان غنیؓ کے خلاف اشتعال پیدا کرنا اور انقلاب کے لئے زمین ہموار کرنا تھا، وہ عثمان غنیؓ ہی سے نہیں، ان کے چچا زاد بہن بھائیوں سے بھی جلتے تھے اور حکم اور حکم کی اولاد کو طرداء کے حقارت آمیز الفاظ سے یاد کیا کرتے تھے، ان کی خواہش تھی کہ حکم اور ان کا خاندان ہمیشہ کے لئے معتوب اور مغضوب رہیں، انہوں نے اس معمولی سی بات تک کو پروپیگنڈے کا آلہ بنا لیا کہ عثمان غنیؓ نے حکم کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور ان کی قبر پر شامیانہ لگایا۔

رسول اللہ؈ نے عبداللہ بن سلول جیسے منافق تک کی نمازِ جنازہ پڑھائی تھی حالانکہ وہ اکثر ان کی رائے سے اختلاف کرتا تھا اور وہ اور اس کے پیرو ہمیشہ عدم تعاون سے کام لیتے تھے، شامیانہ لگانے سے حکم کا کوئی اعزاز مقصود نہ تھا اور اگر ہوتا تب بھی اعتراض کا موقع نہ تھا کیونکہ حکم ایک معزز قریشی تھے، شامیانہ ضرورتاً لگایا گیا تھا، موسم سخت گرم تھا اہل جنازہ اور نمازیوں کو دھوپ سے بچانے کے لئے شامیانہ ایک معقول تدبیر تھا، سنہ ۲۰ھ میں جب رسول اللہ کی بیوی زینب بنتِ جحشؓ کا انتقال ہوا تھا تو اس وقت بھی ان کی قبر پر دھوپ اور گرمی سے بچاؤ کے لئے شامیانہ نصب کیا گیا تھا اور یہ شامیانہ خلیفۂ وقت عمر فاروقؓ کے حکم

لگاتھا. وکان دفن زینب بنت ... جحش فی یوم صائف فضرب عمر علی قبرھا فسطاطا۔[1] اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ شامیانہ لگانا اگر کوئی بدعت تھا تو اس کے مرتکب عثمان غنیؓ نہیں عمر فاروقؓ تھے لیکن ان پر کوئی اعتراض نہیں ہوا اور نہ کسی کو اعتراض کی جرأت ہو سکتی تھی۔

حکم کی بے تمیزی کوئی ایسا جرم نہ تھا کہ عثمان غنیؓ اس کی وجہ سے خونی رشتہ فراموش کر دیتے یا حکم کا جو بجائے باپ کے تھے احترام کرنا چھوڑ دیتے یا اس تکلیف کا بے حسی سے جواب دیتے جس سے غریب الوطنی میں حکم دوچار تھے، قارئین کو شاید معلوم ہو کہ رسول اللہؐ کے چچا حمزہؓ نے ہجرت کے بعد شراب پی اور نشہ کی حالت میں رسول اللہ کو دیکھ کر ان کے حق میں نا ملائم باتیں کیں لیکن رسول اللہؐ نے نہ تو ان کو ڈانٹا، نہ جلا وطن کیا اور نہ ان کی عزت و حرمت میں مطلقاً کمی کی۔

(۸) ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے گھوڑوں کی زکوٰۃ وصول کی حالانکہ رسول اللہؐ نے ایسا نہیں کیا تھا۔[2]

رسول اللہؐ نے گھوڑوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر دیا تھا، یہ ایک رعایت تھی جو انہوں نے ضرورۃً دی تھی، گھوڑے بہت مہنگے تھے، متوسط درجہ کی ایک راس کئی ہزار روپے میں آتی تھی، جہاد اور اشاعتِ اسلام کے لئے گھوڑے تھے ضروری لیکن ان کا خریدنا اور ان کی خوراک کا انتظام دشوار تھا، اس لئے رسول اللہؐ نے گھوڑا رکھنے کے بار کو ہلکا کرنے کے لئے گھوڑے پر زکوٰۃ معاف کر دی تھی، قانون و مالیات اسلام کے اولین مؤلف یحییٰ بن آدم قرشی مؤلف کتاب الخراج، قاضی ابو یوسف مؤلف کتاب الخراج، ابو عُبید قاسم بن سلام مؤلف کتاب الاموال، امام شافعی مؤلف کتاب الام، امام مالک مؤلف المؤطا میں سے کسی نے اس بات کی توثیق نہیں کی کہ عثمان غنیؓ نے گھوڑوں کی زکوٰۃ وصول کی،

---

[1] انساب الاشراف ۱/۴۳۶ - [2] انساب الاشراف ۵/۲۶۔

اس سلسلہ میں ایک رپورٹ یہ ضرور ملتی ہے کہ شام کے بعض مسلمانوں نے عمر فاروقؓ سے گھوڑوں کی زکوٰۃ دینے کی خواہش ظاہر کی تھی جس کو انہوں نے مسترد کر دیا تھا لیکن جب بار بار انہوں نے زکوٰۃ دینے پر اصرار کیا تو ان کو اجازت دے دی گئی تھی۔ إن أهل الشام قالوا لأبي عبيدة بن الجراح: خذ من خيلنا ورقيقنا صدقة فأبى، ثم كتب إلى عمر فأبى فكلموه أيضاً فأبى، فكتب اليه عمر: إن أحبوا فخذها منهم واردد ها وارزق رقيقهم[1] اس باب میں عثمان غنیؓ کی کسی نئی قانون سازی کا کہیں ذکر نہیں، اگر مان لیا جائے کہ انہوں نے گھوڑوں پر زکوٰۃ لگائی تھی تب بھی ان سے کوئی مواخذہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان کے عہد میں حالات بدل گئے تھے، مسلمانوں کی مالی حالت بہتر ہو گئی تھی، میدانِ جنگ کے علاوہ سواری کے لئے بھی گھوڑوں کی مانگ روز بروز بڑھتی جا رہی تھی، اس لئے بڑے پیمانہ پر تجارت کے لئے گھوڑے پالے جانے لگے تھے، تجارت کے سامان پر قانوناً زکوٰۃ تھی اور چونکہ گھوڑے سامانِ تجارت بن گئے تھے اس لئے اگر بالفرض عثمان غنیؓ نے ان پر زکوٰۃ لگا دی تو اس پر اعتراض کا کیا موقع تھا۔

۹۔ ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنی نے چراگاہوں اور تالابوں کو سرکاری گھوڑوں اور اونٹوں کے لئے محفوظ کر لیا اور عوام کو وہاں چرانے اور پانی پلانے کی ممانعت کر دی[2] یہ اعتراض بالکل بیجا ہے کیونکہ چراگاہیں محفوظ کرنے کا عمل رسول اللہؐ کے زمانہ سے برابر ہوتا چلا آیا تھا سب سے پہلے رسول اللہؐ نے جہاد کے گھوڑوں کے لئے نَقِیع کی چراگاہ محفوظ کی تھی، یہ مدینہ کے اسّی میل مشرق میں ایک سرسبز وادی تھی، عام لوگوں کو اس میں چرانے یا پانی پلانے کی اجازت نہ تھی[3] عمر فاروقؓ نے نَقِیع کے علاوہ دو اور چراگاہیں مدینہ کے مضافات میں بنائی تھیں: ایک رَبَذہ اور دوسری شَرف[4] نقیع اور

---

[1] کتاب الاموال، ابو عبید قاسم بن سلام مصر ص۴۹۵ و سنن کبریٰ ۴/۱۱۸ و حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط از خورشید احمد فارق ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۵۹ء ص۱۰۳۔ [2] انساب الاشراف ۵/۳۸ [3] فتوح البلدان ص۱۵۔ [4] معجم البلدان ۵/۱۷۔

سَرِف میں گھوڑے رکھے جاتے تھے اور رَبَذہ میں زکوٰۃ کے اونٹ عمر فاروقؓ کے زمانہ میں بڑے پیمانہ پر کئی ملکوں میں فوجی اقدامات ہوے تھے اور سپاہیوں کے لئے گھوڑوں کی اور بار برداری کے لئے اونٹوں کی اشد ضرورت تھی، اس لئے بڑی تعداد میں گھوڑے اور اونٹ فراہم کئے جاتے تھے اور ان چراگاہوں میں رکھے جاتے تھے، عام لوگوں کو یہاں چرانے کی ممانعت تھی، اس پر عمر فاروقؓ سے احتجاج بھی کیا گیا لیکن انہوں نے سرکاری ضرورت کا عذر پیش کرکے معترضین کی زبان بند کردی (عثمان غنیؓ کے عہد میں یہی چراگاہیں تھیں، انہوں نے کسی نئی چراگاہ کا اضافہ نہیں کیا۔

مخالفوں نے مذکورہ بالا اعتراض ایک دوسرے انداز سے بھی پیش کیا ہے، قاضی واقدی کی زبانی سنئے: عثمانؓ نے رَبَذہ، شرف (صحیح سَرِف) اور بقیع (صحیح نقیع) کو حمیٰ بنالیا تھا، ان چراگاہوں میں نہ تو ان کا کوئی جانور چرتا نہ بنو امیہ کا لیکن اپنی خلافت کے آخری زمانہ میں انہوں نے شرف (سَرِف) کو اپنے اونٹوں کے لئے جن کی تعداد ایک ہزار تھی اور حکم کے اونٹوں کے لئے محفوظ کرلیا، رَبَذہ میں وہ زکوٰۃ کے سرکاری اونٹ رکھتے اور بقیع (نقیع) میں سرکاری گھوڑوں کے ساتھ وہ اپنے اور بنو امیہ کے گھوڑے بھی چراتے۔[1]

طبقات ابن سعد کی ایک رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ چراگاہیں چاہے عوام کے لئے بند ہوں غیر اُموی اکابر قریش کے لئے کھلی ہوئی تھیں، عبدالرحمٰن بن عوف کا ۳۲ھ میں انتقال ہوا، ان کے پاس ہزار اونٹ، تین ہزار بکریاں اور سو گھوڑے تھے، یہ جانور کہاں چرتے تھے؟ نقیع میں: ترک ابن عوف ألف بعير وثلاث آلاف شاة بالنقيع ومائة فرس ترعی بالنقيع[2] اس رپورٹ سے یہ دوسرا اعتراض بھی دور ہوجاتا ہے کہ سرکاری گھوڑوں کے علاوہ نقیع صرف عثمان غنیؓ اور بنو امیہ کے جانوروں

---

[1] شرح نہج البلاغۃ ۱/۲۳۵ - [2] طبقات ابن سعد لائڈن ایڈیشن قسم اول ۳/۹۶

کے لئے مخصوص تھا۔

یہ تو ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ پہلی چراگاہ نقیع خود رسول اللہ ؐ نے محفوظ کی تھی پھر عمر فاروقؓ نے بڑھتی ہوئی ضرورت کے ماتحت دو اور بڑی چراگاہیں سرکاری جانوروں کے لئے محفوظ کرلیں، لہٰذا اس حد تک عثمان غنیؓ سے مواخذہ درست نہیں۔ رہا آخری ایام خلافت میں ان کا سَرِف اور نقیع کو خالصتاً اپنے جانوروں کے لئے محفوظ کرنا تو یہ بھی غلط بیانی ہے، صحیح بات یہ ہے کہ سرکاری جانوروں کے ساتھ وہ اپنے جانور بھی ان چراگاہوں میں رکھنے لگے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ سَرِف اور نقیع میں سرکاری گھوڑے کم ہو گئے تھے پچھلی جنگوں اور بالخصوص شمالی افریقہ کی لڑائی میں انہوں نے لگ بھگ دس ہزار گھوڑے باہر بھیجے تھے، ان کے آخری ایام میں لڑائیاں تقریباً ختم ہو چکی تھیں، فارس اور افریقہ دونوں پر عرب تسلط مکمل ہو چکا تھا اور چونکہ حکومت کے سامنے عسکری تقاضا نہیں تھے اس لئے گھوڑے فراہم کرنے کی مہم سست پڑ گئی تھی اور چراگاہوں میں غیر سرکاری جانوروں کے لئے گنجائش نکل آئی تھی۔

۱۰- ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے خلافت کے ساتویں سال اپنی کوٹھی (دارالامارہ) پر نماز کے لئے ندائے ثالث لگوائی اور بدعت کے مرتکب ہوئے۔[۱]

یہ اعتراض بھی محض اعتراض ہے معترضین خوب جانتے تھے کہ اس میں کتنا وزن ہے لیکن چونکہ اس سے عثمان غنیؓ کو بدنام کرنے، ان کو بدعتی مشہور کرنے اور ان کے خلاف اشتعال پیدا کرنے میں مدد ملتی تھی اس لئے اس کا خوب چرچا کیا حتیٰ کہ ہمیشہ کے لئے تاریخ کے صفحات پر یہ اعتراض ثبت ہو گیا۔ ندائے ثالث سے مراد دوسری اذان ہے، یہ اذان صرف نماز جمعہ کے لئے مخصوص تھی، رسول اللہ ؐ اور شیخینؓ کے زمانہ میں مدینہ کی آبادی نہ تو زیادہ تھی نہ گھیری ہوئی، دوسری نمازوں کی طرح

۱ے انساب الاشراف ۵/۳۹۔

جمعہ کی نماز کے لئے بھی اقامت کے علاوہ ایک بار اذان ہوتی تھی اور یہ اس وقت جب رسول اللہؐ یا شیخین گھر سے مسجد کے لئے نکلتے تھے، عثمان غنیؓ کے زمانہ میں شہر کی آبادی بہت بڑھ گئی تھی اور بہت سی حویلیاں مسجد سے دور کھلے میدانوں میں بن گئی تھیں جمعہ کے ازدحام اور شور میں شہر کے کئی حصوں میں اذان کی آواز نہیں جاتی تھی اور بہت سے لوگ یا تو مسجد میں دیر سے پہنچتے یا نماز ہونے کے بعد، اس دقت کو دور کرنے کے لئے عثمان غنیؓ نے موذن کو ہدایت کردی کہ نماز جمعہ سے پہلے زوراء کی چھت[1] سے اذان دے دیا کرے تاکہ دور و نزدیک کے مسلمانوں کو نماز کی قربت کا علم ہوجائے اور وہ بروقت مسجد میں پہنچ جائیں، مخالف پارٹیوں نے اس مفید اقدام کو پروپیگنڈے کے لئے استعمال کیا اور اس کو بدعت کا نام دے کر اچھالنے لگے، عثمان غنیؓ کی نرمی اور صلح پسندی اس جرأت کی ذمہ دار تھی، عمر فاروقؓ نے رسول اللہؐ کی تیار کردہ مسجد میں اضافہ کیا تو کسی نے شور نہیں مچایا کہ یہ بدعت ہے، رسول اللہؐ نے مسجد میں تین دروازے رکھے تھے عمر فاروقؓ نے چھ کر دیئے تب بھی کسی نے ان کے اس فعل کو بدعت قرار نہیں دیا، عمر فاروقؓ نے وہ درخت کٹوا دیا جس کے سایہ میں بیعت الرضوان[2] لی گئی تھی کیونکہ لوگ اس کے نیچے نماز پڑھنا باعث ثواب سمجھنے لگے تھے، اس وقت بھی کسی کو اعتراض کرنے کی ہمت نہ ہوئی، رسول اللہؐ نے ایک چراگاہ محفوظ کی تھی، عمر فاروقؓ نے تین کرلیں تب بھی مخالف خاموش رہے، انہوں نے ۱۴ھ میں تراویح کی بیس رکعتیں مسلمانوں پر لازم کردیں حالانکہ رسول اللہؐ نے ایسا نہیں کیا تھا، ابھی کسی نے بدعت کا نعرہ نہیں لگایا، رسول اللہؐ نے مدنی آیتوں کے بموجب مفتوحہ اراضی فوج میں بانٹ دی تھی لیکن عمر فاروقؓ نے بانٹنے سے انکار کردیا اور اراضی مالکوں کے قبضے میں رہنے دی اور ان سے مالگذاری اور جزیہ وصول کیا، اس پر بھی مخالفوں کی زبان طعن بند رہی، کیوں؟

---

[1] سنن کبریٰ ۳/۱۹۲ - [2] شرح نہج البلاغۃ ۳/۱۲۲ -

اس لئے کہ عمر فاروقؓ سخت آدمی تھے، زبان اور ڈنڈے دونوں سے سزا دیتے تھے اور دوسری طرف ان کی روکھی زندگی حسد اور جلن کی آگ دبائے ہوئے تھی۔

۱۱-ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے کئی ممتاز صحابہ کو معزول کیا۔ سعد بن ابی وقاص کو کوفہ سے، عمرو بن عاص کو مصر سے اور ابو موسیٰ اشعری کو بصرہ سے اور ان کی جگہ اپنے نومسلم اور نوعمر رشتہ داروں کو گورنر مقرر کیا۔

آیئے اس اعتراض کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہاں تک اس میں صداقت ہے ۲۴ھ میں خلیفہ ہو کر عثمان غنیؓ نے صحابی مُغیرہ بن شعبہ کو رشوت کی شکایت پر کوفہ کی گورنری سے الگ کر دیا تھا اور ان کی جگہ سعد بن ابی وقاصؓ کو مقرر کیا تھا جن کے لئے عمر فاروقؓ نے مرتے وقت سفارش کی تھی، خزانۂ کوفہ کے انچارج صحابی عبداللہ بن مسعود تھے، سعد نے خزانہ سے کچھ رقم قرض لی اور ایک وقت مقررہ پر اس کو لوٹانے کا وعدہ کر لیا، جب مقررہ وقت آیا تو عبداللہ بن مسعودؓ نے رقم مانگی لیکن سعد بن ابی وقاص نے کہا کہ مجھے اور مہلت دیجئے، میں اس وقت ادا کرنے سے قاصر ہوں، ابن مسعود بگڑ گئے اور دونوں میں سخت کلامی ہوئی، عبداللہ بن مسعودؓ کے حامیوں نے ان کا پارٹ لیا اور سعد بن ابی وقاص کے حامیوں نے ان کی وکالت کی، چند دن بعد ابن مسعود نے پھر سعد سے روپے کی واپسی کا تقاضہ کیا تو سعد نے برہم ہو کر کہا: "تم نقصان اٹھائے بغیر نہیں مانو گے، تم سمجھتے کیا ہو خود کو، واضح رہے کہ تمہاری حقیقت ہُذیل کے ایک غلام سے زیادہ نہیں ہے۔" دونوں میں پھر تُو تُو مَیں مَیں ہوئی، عثمان غنیؓ کو ان باتوں کا علم ہوا تو وہ دونوں پر ناراض ہوئے اور سعد بن ابی وقاص کو معزول کر دیا لیکن عبداللہ بن مسعودؓ بحال رہے۔

عمرو بن عاص نے جن کا تعلق بنی اُمیہ سے تھا، ۲۰ھ میں جب عمر فاروقؓ خلیفہ تھے، مصر فتح کیا تھا، چونکہ انہوں نے پہلے کی نسبت مالگذاری بہت کم وصول کی، اس لئے

عمر فاروقؓ کو ان کی دیانت پر شک ہوا اور انہوں نے ۲۳ھ میں ایک ممتاز اموی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو جو عثمان غنیؓ کے رضاعی بھائی بھی تھے، مالیاتِ مصر کا وزیر مقرر کر دیا اور عمرو بن عاص کی گورنری سیاسی و عسکری معاملات تک محدود کر دی، قدرتی طور پر عمرو کو مالیات کا الگ ہونا شاق گذرا، کچھ عرصہ بعد عمر فاروقؓ کا انتقال ہوا تو عمرو نے عثمان غنیؓ سے کہا کہ مالیات کا چارج مجھے دیجئے ورنہ میں مستعفی ہوتا ہوں، یہ نہیں ہو سکتا کہ گائے کا دودھ دوہے کوئی دوسرا اور سینگ پکڑوں میں! چونکہ عبد اللہ بن سعد بن ابی سرحؓ کا ریکارڈ اچھا تھا اور وہ زیادہ لگان وصول کر رہے تھے، عثمان غنیؓ نے مالیات کا چارج دینے سے انکار کر دیا، عمرو بن عاص احتجاجاً مستعفی ہو گئے۔

ابو موسیٰ اشعری ۱۷ھ سے بصرہ کے گورنر تھے، عثمان غنیؓ محرم ۲۴ھ میں خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ابو موسیٰ کو بحال رکھا اور وہ مزید چار پانچ سال اپنے عہدہ پر فائز رہے، ۲۹ھ میں اکابرِ بصرہ کا ایک وفد مدینہ آیا اور شکایت کی کہ ابو موسیٰ بوڑھے اور کمزور ہو گئے ہیں، کنبہ پرور اور قبیلہ نواز بھی واقع ہوئے ہیں، ہم ان کی طویل حکومت سے اکتا گئے ہیں، براہ کرم کسی جوان کو ہمارا گورنر بنایئے"! شکایت کی تفصیل طبری میں موجود ہے اور ہم نے خط رقم ۱۲ میں اس کے اہم محتویات بیان کر دیئے ہیں، اس لئے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی، عثمان غنی نے وفد کی خواہش پوری کی اور ابو موسیٰ اشعری کو برطرف کر دیا، ان کا یہ فعل عمر فاروقؓ کے عمل کے عین مطابق تھا، آپ کو شاید یاد ہوگا کہ ۲۱ھ میں اکابرِ کوفہ کی شکایت پر پہلے انہوں نے سعد بن ابی وقاصؓ اور پھر ۲۲ھ میں عمار بن یاسر کو گورنری سے معزول کر دیا تھا۔

ان بیانات سے آپ نے دیکھا کہ حقائق کیا تھے اور مخالفوں نے ان کو کس رنگ میں پیش کیا، اعتراض سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عثمان غنیؓ نے بلا وجہ تینوں صحابی گورنروں کو برطرف کیا تاکہ اپنے رشتہ داروں کے لئے جگہ نکالیں حالانکہ سعدؓ کو الگ اس لئے کیا

کہ ان کا طرزِ عمل نامناسب تھا اور نگرانِ خزانہ کے ساتھ ان کے بار بار کے جھگڑے سے کوفہ کی فضا خراب ہو رہی تھی۔ عمرو بن عاص نے خود نا راض ہو کر استعفا دیا اور ابو موسیٰ کی برطرفی کی تحریک اکابر بصرہ نے کی تھی۔

اعتراض کا دوسرا حصہ کہ عثمان غنیؓ نے رشتہ داروں کو گورنر بنالیا صحیح ہے لیکن مخالفوں کا یہ کہنا کہ ایسا کرنے میں محض کنبہ پروری کا جذبہ کار فرما تھا صحیح نہیں، ولید بن عقبہ جن کو سعدؓ کے بعد کوفہ کا گورنر بنایا گیا عثمان غنیؓ کے سوتیلے بھائی تھے لیکن ساتھ ہی وہ تجربہ کار، معاملہ فہم اور بیدار ذہن بھی تھے، ان کی یہ صفات دیکھ کر رسول اللہؐ نے ۹ھ میں ان کو بعض عرب قبیلوں میں کلکٹر زکوٰۃ مقرر کیا تھا، انہوں نے امانت و دیانت سے کام لیا اس لئے ابو بکر صدیقؓ نے بھی ان کو سرکاری عہدوں پر فائز رکھا، ان کے بعد عمر فاروقؓ نے ولید کو بنو امیہ کے عرب قبیلوں میں زکوٰۃ کلکٹر اور پولیٹکل ایجنٹ بنا کر بھیجا، ۲۱ھ یا ۲۲ھ میں سعد بن ابی وقاص کو امارت کوفہ سے الگ کیا گیا تو ولید بیکار نہ تھے بلکہ اپنے عہدہ کے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دے رہے تھے،[1] چونکہ انتظامی معاملات کا ولید کو لمبا تجربہ تھا اور چونکہ کوفہ میں عثمان غنیؓ کے خلاف تحریک چلی ہوئی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ گورنر لائق ہی نہیں، مخلص اور معتمد بھی ہو، اس لئے انہوں نے ولید کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا، ولید کے بارے میں کوفہ اسکول تاریخ کے شیخ سیف بن عمرؒ کی رائے ملاحظہ ہو: قدم الکوفۃ سنۃ ۲۵ھ فکان احب الناس وأرفقھم فکان بذٰلک خمس سنین ولیس علی بابہ دارٌ[2] ولید نے ۲۵ھ میں حکومت کوفہ کا چارج لیا، بڑے مہربان اور مقبول تھے، مکان پر کوئی گیٹ نہ تھا (ہر شخص کو ملنے کی آزادی تھی) اسپین کے محدث ابن عبد البر: کان من رجال قریش ظرفا وحلما وشجاعۃ وأدبا وکان من الشعراء المطبوعین[3] باعتبار ذہانت، سلیقہ، حلم، بہادری اور شائستگی قریش کے اکابر

---

[1] وفات تک بھگ ۲۱ھ میں ہوئی۔ [2] تاریخ ۱۱امم ۵/۵۹ - [3] استیعاب ۲/۶۰۴ -

میں تھے، اس پر مستزاد شعر کی خداداد صلاحیت تھی۔

ولید بن عُقبہ ۹ھ سے ۳۰ھ تک سرکاری عہدوں پر رہے، سول اور ملٹری دونوں لیکن نہ تو رسول اللہؐ کے عہد میں ان پر کوئی الزام لگا، نہ ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں اور نہ عمر فاروقؓ کی احتسابی نظر ان میں کوئی خامی پا سکی، یہ بیس اکیس برس کی بے داغ خدمت اس بات کی شاہد ہے کہ ولید لائق، فرض شناس اور صالح آدمی تھے، عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں ان پر جو الزام لگے وہ ان کی نا اہلی یا بد کرداری کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اس وجہ سے کہ مدینہ اور فسطاط کی طرح کوفہ بھی مخالف پارٹیوں کا مرکز تھا جو عثمان غنی اور ان کی حکومت کو مطعون کر کے انقلاب برپا کرنا چاہتی تھیں۔

مصر میں عمرو بن عاص کے الگ ہونے پر عثمان غنیؓ نے مصر کے وزیر مالیات عبداللہ بن سعد بن ابی سَرح کو مصر کی گورنری سونپ دی، یہ عبداللہ عثمان غنیؓ کے رضاعی بھائی تھے، پڑھے لکھے، تیز اور باشعور آدمی تھے، اسی لیے ۲۳ھ میں عمر فاروقؓ نے ان کو مالیات مصر کا عہدہ تفویض کیا تھا، واقعات نے بھی عبداللہ بن سعد کی لیاقت اور خوش تدبیری پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی، چند ماہ کے اندر اندر انھوں نے مصری مالگذاری کی مقدار اس سے کافی بڑھا دی جتنی عمرو بن عاص نے وصول کی تھی، سال چھ ماہ بعد عمر فاروقؓ کا انتقال ہونے پر عثمان غنیؓ نے خلافت کا چارج لیا تو عبداللہ بن سعدؓ اپنے عہدہ پر موجود تھے اور اچھا کام کر رہے تھے، عمرو بن عاص نے عثمان غنیؓ سے درخواست کی کہ مالیات کا شعبہ مجھے دے دیجئے تو انہوں نے کہا: تمہارے انتظام میں مالگذاری کم تھی، عبداللہ زیادہ وصول کر رہے ہیں، ان کے خلاف کوئی شکایت بھی نہیں، اس لئے ان کو کیوں الگ کیا جائے، عمرو بگڑ گئے اور احتجاجاً استعفا دے دیا، عثمان غنیؓ نے مناسب سمجھا کہ مصر کی گورنری عبداللہ بن سعد کو سونپ دیں کیونکہ وہ مصر کے حالات و معاملات سے اچھی طرح متعارف ہو چکے تھے، عبداللہ نے گورنر ہو کر کار ہائے نمایاں

انجام دیئے، مالیات کی اصلاح کے ساتھ انہوں نے لیبیا، تونس اور الجزائر تک اسلامی قلمرو کا دائرہ وسیع کر دیا۔ کتاب الوُلاۃ والقُضاۃ کا مؤلف کِندی ان کے بارے میں لکھتا ہے:

ومکث عبد اللہ بن سعد بن ابی سَرح أمیراً علی مصر ولایۃ عثمان کلہا محموداً فی ولایتہ وغزا ثلاث غزوات کلہا لہا شأن وذکر، فغزا إفریقیۃ فبلغ سہم الفارس ثلاثۃ آلاف دینار ثم غزا غزوۃ الأساورۃ سنۃ ۳۱ھ ثم غزا الصَّواری سنۃ ۳۴ھ.....[۱]

یہ عبداللہ بن سعد ہی تھے جنھوں نے ایک بڑے بازنطینی بیڑے کو جس کا مقصد شام اور مصر کو عربوں سے واگذار کرانا تھا شکست فاش دی اور شرقی و وسطی بحرِ متوسط پر عربی تسلط قائم کیا لیکن چونکہ اتفاق سے وہ عثمان غنیؓ کے رشتہ دار تھے اور تسلط مخالف پارٹیوں کا اڈا، اس لئے ان کی ساری خدمات نسیاً منسیاً کر دی گئیں اور یہ مشہور کیا گیا کہ وہ نااہل اور ستم کیش ہیں جن کو عثمان غنیؓ نے قرابت کی وجہ سے مسلمانوں پر مسلط کر دیا ہے۔

ابوموسیٰ اشعری کی برطرفی کے بعد عثمان غنیؓ نے اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر بن کُرَیز کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا، شاکی وفد کی خواہش تھی کہ کوئی جوان باہمت اور ہمدرد آدمی ان کا گورنر ہو، یہ صفات عبداللہ میں موجود تھے، ان کی عمر پچیس سال کی تھی اور ابھرنے اور کارہائے نمایاں انجام دینے کے شوق سے دل معمور تھا ان کا شمار قریش کے بڑے خطیبوں اور اجوادمیں ہوتا ہے، یہ پہلے گورنر تھے جن کا انتخاب عثمانؓ غنی نے اپنے اعزا میں سے خود کیا تھا، جہاں تک ہمیں معلوم ہے عبداللہ کو پہلے کوئی سرکاری عہدہ نہیں ملا تھا، وہ تجارت اور کاروبار میں لگے ہوئے تھے، نوعمری

---

[۱] الولاۃ والقضاۃ ایڈیٹر رَن گَسٹ، بیروت ۱۹۰۸ء، ص ۱۲۔

کے باوجود ابن عامر کامیاب حاکم تھے، انہوں نے فتوحات بھی کئے اور تعمیری کام بھی، ان کی کامیابی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بصرہ میں مخالف پارٹیوں کا زور کم تھا اور وہ یکسوئی کے ساتھ تعمیری کام کرنے پر قادر ہو سکے، انہوں نے فارس اور خراسان میں جو بغاوتوں کا اکھاڑہ بنے ہوئے تھے عربی اقتدار کے قدم جما دیئے اور نئے نئے علاقے فتح کئے، انہوں نے بصرہ میں کئی اہم نہریں نکلوائیں، مہمان خانے بنوائے، مکہ-بصرہ شاہراہ پر سرائیں، کنوئیں اور بازار بنوائے، ان کے تعمیری کاموں کی فہرست کافی لمبی ہے، مصنف کتاب المعارف لکھتا ہے:-

إفتتح عامة فارس وخراسان وسجستان وكابل واتخذ النباج وغرس فيها حتى تدعى نباج ابن عامر واتخذ القريتين وغرس بها نخلا وأنبط عيونا تعرف بعيون ابن عامر بينها وبين النباج ليلة على طريق مكة وحفر الحفير ثم حفر السمينة واتخذ بقرب قباء قصرا وجعل فيه زنجا ليعملوا فيه فماتوا فتركه، واتخذ بعرفات حياضا ونخلا واحتفر بالبصرة نهرين أحدهما في السوق والآخر الذي يعرف بأم عبد الله بالبصرة ونهر الأبلة وكان يقول لو تركت لخرجت امرأة في حداجتها على دابتها ترد كل يوم على ماء وسوق حتى توافي مكة[1]

فارس، خراسان اور سجستان (افغانستان) کا بیشتر حصہ نیز کابل فتح کیا، نباج[2] نامی کارواں اسٹیشن بنوایا اور وہاں نخلستان لگوائے جس کی وجہ سے اس کا نام ہی نباج ابن عامر پڑ گیا، قریتین[3] کا کارواں اسٹیشن بنوایا اور

---

[1] کتاب المعارف ابن قتیبہ مصر ص۱۴۲، نسب قریش مصعب زبیری اڈیٹر لیوی پروونساں مصر ص۱۴۸ پر بھی ابن عامر کے بنوائے متعدد حوضوں اور نہروں کا ذکر ہے، اس ذکر کے آخر میں یہ الفاظ ہیں وله آثار فی الارض كثيرة۔ [2] مکہ کی شاہراہ پر بصرہ کے لگ بھگ تین سو میل پر ایک کارواں اسٹیشن، معجم البلدان ۸/۲۴۲۔ [3] نباج کے قریب دو گاؤں جو ابن عامر نے بسائے اور جہاں باغ لگوائے اور قدرتی چشمے نکلوائے۔

وہاں نخلستان لگوائے، نیز چشمے نکلوائے جو عیون ابن عامر کے نام سے مشہور ہیں، قرینین اور نباج کے درمیان بصرہ۔ مکہ شاہراہ پر ایک رات کی مسافت (تقریباً بائیس میل) ہے۔ ابن عامر نے جُحَیفر[1] اور سمینہ[2] (صحیح سُمَینہ) کے کنوئیں کھدوائے اور قُبا کے قریب حبشی غلاموں سے ایک محل بنوانا شروع کیا لیکن وہ مرگئے تو تعمیر بند کرادی، عرفات مکہ میں حوض بنوائے شہر بصرہ میں دو نہریں نکلوائیں۔ ایک بازار میں اور دوسری جس کا نام نہر اُم عبداللہ (ابن عامر) پڑا، ایک تیسری لمبی نہر (بندرگاہ) اُبُلّہ (دہانہ دجلہ۔ فرات) سے نکلوائی۔ ابن عامر کہا کرتے تھے: "اگر مجھے عہدہ سے ہٹایا نہ گیا تو میں اتنے بڑے پیمانہ پر تعمیری کام کراؤں گا کہ بصرہ سے مکہ جانے والی عورت کو ہر دن راستہ میں ایک نیا بازار اور کنواں ملے گا۔"[3]

تیسرے اور آخری رشتہ دار جن کو عثمان غنیؓ نے گورنر کا عہدہ دیا سعید بن عاص تھے، رسول اللہؐ کے انتقال کے وقت ان کی عمر نو سال تھی، ابوبکر صدیقؓ کی موت کے وقت گیارہ سال اور عمر فاروقؓ کی وفات کے وقت کوئی اکیس سال کے تھے، کم عمری کی وجہ سے ان تینوں کے عہد میں ابن عامر کی طرح ان کو بھی کوئی عہدہ نہ مل سکا، قریش کے ایک بڑے خاندان سے اس کا تعلق تھا، کہا جاتا ہے کہ ایک عورت رسول اللہؐ کے پاس ایک چادر لے کر آئی اور کہا: میں اس کو اکرم العرب کی خدمت میں پیش کرنا چاہتی ہوں۔" رسول اللہؐ نے کہا: "سعید کو دے دو، یہی اکرم العرب ہیں۔"[4] فراخ دل، لائق اور پڑھے لکھے آدمی تھے، ابن عامر کی طرح ان کا شمار بھی قریش کے اجواد اور خطیبوں میں ہوتا ہے، جاحظ لکھتا ہے: "کان من الخطباء المُبَرّزین لم یُوجد لکتحبیرۃ تحبیر ولا کارتجالہ ارتجال"[5]۔ عثمان غنی نے قرآن کی کتابت اور تدوین کے لئے جو کمیٹی مقرر کی تھی اس میں

---

[1] جُحَیفر بروزن زُبیر، بصرہ کے قریب مکہ کی راہ پر ایک منزل جہاں ابن عامر نے مسافروں کیلئے کنوئیں اور بازار بنوائے تھے۔ [2] سُمَینہ بروزن جُہینہ بتقدیم الیاء علی النون، نباج کے بعد بہ سمت بصرہ پہلا کارواں اسٹیشن جہاں ابن عامر نے پانی اور خورد و نوش کا انتظام کیا تھا معجم البلدان ۳/۱۲۹۔ [3] اصابہ ۲/۴۲۳۔ [4] محبر ابن حبیب بغدادی صفحہ ۱۰۔ [5] رسائل الجاحظ (مفصل ہاشم علی عبدالشمس) مصر صفحہ ۹۶

زبان اور محاورہ کی نگرانی سعید بن عاص کے سپرد کی تھی، عمر فاروقؓ کے عہد میں کئی برس گورنرِ شام امیر معاویہ کی صحبت میں رہ کر آئینِ جہاں بانی کی تربیت حاصل کی تھی، ان کی شرافت، لیاقت اور سخاوت دیکھ کر عثمان غنیؓ نے اپنی لڑکی ام عمرو کا ان سے عقد کر دیا اور ۲۹ھ میں ولید بن عقبہ الگ کئے گئے تو ان کی جگہ سعید کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا، گورنر ہو کر انہوں نے کئی اہم فتوحات حاصل کیں اور دور رس مالی اصلاحات نافذ کے لیکن مخالف پارٹیوں نے ان کو چین نہ لینے دیا اور الزامات واتہامات کا نشانہ بنا کر تین چار سال بعد زبردستی ان کو کوفہ سے نکال دیا، باصلاحیت آدمی تو تھے، ہی چند سال بعد جب امیر معاویہ خلیفہ ہوئے تو ان کی پھر مانگ ہوئی اور عرصہ تک گورنری کے عہدہ پر فائز رہے۔

یہ صحیح ہے کہ یہ تینوں رشتہ دار جن کا اوپر ذکر ہوا نو مسلم اور نسبتہً کم عمر تھے لیکن یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جس پر اعتراض کیا جاتا کیونکہ خود رسول اللہؐ نو عمروں اور نو مسلموں کو عہدے دیا کرتے تھے اور ان کو پرانے صحابہ کا لیڈر، کمانڈر اور امام بناتے تھے، یہی حال ابو بکر صدیقؓ اور ان کے جانشین عمر فاروقؓ کا بھی تھا، یہاں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:۔

(۱) رسول اللہؐ نے ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد ایک اموی جوان عتاب بن اُسید (بروزن حمید) کو جن کی عمر بائیس سال سے زیادہ نہ تھی، مکہ کا گورنر مقرر کیا۔

(۲) رسول اللہؐ نے خالد بن ولید کو جو ۸ھ میں مسلمان ہوئے تھے فوجوں کی قیادت عطا کی اور سینئر صحابہ کا لیڈر اور امام بنایا۔

(۳) رسول اللہؐ نے اموی جوان عمرو بن عاص کو جو نو مسلم تھے ایک فوج کا کمانڈر مقرر کیا اور سن رسیدہ نیز پرانے صحابہ پر ان کو قائد اور امام مقرر کیا۔

(۴) رسول اللہؐ نے اپنے مولی اُسامہ بن زید کو جن کی عمر اٹھارہ انیس سال سے زیادہ نہ تھی شرقِ اُردن کی مہم کا کمانڈر انچیف مقرر کیا اور صفِ اول کے صحابہ جیسے

ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، طلحہؓ، اور زبیرؓ کو ان کی قیادت میں لڑنے کا حکم دیا۔

(۱) ابوبکر صدیقؓ نے خالد بن ولید کی کمان میں باغیوں کے خلاف ایک فوج بھیجی جس میں بہت سے بدری اور اُحدی صحابی موجود تھے اور خالد ان سب کے لیڈر اور امام تھے۔

(۲) ابوبکر صدیقؓ نے ابوجہل کے نو مسلم اور نسبتہً کم عمر لڑکے عکرمہ کی قیادت میں باغیوں کی سرکوبی کو ایک فوج بھیجی، اس میں بھی بہت سے صحابی موجود تھے۔

(۳) ابوبکر صدیقؓ نے نو مسلم اموی جوان یزید بن ابی سفیان کو بدری اور اُحدی صحابہ کا کمانڈر بنا کر شام کے مورچہ پر بھیجا۔

(۴) ابوبکر صدیقؓ نے خادمِ رسول اللہؐ انس بن مالک کو بحرین میں زکوٰۃ کلکٹر مقرر کیا حالانکہ ان کی عمر اکیس سال سے زیادہ نہ تھی[۱]۔

(۱) عمر فاروقؓ نے نو مسلم اُموی جوان معاویہ بن ابی سفیان کو شام کی افواج کا سپہ سالار مقرر کیا جس میں سینیئر صحابہ کی کافی بڑی تعداد تھی۔

(۲) عمر فاروقؓ نے چونتیس سالہ سعد بن ابی وقاص کو ایک بڑی فوج کا کمانڈر انچیف بنایا جس میں بہت سے سن رسیدہ اور ممتاز بدری نیز اُحدی صحابہ موجود تھے۔

(۳) عمر فاروقؓ نے ابوسفیان کے دوسرے نو مسلم اور نو عمر لڑکے عُتبہ کو قبائل کنانہ میں زکوٰۃ کلکٹر مقرر کیا تھا[۲]۔

رسول اللہؐ اور شیخین عہدہ دیتے وقت کسی شخص کی عمر اور قدامتِ اسلام کا اتنا خیال نہیں کرتے تھے جتنا اس کی مستعدی، صلاحیت اور سمجھ بوجھ کا۔

اس بحث کو ہم یہ بتا کر ختم کرتے ہیں کہ عثمان غنیؓ نے اپنے بعض رشتہ داروں کو کیوں عہدے دیئے اور اس سلسلہ میں ان کی دلیل کیا تھی، ان کی پہلی دلیل یہ تھی کہ وہ

---

[۱] تاریخ ابن عساکر شام ۳/۱۴۷ و اصابہ ۱/۷۲۔ [۲] تاریخ الامم ۵/۲۹۔

لائق کار گذار اور مستعد ہیں، ان کی دوسری دلیل یہ تھی کہ رسول اللہؐ نے بھی اپنے رشتہ داروں کو عہدے دیئے تھے، مثلاً انہوں نے اپنے داماد اور چچازاد بھائی علی بن ابی طالبؓ کو ۱۰ھ میں یمن کا متولی اخماس اور قاضی بنا کر بھیجا تھا اور اسی سال اپنے خسر ابو سفیان بن حرب کو نجران اور ابو سفیان کے لڑکے یزید کو تیما، کا والی مقرر کیا تھا، پھر اوائل ۱۱ھ میں اپنے سالے مہاجر بن ابی امیہؓ کو صنعاء کی گورنری تفویض کی تھی، یہاں یہ بتا دینا بھی فائدہ سے خالی نہ ہو گا کہ عمر فاروقؓ نے اپنے بہنوئی صحابی قدامہ بن مظعون کو بحرین کی گورنری عطا کی تھی[۱] عثمان غنیؓ کی تیسری دلیل یہ تھی کہ چونکہ مدینہ، کوفہ اور فسطاط میں میرے خلاف پارٹیاں بن گئی ہیں جو قول و فعل دونوں سے میری کاٹ کرتی ہیں اور مجھے نقصان پہنچانے کے درپے ہیں اور چونکہ میں بڑے صحابہ کے تعاون سے محروم ہو گیا ہوں میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ان مخالف پارٹیوں کے باہر سے اہم ترین عہدوں کے لئے ایسے افسروں کا انتخاب کروں جن کی وفاداری پر میرا اعتماد ہو اور جن پر میں اعتماد کر سکوں چنانچہ ان عہدوں کے لئے اپنے اقارب میں سے مجھے جو اہل نظر آیا اس کا میں نے انتخاب کر لیا۔

علی بن ابی طالبؓ عثمان غنیؓ کے سخت ترین ناقدوں میں تھے، عثمان غنیؓ کا اپنے بعض رشتہ داروں کو گورنری دینا خاص طور پر ان کو ناگوار تھا اور اس کا بہت چرچا کرتے تھے لیکن شاید قارئین یہ سن کر حیران ہوں کہ جب وہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اہم ترین صوبوں پر اپنے اقارب ہی کو گورنر مقرر کیا، مکہ پر قثمؓ بن عباس کو، یمن پر عبید اللہ بن عباس کو اور بصرہ پر عبد اللہ بن عباس کو۔

(۱۲) ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے اپنے داماد مروان کو خمس افریقہ عطا کیا حالانکہ وہ مسلمانوں کا حق تھا۔

---

[۱] اصابہ ۳ / ۲۲۰

خمسِ افریقہ کا مشہور اور ہمارے خیال میں زیادہ مستند قصہ یہ ہے کہ ۲۷ھ میں عثمان غنیؓ کی ترغیب پر گورنر مصر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے شمالی افریقہ (موجودہ تونس و الجیریا) پر جو بازنطینی حکومت کے ماتحت تھا فوج کشی کی، فوج میں ایک تازہ ڈویژن مدینہ کا تھا جس میں صحابہ کے علاوہ ان کے جوان لڑکوں کی بھی کافی تعداد تھی یہ مہم خاصی ممتد ہوگئی اور کافی دقت کے بعد عرب فیحاب ہوئے، اس لڑائی میں عثمان غنیؓ کے داماد مروان بھی موجود تھے، مالِ غنیمت کے پانچ حصوں میں سے چار فوج نے آپس میں بانٹ لئے اور پانچواں حصہ حسب قاعدہ مرکز یعنی مدینہ کے لئے الگ کردیا گیا۔ خمس میں پچیس لاکھ روپے (پانچ لاکھ دینار) کا سونا چاندی تھا، اس کے علاوہ سامان اور مویشی بھی تھے، سامان اور مویشیوں کا کئی ہزار میل دور مدینہ بھیجنے میں دقت نظر آئی اس لئے اس کا نیلام کردیا گیا جو مروان نے ایک لاکھ درہم یا پچاس ہزار روپے میں خرید لیا، اس رقم کا بیشتر حصہ انہوں نے نقد ادا کردیا اور جو کسر رہ گئی اس کو مدینہ جاکر ادا کرنے کا وعدہ کرلیا، سپہ سالار نے خمس مروان کی تحویل میں دیا اور تاکید کی کہ جلد از جلد جاکر خلیفہ کو فتح کا مژدہ سنائیں اور کسر پوری کرکے خمس خزانہ میں جمع کردیں، مدینہ کے باشندے اپنے لڑکوں اور عزیزوں کی طرف سے بڑے متفکر تھے، اور ان کی خیریت کے بے چینی سے منتظر، مروان نے آکر فتح اور خیریت کا مژدہ سنایا تو سارے شہر میں مسرت کی لہر دوڑ گئی، عثمان غنیؓ نے خوش ہوکر وہ رقم معاف کردی جو مروان کے ذمہ رہ گئی تھی اور ایک قول یہ ہے کہ مروان کی درخواست پر عثمان غنی نے ایسا کیا تھا[1]۔

آپ نے دیکھا بات کیا تھی اور مشہور کس طرح کی گئی، معاملہ شاید دس پندرہ ہزار یا اس سے بھی کم کا تھا لیکن پروپیگنڈے نے اس کو یہ رنگ دیا کہ خلیفہ نے اپنے داماد کو خمس افریقہ عطا کیا ہے جو پچیس لاکھ روپے سے زیادہ پر مشتمل تھا۔

---

[1] تاریخ الخمیس دیار بکری ۲/۲۶۰ و تاریخ یعقوبی نجف ۲/۱۲۱ و انساب الاشراف ۵/۲۵۔

رہا یہ سوال کہ عثمان غنیؓ نے موہوبہ رقم اپنے پاس سے خزانہ میں داخل کی یا نہیں تو ہم اس کا کوئی تحقیقی جواب نہیں دے سکتے البتہ اس بات کا غالب قرینہ ہے کہ انہوں رقم ادا کر دی ہوگی کیونکہ اول تو مدینہ اور مدینہ کے باہر کے حکومت دشمن ماحول کا تقاضہ کہ عثمان غنیؓ احتیاط سے کام لیتے اور اپنے مخالفوں اور نکتہ چینوں کو پروپیگنڈے بازی اور اشتعال انگیزی کا موقع نہ دیتے دوسرے وہ اتنے دولتمند اور فراخ دست تھے کہ ان کے لئے دس بیس ہزار روپے ادا کرنا مطلق دشوار نہ تھا، بوقتِ وفات ان کی دولت کا اندازہ علی اقل التقدیر بارہ لاکھ پچاس ہزار روپے اور علی اکثر التقدیر ایک کے وڑ ساٹھ لاکھ روپئے کیا گیا ہے، اس کے علاوہ ان کے پاس ہزار اونٹ تھے، دس لاکھ کی جائداد جو انہوں نے عزیز واقارب میں بانٹ دی تھی، دس ہزار روپے سے مسجد نبوی کی تجدید کرائی اور صرف کثیر سے دار الامارہ بنوایا، اس لئے یہ بات بخوبی سمجھ میں آتی ہے کہ انہوں نے موہوبہ رقم ضرور ادا کر دی ہوگی اور اگر مان لیا جائے کہ انہوں نے رقم ادا نہیں کی تب بھی ان کے اس فعل کو بدعت قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اس نوع کی نظیریں رسول اللہ اور شیخین کے عہد میں موجود تھیں، ہم یہاں صرف دو کا ذکر کرتے ہیں:- ابو بکر صدیقؓ نے نو عمر انسؓ بن مالک کو بحرین کا زکوٰۃ کلکٹر مقرر کر کے بھیجا تھا، وہ جب زکوٰۃ لے کر لوٹے تو ابو بکر صدیقؓ کا انتقال ہو چکا تھا اور عمر فاروقؓ خلیفہ تھے، وہ پہلے سے انسؓ کے قدرداں تھے اور جب ابو بکر صدیقؓ نے ان کو بحرین بھیجنے کا ارادہ ظاہر کیا تو عمر فاروقؓ نے اس کی تائید ان الفاظ میں کی تھی: "ابعثه فانه لبیب کاتب"۔ انسؓ نے زکوٰۃ بھیجی کی جو اونٹوں اور دو ہزار روپئے (چار ہزار درہم) پر مشتمل تھی، عمر فاروقؓ نے اونٹ لے لئے اور روپئے انسؓ کو ہبہ کر دیئے۔[۱]

اسلام سے پہلے ابو بکر صدیقؓ کے بڑے صاحبزادے عبدالرحمٰن بسلسلۂ تجارت

---

[۱] تاریخ ابن عساکر ۱۴۷/۳ - ۱۴۸ و اصابہ ۱/۷۲ -

شام گئے تو دمشق کے غسانی رئیس جُودِی کی حسین لڑکی لیلیٰ کی جھلک دیکھ کر اس کی محبت میں گرفتار ہو گئے، شام سے لوٹے تو نیم بسمل تھے، ان کے دل کی بے کلی بیحد بڑھ گئی اور شعر بن کر زبان پر آنے لگی، ان کی حالت دیکھ کر عزیز و اقارب کو ترس آیا لیکن لیلیٰ کا حصول کس کے بس کی بات تھا، عمر فاروقؓ کے اولین ایام خلافت میں دمشق فتح ہوا اور جُودی کی لڑکی لیلیٰ قیدی بن کر خمس میں آئی تو عمر فاروقؓ نے اس کو عبدالرحمٰن کے حوالہ کر دیا۔[۵] آخر میں ہم خمس افریقہ کی بحث کو ایک مشہور معتزلی ابو علی جُبائی کی رائے پر ختم کرتے ہیں: اِن ما روی من دفعہ خمس افریقیۃ لما فتحت اِلی مروان فلیس بمحفوظ ولا منقول علی وجہ یجب قبولہ و اِنما یرویہ من یقصد التشنیع۔[۶]

(۱۳) ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے اپنے ان تین دامادوں کو خزانہ سے پچاس ہزار روپے کا عطیہ دیا۔

(۱) مروان بن حکم شوہر اُم ابان بنت عثمان غنیؓ۔

(۲) مروان کے بھائی حارث بن حکم شوہر عائشہ بنت عثمان غنیؓ۔

(۳) سعید بن عاص گورنر کوفہ (از ۲۹ھ تا ۳۴ھ) شوہر ام عمرو بنت عثمانؓ۔

قاضی ملک حسین دیار بکری اس اعتراض کو الزام قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عثمان غنیؓ نے یہ رقم اپنے پاس سے لڑکیوں کے جہیز پر صرف کی تھی، وہ اتنے مالدار اور مرفہ الحال تھے کہ ان کو سرکاری روپیہ لینے کی ضرورت نہ تھی۔[۷]

معتزلی عالم ابو علی جُبائی نے بھی اس اعتراض کو غلط قرار دیا ہے "یہ جو کہا جاتا ہے کہ عثمان غنیؓ نے اپنے تینوں اُموی دامادوں کو پانچ پانچ لاکھ روپے (ایک ایک لاکھ دینار) عطا کئے تو یہ ان کا ذاتی روپیہ تھا اور یہ روایت صحیح نہیں کہ انہوں نے روپیہ خزانہ سے دیا اور اگر صحیح بھی ہو تو یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ عثمان غنیؓ نے مزعومہ رقم واپس نہیں کی،

---

[۵] تاریخ الخمیس ۲/۲۶۸۔

حاکم کے لئے وقتِ ضرورت ایسا کرنا جائز ہے کہ خزانہ سے وہ پیسے لے اور بعد میں لوٹا دے جس طرح اس کو اس بات کا حق ہے کہ خزانہ سے دوسرے کو قرض دے دے۔[1]

(۱۴) ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے حارث بن حکم کو بازار مدینہ سے عُشر ٹیکس وصول کرنے کی اجازت دی یعنی حارث کو جو ان کے چچازاد بھائی اور داماد تھے اس بات کا اختیار دیا کہ جتنا سامانِ تجارت شہر میں آئے اس سے دسواں حصہ بطور ٹیکس وصول کر کے اپنی جیب میں رکھا کریں بالفاظ دیگر بازار سے ٹیکس وصول کرنے کا اجارہ دے دیا، قاضی دیار بکری اس اعتراض کی تردید کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

إنما جعل (عثمان) إليه (الحارث) سوق المدينة ليرعى امر المثاقيل والموازين فتسلط يومين أو ثلاثة على باعة النوى واشتراه لنفسه فلما رفع ذلك إلى عثمان أنكر عليه وعزله۔[2]

صحیح بات یہ ہے کہ عثمان غنیؓ نے حارث کو بازار کا محتسب بنایا تھا، ان کی ڈیوٹی یہ تھی کہ بازار کے باٹوں، پیمانوں اور سکوں کی نگرانی کریں (اور تاجرانہ بدعنوانیاں نہ ہونے دیں) دو یا تین دن انہوں نے صرافوں کو مجبور کیا کہ سونا صرف ان کے ہاتھ بیچیں اس کی شکایت عثمان غنیؓ سے کی گئی، تو انہوں نے حارث کو پھٹکارا اور محتسب کے منصب سے معزول کر دیا، مخالفوں نے پروپیگنڈے کی مشین میں ڈال کر واقعہ کی شکل وہیئت بالکل بدل ڈالی۔

(۱۵) ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے سرکاری روپے سے متولی خزانہ زید بن ثابت کو پچاس ہزار روپے کا عطیہ دیا۔[3]

حقیقت کیا تھی اور مخالفوں نے مسخ کر کے اس کو کس صورت میں پیش کیا یہ معلوم کرنے کے لئے قاضی مکہ حسین دیار بکری کی تحقیق ملاحظہ ہو:۔

---

[1] شرح نہج البلاغۃ ۱/۲۳۳۔ [2] تاریخ الخمیس ۲/۲۶۸۔ [3] انساب الاشراف ۵/۳۸۔

"الصحيح أنه أمر بتفرقة المال على أصحابه ففضل في بيت المال ألف درهم فأمر بانفاقها فيما يراه يصلح للمسلمين فأنفقها زيد على عمارة مسجد النبي صلى الله عليه وسلم بعد ما زاد عثمان في المسجد زيادة"[1] حق بات یہ ہے کہ عثمان غنیؓ نے زید بن ثابت کو ہدایت کی کہ (ابو موسیٰ اشعری گورنر بصرہ کے لائے ہوئے) روپے کو مستحقین میں تقسیم کر دیں، تقسیم کے بعد پانچسو روپے بچ گئے تو عثمان غنیؓ نے زید کو حکم دیا کہ ان کو مصالح عامہ کے کسی کام پر خرچ کر دیں، زید نے یہ رقم مسجد نبوی کی نوک پلک درست کرنے پر صرف کر دی جس کی حال ہی میں توسیع و تجدید ہوئی تھی"۔

۷۷ ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنی نے اپنے چوتھے داماد عبداللہ بن خالد بن اُسید (بروزن حمید) کو سرکاری روپے سے ڈیڑھ لاکھ روپے کا عطیہ دیا۔

عبداللہ کو عثمان غنیؓ کی لڑکی منسوب تھیں، قاضی مکہ دیار بکری کہتے ہیں کہ عثمان غنیؓ نے یہ رقم خزانے سے قرض لے کر دی تھی اور بعد میں ادا کر دی تھی۔

"وأما ما ذكروه من صلة عبد الله بن خالد بن أسيد بثلاثمائة ألف درهم فأن اهل مصر عابوه على ذلك لما حاصروه فأجابهم بانه استقرض له ذلك من بيت المال وكان يحتسب لبيت المال ذلك من مال نفسه حتى وفاه"[2]

اس موضوع پر دوسری رپورٹ یہ ہے کہ عثمان غنیؓ نے مروان کو ساڑھے سات ہزار روپے اور عبداللہ بن خالد بن اُسید کو پچیس ہزار روپے خزانے سے دلوائے تھے اس پر بڑے صحابہ (اصحاب شوریٰ) نے اعتراض کیا تو عثمان غنیؓ نے یہ دونوں رقمیں خزانہ میں جمع کرا دیں[3]

---

[1] تاریخ الخمیس ۲/۲۶۸۔ [2] ایضاً ۲/۲۶۷-۲۶۸۔ [3] تاریخ الامم ۵/۱۰۱۔

۱۷۔ ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے بہت سی جاگیریں دیں۔

یہ اعتراض بے معنی اور محض پروپیگنڈے بازی پر مبنی ہے کیونکہ رسول اللہؐ، ابوبکر صدیق اور عمر فاروقؓ سب نے جاگیریں دی تھیں اور رسول اللہؐ نے سب سے زیادہ، یہاں ہم صرف چند کے ذکر پر اکتفا کریں گے، حجاز و نجار سے نکلے ہوئے یہودیوں کی کئی بستیاں خالصہ ہو گئی تھیں یعنی بغیر جنگ کے حاصل ہوئی تھیں اور اس لئے کلیتہً رسول اللہؐ کے ملک میں آ گئی تھیں، ان بستیوں سے رسول اللہؐ ضرورتمند افراد اور اپنے عزیز و اقارب کو جاگیریں دیا کرتے تھے، مثلاً یہ چار جاگیریں انہوں نے اپنے داماد علی حیدرؓ کو عطا کی تھیں:۔

فُقَیْرِ بن، بئر قیس اور شجرۃ[1] اپنے خسر ابوبکر صدیق کو بنونضیر اور خیبر کی اراضی سے ایک ایک جاگیر[1] اور دوسرے خسر عمر فاروقؓ کو مدینہ کے باہر اور خیبر میں ایک ایک جاگیر دی تھی، دو جاگیریں زبیر بن عوام کو عطا کی تھیں اور ایک عبدالرحمن بن عوف کو[2]۔ یہی نہیں رسول اللہؐ نے متعدد جاگیریں ایسے علاقوں میں بھی عطا کیں جو ہنوز فتح نہیں ہوئے تھے جیسے شام کا مقدس گاؤں بیت لحم جس کی فرمائش تمیم داری نے کی تھی۔

ابوبکر صدیق نے اور لوگوں کے علاوہ ایک جاگیر اپنے داماد زبیر بن عوام اور دوسری جاگیر دوسرے داماد طلحہ بن عبید اللہ کو عطا کی تھی[3]۔

عمر فاروقؓ نے دیگر افراد کے علاوہ ینبع کا سرسبز نخلستان اپنے داماد علی بن ابی طالب کو اور ایک جاگیر زبیر بن عوام کو دی تھی[4]۔

جہاں تک ہمیں معلوم ہے عثمان غنیؓ نے ان چھ افراد کو جاگیریں دیا: عثمان بن

---

[1] کتاب الاموال ابو عبیدہ قاسم بن سلام ص ۲۷۴ و کتاب الام امام شافعی مصر ۳/۲۶۹ و فتوح البلدان ص ۲۲، ۱۵۲

[2] فتوح البلدان ص ۱۹ و کتاب الاموال ص ۲۷۰۔ [3] فتوح البلدان ص ۱۹ و کتاب الاموال ص ۲۷۰ و کتاب الخراج یحیٰ بن آدم ص ۸۰۔ [4] فتوح البلدان ص ۱۰، ۲۰ و کتاب الام ۳/۲۶۹۔

ابی العاص ثقفی، ان کو بصرہ کے باہر اس مکان کے بدلہ میں جاگیر دی گئی جو عثمان غنیؓ نے مسجد نبویؐ میں ضم کر لیا تھا۔[1] (۲) عبداللہ بن مسعود (۳) عمار بن یاسر یا زبیر بن عوام (۴) خباب بن اَرت (۵) اسامہ بن زید یا سعد بن اَبی وقاص، ان میں زبیر بن عوام کے علاوہ جو سمدھی[2] تھے عثمان غنیؓ کا کوئی رشتہ دار نہ تھا، ان صحابہ کو جاگیر دینے کی رپوٹ قارئین کو یاد رکھنا چاہیئے، مسلّم نہیں ہے، کتاب الخراج یحییٰ بن آدم قرشی کے رپورٹر کہتے ہیں کہ ان صحابہ کو عثمان غنیؓ نے نہیں عمر فاروقؓ نے جاگیریں دی تھیں، قرائن سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔[3]

۱۸۔ ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنی نے متعدد صحابہ کو جلاوطن کیا۔

ان میں، ابوذر غفاری اور اَشتر نخعی کا خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے، ان دونوں کا تعلق حکومت دشمن پارٹیوں سے تھا، اَشتر نخعی کوفہ پارٹی کے ایک سربرآوردہ لیڈر تھے، عثمان غنیؓ نیز ان کے گورنروں کے خلاف اشتعال پھیلایا کرتے تھے، ابوذر علی حیدر کے خاص آدمی تھے، ابوبکر صدیقؓ کا انتخاب ہوا اور اس سے بگڑ کر علی حیدر جب بی بی فاطمہؓ کے ساتھ راتوں کو مہاجرین و انصار کے گھر جا کر اپنے استحقاقِ خلافت اور بیعت کے لئے مہم چلا رہے تھے تو جن چند مہاجر صحابہ نے ان کی عملاً بیعت کر لی تھی۔ ان میں ابوذر اور عمار بن یاسر سب سے زیادہ ممتاز ہیں، یہ دونوں علی حیدر کی خلافت کے لئے جہاد تک کرنے کو تیار تھے، اس وقت سے ان کی وفاداری کلیتہً اہل بیت کے ساتھ وابستہ ہو گئی تھی، عثمان غنی خلیفہ ہوئے تو ان کی کاٹ اور ان کے حکام پر نکتہ چینی اور ان کے خلاف اشتعال انگیزی ان کا مقصد بن گئے، قاضی دیار بکری! کان أبو ذر یتجاسر علی عثمان ویجیبه بالکلام الخشن ویغسل علیه ویثیر الفتنة وکان یؤدی ذلك التجاسر إلی ذهاب هیبته وتقلیل حرمته[4]

---

[1] معجم البلدان ۵/۶۵، ۲۶۶/۲۔ [2] محبر ابن حبیب بغدادی ص۹۔ [3] کتاب الخراج مصر ص۶۰۔

[4] تاریخ الخمیس ۲۶۹/۲۔ اس سلسلہ میں مزید دیکھئے تاریخ یعقوبی نجف ۱۴۸/۲۔

ابو ذر اور اشتر نخعی دونوں کی سرگرمیوں کا مختصر ذکر ہم خطبہ ۳۰ اور ۴۳ کے مقدمہ میں کر چکے ہیں، زیادہ تفصیل کے لیے قارئین شرح نہج البلاغہ، فتوح ابن اعثم کوفی، تاریخ یعقوبی اور تاریخ الامم طبری کی طرف رجوع کر سکتے ہیں، یہاں ہمیں یہ بتانا ہے کہ عثمان غنیؓ نے ابو ذر یا چند دوسرے افراد کو جلا وطنی کی جو سزا دی وہ جائز اور مناسب تھی، کوئی حکومت باغیانہ سرگرمیوں پر خاموش نہیں بیٹھا کرتی اور نہ ایسے کرتوتوں پر چشم پوشی کرتی ہے جن سے امن عامہ میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو یا جو معاشرہ کا اخلاقی مزاج بگاڑتی ہوں، اسی طرح کسی حاکم سے یہ توقع کرنا بھی بیجا ہے کہ شوریدہ سر اور انانیت یا عصبیت سے سرشار افراد برملا اس کی توہین کریں اور اس کے ساتھ گستاخی سے پیش آئیں اور وہ ان کو سزا نہ دے، رسول اللہؐ نے وجیہہ قریش حکم بن عاص کو ایک بے ہودگی پر جس کا تعلق حکومت یا مفاد عامہ سے نہ تھا بلکہ خود ان کی ذات سے تھا جلا وطن کر دیا تھا، عمر فاروقؓ نے معمولی ہجو پر قید کر دیتے تھے، مدینہ میں ایک حسین نصر بن حجاج تھا، اس کی صورت اور زلفوں نے بہت سی عورتوں کو مسحور کر لیا تھا حتیٰ کہ رات میں اس کی محبت کا ترانہ ایک عورت کی زبان سے سنا گیا، عمر فاروقؓ نے اس کی زلفیں کٹوا دیں اور جب اس سے بھی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا تو اس کو بصرہ جلا وطن کر دیا وہاں بھی اس کے حسن کا جادو نہ رکا تو اس کو فارس بھیج دیا گیا، ایک عرب قرآن کے مشکل اور متشابہ آیات کی تفسیر پوچھنے بصرہ سے مدینہ آیا اور صحابہ کا پیچھا کرنے لگا، عمر فاروقؓ نے اس کے دُرے لگوائے، اس کو قید میں ڈالا، اس کی تنخواہ بند کر دی اور اس کا سوشل بائیکاٹ کرا دیا۔

۱۹۔ ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے عمار بن یاسر کو مارا۔

ابو ذر غفاری کی طرح عمار بن یاسر بھی علی حیدر کے خاص آدمی تھے، علی حیدر کی حمایت اور عثمان غنیؓ کی مخالفت میں ان کا رول کمیت اور کیفیت دونوں میں ابو ذر غفاری سے زیادہ تھا کیونکہ اول تو ابو ذر عثمان غنیؓ سے کئی سال پہلے وفات پا گئے اور دوسرے انہوں نے

عثمان غنی کی خلافت کا بیشتر حصہ شام میں گذار ا اور اگرچہ وہاں حکومت دشمن سرگرمیوں میں لگے رہے تاہم مرکز خلافت ایک عرصہ تک ان کی اشتعال انگیزیوں سے محفوظ رہا، اس کے برعکس عمار بن یاسر برابر مدینہ میں اقامت پذیر تھے اور عثمان غنی کے جیتے جی اور مرنے کے بعد بھی ان کی مذمت کرتے رہے، آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ عثمان غنیؓ کا انتخاب ہوا تو انہوں نے گرج کر کہا تھا، بخدا اگر مجھے چند رضا کار مل جائیں تو میں عثمان کا انتخاب کرنے والوں سے جہاد کروں انہوں نے عثمان غنیؓ کو اسلام تک سے خارج کر دیا تھا اور ان کو کافر کہتے تھے، اگر کبھی عثمان غنیؓ سے بات کرتے تو ابو عبداللہ کہہ کر، امیرالمومنین کہہ کر کبھی خطاب نہ کرتے تھے، عثمان غنیؓ ان کی طرف بڑھتے لیکن وہ کھنچتے اور پیچھے ہٹتے، تالیف قلب کی ایک دو مثالیں خط نمبر ۸ میں بیان کی جا چکی ہیں، ایک خبر یہ بھی ہے کہ عثمان غنیؓ نے عمار بن یاسر کو ایک جاگیر دی تھی، بہرحال عمار بن یاسر کے دل میں عثمان غنیؓ کی طرف سے بیحد کدورت تھی اور وہ کبھی عثمان غنیؓ کے روبرو لیکن اکثر پس پشت لعن طعن کیا کرتے تھے، عثمان غنیؓ کا عمار کو خود مارنا ثابت نہیں ہے بعض پوزیر اس کے منکر ہیں اور بعض اس کی توثیق کرتے ہیں، توثیق کرنے والوں کا بیان ہے کہ عمار بن یاسر مقداد بن عمرو، طلحہ بن عبیداللہ، زبیر بن عوام اور دوسرے صحابہ نے جن میں اکثریت علی حیدر کے حامیوں کی تھی عثمان غنیؓ کی مزعومہ بدعنوانیوں کی ایک فہرست مرتب کی اور طے کیا کہ اس کو عثمان غنیؓ کے سامنے پیش کریں اور اگر وہ ان کو دور کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوں تو معزول یا قتل کر دیں، تحریر میں اس دھمکی کی تصریح کر دی گئی تھی، عمار بن یاسر تحریر لے کر عثمان غنی کے دیوان خانے گئے عثمان غنیؓ نے اس کا کچھ حصہ پڑھا اور غصہ ہو کر تحریر پھینک دی، اس کے بعد دونوں میں ناملائم گفتگو ہوئی، عثمان غنیؓ نے نوکروں کو آواز دی اور کہا کہ عمار کو مارو، انہوں نے حکم کی تعمیل کی، خود عثمان غنی نے بھی لاتیں ماریں، عمار بے ہوش ہو گئے۔

منکرین سزا کے مطابق مزعومہ بدعنوانیوں کے بارہ میں گفتگو کرنے سعد بن ابی وقاص اور عمار بن یاسر عثمان غنیؓ کی کوٹھی پر آئے، عثمان غنیؓ اس وقت سرکاری کاموں میں مصروف تھے،

انہوں نے دربان سے کہلا بھیجا کہ آج کل میں بہت مصروف ہوں تاہم انہوں نے ملاقات کے لئے ایک دن اور وقت مقرر کر دیا، سعد چلے گئے لیکن عمار ڈٹے رہے اور دربان سے کہا:

کہہ دو کہ میں اسی وقت ملنا چاہتا ہوں، دربان نے یہ الٹی میٹم پہنچا دیا، عثمان غنیؓ نے پھر کہلا بھیجا کہ میں اس وقت بہت مصروف ہوں، عمار نے برہم ہو کر کہا، کہہ دو مجھے اسی وقت ملنا ہے، انہوں نے کچھ ایسے توہین آمیز کلمے زبان سے نکالے کہ دربان کو غصہ آگیا اور اس نے عمار کو پیٹا، عثمان غنیؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے دربان کو ڈانٹا ڈپٹا۔[1]

قارئین یہ نہ سمجھیں کہ یہ واقعہ اس وقت کی عرب معیشت میں کوئی سنگین یا غیر معمولی سانحہ تھا، عرب مسلمان ضرور ہو گئے تھے لیکن ان کی فطرت نہیں بدلی تھی، ان کی بہت سی عادتیں محسوسات اور سوچنے کے طریقے اب بھی ویسے ہی تھے جیسے اسلام سے پہلے صحابہ میں باہمی اختلاف بھی ہوتا تھا، ردوقدح بھی، ترش باتیں بھی، ان باتوں کی تفصیلات محفوظ نہیں رکھی گئیں اور جن کتابوں میں ان کے تذکرے تھے ان کی طرف سے ایسی بے توجہی برتی گئی کہ وہ ضائع ہو گئیں اور جو بچ گئیں وہ ہنوز روپوش ہیں، جیسے واقدی کی کتاب الشوریٰ یا کتاب السقیفہ، قاضی مکہ زبیر بن بکار کی مُوَفَّقِیَّات یا انساب قریش واخبارہا یا احمد بن عبدالعزیز جوہری کی زیادات کتاب السقیفہ، تاہم ان کتابوں کے جو اقتباسات دوسری اور اس وقت موجود مؤلفات میں نقل کر لئے گئے تھے ان سے یہ پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ صحابہ فرشتے نہ تھے نہ معصوم عن الخطا ہستیاں جیسا کہ بعد میں ان کو پیش کیا گیا بلکہ انسان تھے، خطا و صواب سے مرکب اور بڑی حد تک اپنے روایتی ماحول اور مخصوص فطرت کے تابع، اگر یہ صحیح ہے کہ عثمان غنیؓ نے عمار بن یاسر کو پٹوایا یا خود پیٹا تب بھی اس پر اعتراض کرنا اور اس کو فرد جرم قرار دے کر ان کے خلاف پیش کرنا درست نہیں کیونکہ عمار کا طرز عمل ان کے اور ان کے خاندان کے ساتھ، ان کی خلافت اور اہم عہدے کے ساتھ بے حد نامناسب تھا، ایک حاکم اپنی اور

---

[1] شرح نہج البلاغہ ۱/۲۳۸-۲۳۹، وفتوح ابن اعثم کوفی قلمی ورق ۲۹۱، ۲۹۲۔

اپنے عزیزوں کی توہین، تنقیص، دل آزاری اور اپنے اعمال کی غلط تفسیر و تعبیر کہاں تک برداشت کرسکتا ہے، معتزلی عالم ابو علی جُبائی: یہ ثابت نہیں کہ عثمان غنیؓ نے عمار کو مارا تھا اور اگر ثابت بھی ہو جائے کہ انہوں نے عمار کو اس سنگین قول (تکفیر) کی وجہ سے مارا تب بھی اُن پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا کیونکہ حاکم کو خطاکاروں کی تادیب کا حق ہے:۔ إن ضرب عمار غیر ثابت ولو ثبت أنہ ضرب للقول العظیم الذی کان یقولہ لم یجب أن یکون طعناعلیہ لأن للأمام تأدیب من یستحق التأدیب[1]۔

عمر فاروقؓ کے دُرّے سے کون ناواقف ہے، دسیوں جگہ ہم ان کی تاریخ میں پڑھتے ہیں: وعلاہ بالدرۃ، صحابہ کو وہ ڈلمنشتے، بُرا بھلا کہتے اور مارا بھی کرتے، قاضی مکہ دیار بکری: عمر فاروق نے سعد بن ابی وقاص کے سر پر کوڑا مارا جب ان کی آمد پر سعد بطور احترام کھڑے نہ ہوئے اور کہا: تم نے منصب خلافت کا احترام نہیں کیا اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ تم کو بتادوں کہ منصب خلافت بھی تمہارا احترام نہیں کرتا۔ ضرب عمر سعد بن ابی وقاص بالدرۃ علی رأسہ حین لم یقم لہ وقال: إنک لم تھب الخلافۃ فأردت أن تعرف أن الخلافۃ لا تھابک؛ اسی طرح عمر فاروقؓ نے صحابی اُبَیّ بن کعب کو مارا جب ان کو دیکھا کہ وہ آگے آگے چل رہے ہیں اور باقی لوگ ان کے پیچھے پیچھے، اُبَیّ کے سر پر درہ مار کر عمر فاروقؓ نے کہا: یہ پیچھے چلنے والوں کی توہین ہے اور آگے چلنے والے کی تمکنت اور سبک سری کا موجب۔ وکذلک ضرب أُبَیّ بن کعب حین رآہ یمشی وخلفہ قوم فعلاہ بالدرۃ وقال إن ھذا امذلۃ للتابع وفتنۃ للمتبوع[2]؛ سعد بن ابی وقاص کے بارے میں دوسری رپورٹ یہ ہے کہ عمر فاروقؓ اہل مدینہ میں خمس کا روپیہ بانٹ رہے تھے کہ سعد آئے اور بھیڑ کو چیرتے پھاڑتے اس جگہ پہنچ گئے جہاں عمر فاروقؓ تھے، اس فعل کو عمر فاروقؓ نے بے ادبی پر محمول کیا اور درہ سے ان کی خبر لی اور کہا: تم لوگوں کو چیرتے پھاڑتے گھس پڑے اور سلطان اللہ

---

[1] شرح نہج البلاغۃ ۱/۲۳۸۔ [2] تاریخ الخمیس ۲/۲۷۰۔

وخلیفہ کی حرمت کا تم نے کچھ خیال نہیں کیا، میں تم کو بتانا چاہتا ہوں کہ بے ادبی خلیفہ وسلطان ہے، مجھے تمہارا خیال نہیں کیا۔

۲۰۔ ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے صحابی عبداللہ بن مسعود کو مارا۔

یہ اعتراض بے بنیاد ہے، حق بات یہ ہے کہ عثمان غنیؓ نے ان کو مسجد سے نکالنے کا حکم دیا تھا، ایک شخص نے ان کو اٹھایا اور مسجد کے دروازہ پر لا پٹخا جس سے ان کی پسلیوں میں چوٹ آئی اور ایک قول یہ ہے کہ ایک یا دو پسلیاں ٹوٹ گئیں۔

عبداللہ بن مسعود ۲۱ھ سے کوفہ میں نگران خزانہ اور معلمِ قرآن کے فرائض انجام دے رہے تھے ۲۶ھ یا ۲۷ھ کی بات ہے کہ گورنر ولید بن عُقبہ نے کسی ضرورت کے لئے خزانہ سے روپیہ قرض لیا اور ابنِ مسعود سے وعدہ کیا کہ ایک مقررہ وقت پر واپس کر دیں گے لیکن بعض مجبوریوں کے باعث اپنا وعدہ پورا نہ کر سکے، ابن مسعود بگڑ گئے اور فوری واپسی کا مطالبہ کیا، ولید نے عثمان غنی کو صورتِ حال سے مطلع کیا اور استدعا کی کہ ابنِ مسعود سے کہہ دیجئے کہ مجھے پریشان نہ کریں، روپیہ آنے پر ادا کر دیا جائے گا، عثمان غنی نے ابن مسعود کو لکھ بھیجا کہ روپیہ کے لئے گورنر سے تقاضہ نہ کیا جائے، ابنِ مسعود نے طیش میں آکر خزانہ کی کنجیاں پھینک دیں اور اس کی نگرانی سے استعفا دے دیا، اب تک انہوں نے کوفہ کی حکومت دشمن سرگرمیوں میں کوئی عملی حصہ نہ لیا تھا لیکن اس واقعہ کے بعد وہ بھی عثمان غنیؓ، ولید اور ان کی حکومت کے مخالف ہو گئے، اپنے شاگردوں کے سامنے جن کا حلقہ کافی وسیع تھا عثمان غنیؓ پر نقد کرتے اور جمعہ کے دن تقریر میں بھی خلیفہ پر طنز و تعریض کیا کرتے، گورنر ولید نے ان باتوں پر کئی بار احتجاج کیا لیکن ابن مسعود رکنے کی بجائے اور زیادہ چڑھ گئے، اس زمانہ میں ایک دوسرا واقعہ پیش آیا جس نے ابن مسعود کے جذبات کو بے حد مشتعل کر دیا، بڑے شہروں میں صحابہ درس قرآن دیا کرتے تھے، تدریس کا کام حافظہ سے ہوتا تھا یا ان چند پورے یا ادھورے نسخوں سے جو بعض صحابہ نے قرآن کے بنا لئے

---

[1] تاریخ الامم ۵/۴۷۔

تھے، صحابہ کی یادداشت اور کوشش حفظ ایک پایہ کی نہ تھی، اس لئے کسی کو قرآن صحیح یاد تھا کسی کو غلط صحابہ کے ماخذ بھی مختلف تھے، کسی نے براہ راست رسول اللہ ؐ سے قرآن سیکھا تھا کسی نے رسول اللہ ؐ کے شاگردوں سے، اسی طرح کسی نے رسول اللہ ؐ سے متعدد سورتیں پڑھی تھیں اور کسی نے صرف ایک، آدمی یا تہائی وعلی ہذا، غرض قرآن کی مکتوب اصل نہ ہونے سے قرآن کے الفاظ و قرأت میں کافی فرق پیدا ہو گیا تھا، کبھی ایسا ہوتا کہ جس کو قرآن کا کوئی صحیح لفظ یاد نہ رہتا تو وہ اس کے ہم معنی یا ہم آہنگ دوسرا لفظ اپنی طرف سے لگا دیتا اور حافظہ کی کمزوری کے زیر اثر یا کسی دوسرے نفسیاتی دباؤ میں آکر کسی آیت کے ساتھ نئے جملے یا فقرے بڑھا دیتا تھا، قرأت میں صرفی و نحوی اختلاف بھی ظاہر ہوا، کسی نے ثلاثی مجرد فعل پڑھا، کسی نے ثلاثی مزید، کسی نے اسم فاعل پڑھا، کسی نے صفت مشبہ، کسی نے غفور رحیم، کسی نے رؤف کریم، مختصر یہ کہ اختلاف قرأت بڑے پیمانے پر پھیلا ہوا تھا، مدینہ، مکہ، صنعا، بصرہ، کوفہ، حمص، دمشق، فسطاط اور دوسرے صدہا مقاموں کی قرأتیں سب ایک دوسرے سے مختلف تھیں، ان مقاموں کے عرب جب کسی ایک مورچہ پر جنگ کے لئے جاتے اور ایک کیمپ میں فروکش ہوتے اور قرآن پڑھتے تو سب کی قرأتیں الگ الگ ہوتیں، ہر قرأت والا اپنی قرأت کو درست و مستند سمجھتا اور دوسری قرأتوں کو غلط قرار دیتا، معاملہ یہیں تک محدود نہ رہا بلکہ مختلف قرأت والے ایک دوسرے کو کافر اور ملحد کہنے لگے، بعض فوجی کمانڈروں نے عثمان غنی کو لام پر جانے والے عربوں کے اس قرأتی فتنہ سے مطلع کیا اور کہا کہ اس کی روک تھام کیجئے ورنہ ہزاروں قرآن بن جائیں گے اور عربی وحدت ہمیشہ کے لئے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی، اس وقت قرآن کا ایک نسخہ جو ابو بکر صدیق کے عہد میں جمع ہوا تھا مدینہ میں موجود تھا لیکن یہ نہ تو مرتب تھا نہ مکمل اور نہ صحیح، عثمان غنی ؓ نے قرآن کی ترتیب، تصحیح اور تکمیل ایک قرآن کمیشن کے سپرد کر دی، جب یہ کام ہو گیا تو انہوں نے قرآن کے متعدد نسخے تیار

کرائے اور ہر صدر مقام کو ایک نسخہ بھیج دیا اور فرمان جاری کیا کہ اس نسخہ کے علاوہ جتنے نسخے ہوں جلا دیئے جائیں یا تلف کر دیئے جائیں، ابن مسعود کے پاس اپنا ایک نسخہ تھا جس کو انہوں نے خود مرتب کیا تھا اور جس کی مدد سے وہ درس دیا کرتے تھے، اس نسخہ سے اُن کو بڑا لگاؤ تھا، وہ اس پر ناز کرتے اور کہتے کہ میرا قرآن سب سے زیادہ مستند ہے کیونکہ میں نے اس کی ستر سورتیں رسول اللہ کے سامنے پڑھ کر ان کی تصحیح و توثیق کرائی تھی، عثمان غنیؓ کے نسخہ میں ایک سو تیرہ سورتیں تھیں لیکن ابن مسعود کے نسخہ میں ایک سو دس تھیں سورۂ فاتحہ اور مُعوذتین کو وہ قرآن میں داخل نہیں کرتے تھے، اس اہم فرق کے علاوہ الفاظ کا بھی فرق تھا اور ترتیب سُوَر بھی عثمان غنیؓ کے نسخہ سے مختلف تھی۔

گورنر کوفہ ولید بن عُقبہ ابن مسعود سے ملے اور کہا کہ اب آپ سرکاری نسخہ کے مطابق درس دیا کیجیے، خلیفہ کا حکم ہے کہ دوسرے سارے مجموعے ضائع کر دیئے جائیں، آپ اپنا نسخہ میرے حوالہ کر دیجیے تاکہ میں اس کو جلا دوں۔ ابن مسعود یہ باتیں سن کر بے حد ناراض ہوئے اور اپنا نسخہ دینے یا سرکاری نسخہ کے مطابق قرآن پڑھانے سے انکار کر دیا، خزانہ سے قرض کے معاملہ میں عثمان غنیؓ سے برہم تھے ہی اب قرآن کے معاملہ میں اور زیادہ غصہ ہو گئے اور اپنے شاگردوں اور معتقدین کے سامنے جن میں بہت سے بارسوخ لوگ اور قبائلی سردار شامل تھے، عثمان غنیؓ کی مذمت پہلے سے زیادہ شد و مد کے ساتھ کرنے لگے، کوفہ کی فضا خراب تو تھی ہی، ایک پُرانے اور بااثر صحابی کی زبانِ طعن کھل جانے سے اور زیادہ مکدر ہو گئی، ولید نے عثمان غنیؓ سے ابن مسعود کی شکایت کی تو انہوں نے لکھا کہ ان کو مدینہ بھیج دو، واپسی کے بعد ابن مسعود پہلا جمعہ پڑھنے مسجد آئے تو عثمان غنیؓ نے ناملائم الفاظ میں ان کے آنے کا اعلان کیا، جواب میں ابن مسعود نے سخت اور طنزآمیز کلمات استعمال کیے، عثمان غنیؓ نے ملازم سے کہا کہ ان کو مسجد سے باہر نکال دے، ابن مسعود پست قد اور منحنی سے آدمی تھے، ملازم ان کو اٹھا کر لے گیا اور مسجد

کے دروازہ پر جا کر پٹخ دیا جس سے ان کی پسلی میں چوٹ آئی یا ٹوٹ گئی جیسا کہ بعض رپورٹروں کا بیان ہے[1] یہ ہے اس اعتراض کی حقیقت کہ عثمان غنیؓ نے عبداللہ بن مسعود کو مارا تھا، ابن مسعود بیمار ہوئے تو عثمان غنی ان کی عیادت کو گئے اور منانے کی کوشش کی لیکن ابن مسعود کا غبارِ خاطر کم نہ ہوا حتیٰ کہ انہوں نے مرتے وقت وصیت کر دی کہ عثمان غنیؓ میرے جنازہ کی نماز نہ پڑھائیں۔

۲۱۔ ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے سرکاری نسخہ کے علاوہ قرآن کے سارے مجموعے ضائع کرا دیئے، اس سلسلہ میں خاص طور پر عبداللہ ابن مسعود اور اُبی بن کعب کے مجموعوں کا نام لیا جاتا ہے۔

قرآن کے غیر سرکاری نسخوں کے ضائع کرانے کی وجہ اوپر بیان ہو چکی ہے، اگر ایسا نہ کیا جاتا تو ہر استاد، ہر شہر، ہر قبیلہ اور ہر خاندان کے الگ الگ قرآن بن جاتے نیز اصلی و نقلی قرآن میں امتیاز کرنا ناممکن ہو جاتا، رہا یہ اعتراض کہ ابن مسعود اور اُبی بن کعب کے مجموعے تلف کرا دیئے گئے تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ جیسا یعقوبی نے اپنی تاریخ میں[2] بیان کیا ہے: "ابن مسعود نے اپنا نسخہ دینے سے انکار کر دیا تھا اور اُبی بن کعب کے بارے میں ابن ندیم کی تصریح ہے کہ ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن ان کے خاندان میں منتقل ہوتا ہوا عباسی دور میں دیکھا گیا تھا[3]۔

آخر میں ہم عثمان غنیؓ کے دو ہمعصروں کی جن کا تعلق مخالف پارٹیوں سے نہ تھا اعتراضات کے بارے میں رائے نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد خود عثمان غنیؓ کی تقریر کا ایک اقتباس قلمبند کر کے اس بحث کو ختم کر دیں گے۔

عبداللہ بن زبیر:۔

عثمان غنی کے معترضین کی ایک جماعت مجھ سے ملی اور ان پر نکتہ چینی کرنے لگی،

---

[1] شرح نہج البلاغۃ ۱/۲۳۵ و ۲۳۷، ۲۳۸۔ [2] نجف ایڈیشن ۲/۱۴۷۔ [3] فہرست ابن ندیم صفحہ ۴۰۔

میں نے ان سے ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کی سیرت پر گفتگو کی اور ان کے ایسے اعمال کا ذکر کیا جن پر کسی نے اعتراض نہیں کیا تھا لیکن انہی اعمال کے لئے عثمان غنیؓ پر نکتہ چینی کی گئی، میری دلیلوں سے وہ ایسے لاجواب ہوئے جیسے انگوٹھا چوسنے والے بچے۔[۱]

عبداللہ بن عمر:-

عثمان غنیؓ کے ایسے کاموں پر نکتہ چینی کی گئی جو عمر فاروقؓ نے کئے ہوتے تو کوئی اعتراض نہ کرتا۔[۲]

عثمان غنیؓ:-

"بخدا تم لوگ ایسی باتوں پر مجھے لعن طعن کرتے ہو جو ابن خطاب (عمر فاروقؓ) کے زمانہ میں تم نے بخوشی قبول کر لی تھیں، بات یہ ہے کہ انہوں نے تم کو پیروں سے روندھا، ہاتھ سے مارا اور زبان سے تمہاری خبر لی، اس لئے خواہ وناخواہ تم ان کے مطیع بنے رہے، میں نے نرمی برتی، مروت سے کام لیا نہ ہاتھ اٹھایا نہ زبان چلائی اس لئے تمہاری جرأت بڑھ گئی اور تم گستاخ ہو گئے۔"[۳]

خورشید احمد فارق

۱۰ر جولائی ۱۹۶۳ء

---

[۱] انساب الاشراف ۵/۹۰ ـ [۲] استیعاب ۲/۴۷۶ ـ [۳] تاریخ الامم ۵/۹۷ ـ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطوط

محرم ۲۴ھ میں عثمان غنیؓ نے خلافت کا چارج لیا، اب سے دس گیارہ سال پہلے کے مقابلہ میں جب عمر فاروقؓ خلیفہ ہوئے تھے عربوں کا سیاسی و معاشی افق بہت بدل گیا تھا اُس وقت وہ غریب تھے، اُن کی قومی آمدنی بہت کم تھی اور ان کی فوجیں عرب۔ عراق اور عرب۔ شام سرحد سے آگے نہیں بڑھی تھیں، عثمان غنیؓ خلیفہ ہوئے تو ایک کافی بڑی حکومت مصر، شام، عراق، جبال، فارس، سجستان اور کرمان کے وسیع علاقوں پر مشتمل ان کے قبضہ میں آچکی تھی، انہوں نے مفتوحہ ممالک میں اپنی چھاؤنیاں بنالی تھیں اور ماتحت اقوام سے مقررہ خراج اور جزیہ وصول کر رہے تھے، اُن کی تنخواہیں اور راشن مقرر ہو گئے تھے اور ان کی ایک بڑی تعداد دو ڈھائی ہزار روپے سالانہ تک کے مزید وظائف بھی پا رہی تھی جو عمر فاروقؓ نے ابتدائی معرکوں میں شریک ہونے والوں کے لئے مقرر کئے تھے، اسی طرح مدینہ کا ہر آزاد فرد، بچے سے لے کر بوڑھے تک تنخواہیں، غلہ کا راشن اور سالانہ وظائف لے رہا تھا، اس کے علاوہ تجارت کا وسیع میدان کھل گیا تھا، مدینہ کے متعدد اکابر قریش تجارت، جائداد اور زراعت کی آمدنی سے خوب مالدار ہوتے جارہے تھے، دولت و فرصت پاکر عربوں میں وہ خاندانی رقابتیں اور نسلی تعصبات جو فوجی سرگرمیوں، مشترکہ خطروں اور فقر و افلاس کے نیچے دب گئے تھے، پھر سر اٹھانے لگے۔

عثمان غنیؓ کے الیکشن سے مدینہ میں ایک نئی صورت حال پیدا ہو گئی تھی، یہ تو آپ جانتے

ہی ہیں کہ انتقال سے پہلے عمر فاروقؓ نے چھ اکابر صحابہ نامزد کیے تھے جن میں سے اکثریت رائے کے ساتھ کسی ایک کو خلیفہ منتخب کرنا تھا، عثمان غنیؓ کا انتخاب ہوا تو باقی پانچ اکابر میں سے تین کو ان کا خلیفہ ہونا ناگوار گذرا۔ علی حیدر، طلحہ بن عبید اللہ اور زبیر بن عوام ان میں سے ہر ایک خود کو خلافت کا اہل اور حقدار سمجھتا تھا، تینوں رسول اللہ کے عزیز اور مقرب تھے، مدینہ میں چار سیاسی پارٹیاں ہوگئیں، ایک حکومت یا عثمان غنی کی پارٹی جس میں بنو امیہ کی اکثریت تھی، دوسری علی حیدر کی پارٹی، تیسری طلحہ بن عبید اللہ کی اور چوتھی زبیر بن عوام کی، آخری تین پارٹیوں نے حکومت کے خلاف محاذ بنالیا اور خلیفہ اور ان کی کارروائیوں پر نقد کرنے لگیں، حج کے زمانہ میں جب سارے اسلامی قلمرو کے مسلمان مکہ میں جمع ہوتے تو ہر پارٹی ان کے سامنے حکومت کی مذمت کرتی اور اپنے اپنے امیدواروں کی منقبت بیان کرتی، چند سال کے اندر اندر تمام بڑے شہروں اور صدر مقاموں میں ان پارٹیوں کے حامی اور حکومت کے مخالف پیدا ہو گئے۔ عثمان غنی کے بہت سے خطوط کو سمجھنے کے لئے اس پس منظر کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

ہمارے بعض مورخ کہتے ہیں کہ خلیفہ ہو کر عثمان غنی نے چار عام فرمان لکھے، جن میں سے ایک گورنروں کے نام تھا، دوسرا سالارانِ فوج کے نام، تیسرا خراج افسروں کے نام اور چوتھا عام مسلمانوں کے نام۔

۱۔ گورنروں کے نام

"واضح ہو کہ خدا نے حکام اعلیٰ کو اس بات کی تاکید کی ہے کہ رعایا کی دیکھ بھال کریں اور اس بات کی تاکید نہیں کی کہ رعایا سے ٹیکس وصول کریں، مسلمانوں کے اولین حاکم رعایا کے خادم تھے، محصل ٹیکس نہ تھے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے حکام اعلیٰ خدمت رعایا کے صحیح منصب سے ہٹ کر ٹیکس و خراج وصول کرنے کی تگ ودو

تفصیلات کے لئے دیکھیے عثمان غنی کا تعارف اور ان پر اعتراضات کا جائزہ۔

میں لگ جائیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو حیا، ایمانداری اور وفائے عہد سب رخصت ہو جائیں گے، یاد رکھئے سب سے زیادہ صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ آپ مسلمانوں کے مفاد اور معاملات سے دلچسپی لیں، اسلام کے دیئے ہوئے حقوق سے اُن کو بہرہ ور کریں اور اسلام کے جو حقوق ان پر ہیں وہ اُن سے وصول کریں۔ مسلمانوں کے بعد ذمیوں کے معاملات و مفاد سے آپ کو دلچسپی لینی چاہیئے، آپ کے ذمے اُن کے جو حقوق ہیں وہ ان کو دیجئے اور اُن کے ذمہ آپ کے جو حقوق ہیں وہ ان سے لیجئے، ذمیوں کے بعد دشمنوں سے آپ کا طرزِ عمل درست ہونا چاہیئے، ایمانداری اور وفائے عہد کے ذریعہ اُن پر فتح حاصل کیجئے[۱]۔

۲۔ سرحدی کمانڈروں کے نام

"واضح ہو کہ آپ مسلمانوں کے نگہبان و محافظ ہیں، عمرؓ نے آپ کے لئے جو ضابطۂ سیرت مقرر کیا تھا اس سے ہم واقف ہیں بلکہ ہمارے مشورہ ہی سے اس کو مقرر کیا گیا تھا، خیال رکھئے کہ آپ کی کسی بدعنوانی کی شکایت میرے پاس نہ آئے اگر ایسا ہوا تو آپ کا منصب چھین جائے گا اور آپ سے بہتر لوگوں کو آپ کی جگہ مقرر کیا جائے گا، اپنی سیرت پر نظرِ احتساب رکھئے، مجھ پر بحیثیت خلیفہ جو ذمہ داریاں ہیں ان کو ضرور انجام دوں گا[۲]۔"

۳۔ خراج افسروں کے نام

"واضح ہو کہ خدا نے مخلوق کو حق و انصاف کے ساتھ پیدا کیا ہے اس لئے وہ بس حق و انصاف ہی قبول کر سکتا ہے لہٰذا جب آپ خراج وصول کریں تو حق و انصاف سے کام لیں اور جب دوسروں کے حقوق ادا کریں تو حق و انصاف سے ادا کریں، میری طرف سے دیانتداری کی سخت تاکید ہے، اس پر ثابت قدمی

---

[۱] تاریخ الامم والملوک ابو جعفر ابن جریر طبری، پہلا مصری ایڈیشن ۵/۴۴۔ [۲] ایضاً

سے قائم رہیے، ایسا نہ ہو کہ دیانت کا دامن سب سے پہلے آپ ہی کے ہاتھ سے چھوٹے اور اگلی نسلوں کے بددیانتوں میں آپ کو بھی شریک کیا جائے امانت و دیانت کے ساتھ ضروری ہے کہ آپ اپنے عہد و پیمان پر بھی قائم رہیں کسی یتیم کا حق نہ ماریے اور نہ کسی معاہد کے ساتھ زیادتی کیجیے کیونکہ ان کے ساتھ زیادتی کرنے والے سے خدا مواخذہ کرے گا۔"[1]

۴۔ عام مسلمانوں کے نام

واضح ہو کہ آپ نے جو کامیابی اور سربلندی حاصل کی ہے وہ اقتدار اور اتباع کے ذریعہ حاصل کی ہے، خیال رکھیے کہ دنیا کی محبت میں پڑ کر آپ صحیح راستہ سے بھٹک نہ جائیں، مجھے اس بات کے پورے آثار نظر آ رہے ہیں کہ آپ جب نعمتوں سے خوب بہرہ ور ہو چکیں گے، جب کنیزوں سے آپ کی اولاد بالغ ہو جائے گی اور بدو عربوں اور غیر عربوں میں قرآن خوانی عام ہو جائے گی تو آپ اقتدار و اتباع کو چھوڑ کر اپنی رائے اور اجتہاد سے کام لینے لگیں گے، رسول اللہؐ نے فرمایا ہے الکفر فی العجمۃ[2] غیر عربوں کی سمجھ میں جب کوئی بات نہیں آتی ہے تو وہ اجتہاد و رائے سے کام لینے لگتے ہیں۔"[3]

ہمارے خیال میں یہ پورا خطبہ اس کا بیشتر حصہ جعلی ہے، اس میں اجتہاد کی مخالفت کی گئی ہے حالانکہ رسول اللہؐ، ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ اور علی حیدرؓ سب اجتہاد سے کام لیتے تھے، آثار و تاریخ کی پرانی اور نئی مطبوعہ عربی کتابوں سے پوری طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بیشتر معاملات میں خلفائے راشدین رسول اللہؐ یا ایک دوسرے کے اتباع و اقتدار کی جگہ شخصی اجتہاد سے کام لیتے تھے اور مصالح وقت ۔ ۔ ۔ کو پیش نظر رکھ کر

---

[1] تاریخ الامم والملوک ابو جعفر ابن جریر طبری، پہلا مصری ایڈیشن ۵/۲۲۱۔ [2] اصل میں العجمۃ ہے

[3] ۔ ۔ تاریخ الامم ۵/۲۵۱۵۔

مدنی آیات کے احکام تک نظر انداز کر دیتے تھے[۱]، اگرچہ پچھلے تینوں خطوں کی طرح اس خط کے راویوں کے بھی نام نہیں لئے گئے اور قالوا کے مبہم صیغہ پر اکتفا کیا گیا ہے تاہم ہمارا خیال ہے کہ اس کا تعلق کوفہ کے شعبی اسکول سے ہے، امام شعبی (متوفی ۱۰۴ھ) کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ قیاسی محدثوں اور فقیہوں سے نفرت کرتے تھے اور اجتہاد کے بھی مخالف تھے۔

۵۔ ولید بن عقبہ کے نام

ولید بن عقبہ عثمان غنیؓ کے سوتیلے بھائی تھے، عمر فاروقؓ نے ان کو میسوپوٹامیہ میں افسر خراج مقرر کیا تھا، ابو بکر صدیقؓ اور رسول اللہؐ کے عہد میں بھی وہ زکوٰۃ کلکٹر رہ چکے تھے ۲۵ھ میں عثمان غنیؓ نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا، کوفہ کی وسیع عملداری میں آذربائیجان کا صوبہ بھی شامل تھا جو آج کل روس کے قبضہ میں ہے۔ یہ بحر کیسپین کے جنوب غربی ساحل پر پھیلا ہوا تھا اور مغرب میں اس کی حد آرمینیہ سے ملتی تھی جو بازنطینی حکومت کا ایک صوبہ تھا اور آج کل روس کی ایک ریاست ہے، عمر فاروقؓ کے آخر دور خلافت یعنی ۲۲ھ میں کوفہ کی ایک فوج نے آذربائیجان پر چڑھائی کی تھی چونکہ یہ پہاڑی اور دشوار علاقہ تھا عرب اس کو باقاعدہ فتح نہ کر سکے، اُن کی ترکتازی سے گھبرا کر یہاں کے رئیسوں نے تقریباً چار لاکھ روپے سالانہ خراج منظور کر لیا، سال ڈیڑھ سال بعد جب عمر فاروقؓ کا انتقال ہوا تو انہوں نے مقررہ رقم دینے سے انکار کر دیا اور حکومت کوفہ کے نمائندوں کو ملک سے نکال دیا، ولید بن عقبہ گورنر مقرر ہو کر آئے تو انہوں نے کوفہ کا ماحول افتراق انگیز پایا، عثمان غنیؓ اور ان کی حکومت کے خلاف ایک تحریک وجود میں آ چکی تھی، بہت سے لوگ خود ان کے تقرر سے ناخوش تھے، ولید نے احتیاط، رواداری اور فراخ دلی سے حکومت کی اور سب کو خوش رکھنے کی کوشش کی، عوام تو ایک حد تک ان سے مطمئن رہے لیکن بہت سے مذہبی و قبائلی اکابر نے ان کے ساتھ تعاون نہیں کیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ مدینہ کی سیاسی

---

[۱] دیکھئے میرا مضمون بعنوان عمر فاروق کا اجتہاد مطبوعہ ثقافت لاہور، جولائی ۱۹۶۱ء۔

پارٹیوں کے ایجنٹ اپنا کام کر رہے تھے، دوسری طرف فرصت وشکم سیری اپنا تخریبی پارٹ ادا کر رہی تھی، ولید نے اہلِ کوفہ اور بالخصوص مذہبی و قبائلی اکابر کو خوش کرنے کی ایک کوشش کی، آذربائیجان کا خراج بند ہونے سے کوفہ کے خزانہ کو چار لاکھ روپے کا خسارہ ہو رہا تھا، ولید نے سوچا اگر میں یہ خراج بحال کر دوں یا آذربائیجان کو فتح کر لوں تو سب لوگ خوش ہو جائیں گے اور میری قدر کریں گے، انہوں نے آذربائیجان پر چڑھائی کر دی، منصوبہ یہ تھا کہ آذربائیجان فتح کر کے اس سے ملحق صوبہ آرمینیہ بھی فتح کر لیں گے آذربائیجان میں حسب سابق مشکلات پیش آئیں اور بزور قوت اس پر قبضہ نہ ہو سکا عربوں کی ترکتازی سے بچنے کے لئے وہاں کے رئیسوں نے خراج کی سابقہ رقم پھر دینا منظور کر لی، آذربائیجان سے فارغ ہو کر ولید نے ایک فوج آرمینیہ بھیجی، یہ ملک بھی پہاڑی تھا، دروں اور جنگلات سے بھرا ہوا، اس پر بھی قبضہ نہ ہو سکا، لیکن مالِ غنیمت خوب ملا، ولید بن عقبہ آذربائیجان کا خراج اور بہت سا مالِ غنیمت لے کر کوفہ واپس ہوئے، ابھی راستہ ہی میں تھے کہ بازنطینی حکومت نے آرمینیہ میں اُن کی ترکتازی اور لوٹ مار کا بدلہ لینے کے لئے شام پر یورش کر دی، گورنر شام امیر معاویہ نے پوری مستعدی کے ساتھ اس چیلنج کا مقابلہ کیا لیکن ساتھ ہی انہوں نے مرکز سے بھی رسد طلب کی، عثمان غنیؓ نے ولید بن عقبہ کو جو اس وقت میسوپوٹامیہ میں تھے، یہ مراسلہ بھیجا:-

"واضح ہو کہ معاویہ بن ابی سفیان نے مجھے خبر دی ہے کہ بازنطینی حکومت نے ایک بڑی فوج سے مسلمانوں پر یورش کر دی ہے، میں چاہتا ہوں کہ کوفہ کے لوگ اپنے شامی بھائیوں کی مدد کو جائیں، جس جگہ میرا قاصد تم کو یہ خط دے وہیں سے تم آٹھ نو یا دس ہزار سپاہیوں کی فوج ایک ایسے کمانڈر کی قیادت میں بھیج دو جو تمہارے خیال میں بہادر جری اور مخلص مسلمان ہو[1]"

---

[1] ابومخنف. تاریخ الامم ۵/۴۶۱-

۶۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے نام

وفات سے کچھ عرصہ پہلے عمر فاروقؓ نے مصر کے مالی معاملات کی بہتر نگرانی کے لئے عثمان غنیؓ کے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو افسر خراج مقرر کیا تھا اور مصر کے گورنر عمرو بن عاص کا دائرۂ اختیار صرف سیاسی و جنگی امور تک محدود کر دیا تھا، مالی شعبہ کی علیٰحدگی عمرو بن عاص کو ناگوار گذری، عثمان غنیؓ خلیفہ ہوئے تو عمروؓ مدینہ آئے اور کہا یا تو آپ مصر میں دوعملی ختم کیجئے یا میں استعفا دیتا ہوں، عثمان غنیؓ نے کہا کہ عبداللہ کا ریکارڈ اچھا ہے، ان کی زیر نگرانی سرکاری آمدنی بڑھ گئی ہے اس لئے ان کو افسر خراج کے عہدہ سے ہٹانا مناسب نہیں ہے، تم اپنے عہدہ پر رہو، وہ اپنے عہدہ پر، عمرو بن عاص اس کے لئے تیار نہ ہوئے اور استعفا دے دیا، عثمان غنیؓ نے عبداللہ بن سعد کو افسر خراج کے ساتھ مصر کا گورنر بھی بنا دیا، عبداللہ مستعد اور لائق حاکم تھے عمرو بن عاص کے ہوا خواہوں کو عبداللہ کا تقرر ناگوار گذرا، انہوں نے عثمان غنیؓ پر کنبہ پروری کا الزام لگایا اور حکومت مدینہ پر لعن طعن کرنے لگے، مصر کا بندرگاہ اسکندریہ عیسائیت کا بہت بڑا مرکز تھا، سالہ ھ میں سخت محاصرہ اور جنگ کے بعد عمرو بن عاص نے اس کو فتح کیا تھا لیکن بازنطینی حکومت اور مقامی عیسائی اس پر دوبارہ قبضہ کرنے کی برابر کوشش کرتے رہے، ۲۳ھ میں قسطنطنیہ کی بازنطینی حکومت کے اشارہ سے اسکندریہ میں ایک بغاوت ہوئی، پھر دوسری اور پہلی سے زیادہ منظم اور بڑے پیمانہ پر ۲۵ھ میں واقع ہوئی، اس بار بھی بازنطینی حکومت کی فوج اور بیڑا باغیوں کی پشت پر تھا، اسکندریہ میں مسلمانوں کی جو فوجی چوکیاں تھیں حملہ آور ان کو معطل کر کے شہر میں گھس آئے، کئی ماہ کے مقابلہ اور کافی نقصان کے بعد اسکندریہ دوبارہ فتح ہوا، اسکندریہ چونکہ ساحلی شہر تھا اور بازنطینی بیڑے کی زد میں، اس لئے عمر فاروقؓ نے ساحل پر متعدد فوجی چوکیاں بنوا دی تھیں جن کا مقصد خطرہ کے وقت حکومت کو مطلع کرنا اور دشمن کے اچانک حملہ کا مقابلہ کرنا تھا، بازنطینی دونوں بار ان چوکیوں کو معطل کر کے ہی شہر میں داخل ہوئے

تھے، ضرورت تھی کہ ان کو اور زیادہ مستحکم بنایا جائے، ذیل کا خط اسی موضوع پر ہے۔

"تمہیں معلوم ہے کہ امیرالمومنین عمرؓ اسکندریہ کی حفاظت کا کتنا خیال رکھتے تھے، رومی دو بار نقضِ عہد کر کے بغاوت کر چکے ہیں، اسکندریہ میں فوجی چوکیاں قائم رکھو اور یہاں کی حفاظتی فوج کو (باقاعدگی اور فراخ دستی سے) ماہانہ اور ضروری سامان دیتے رہو، فوج باری باری سے چھ چھ ماہ یہاں رکھی جائے۔[1]"

۷۔ معاویہ بن ابی سفیان کے نام

عمر فاروقؓ کی خلافت کے نصف آخر میں امیر معاویہ نے شام کے بندرگاہوں عکا، صور، یافا وغیرہ کو جو بازنطینی بیڑے کے اڈے تھے، فتح کر لیا تھا، یہاں سے نکلنے کے بعد بازنطینی حکومت نے قریب کے جزیرہ قبرص (CYPRUS) میں بحری اڈہ بنا لیا، امیر معاویہ کو اندیشہ تھا کہ کہیں بازنطینی حکومت قبرص سے شام کے ساحل پر حملہ نہ کر دے، اس اندیشہ کے پیشِ نظر انہوں نے عمر فاروقؓ سے قبرص پر چڑھائی کی اجازت مانگی، عمر فاروقؓ نے اجازت نہ دی، وہ سمندری سفر کے خطروں سے واقف تھے اور بحری فوج کشی کو ناپسند کرتے تھے، بلکہ وہ تو اس درجہ محتاط تھے کہ اپنی فوجوں کو دریا پار تک چھاؤنیاں نہ بنانے دیتے تھے تاکہ کسی خطرہ کے وقت فوج کو گھر لوٹنے یا گھر سے اس کی مدد کو رسد پہنچنے میں دریا پار کرنے کی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے، عثمان غنیؓ خلیفہ ہوئے۔ تو امیر معاویہ نے حالات زیادہ موافق پا کر ان کو لکھا کہ قبرص ساحل شام سے قریب اور دولت سے بھرپور جزیرہ ہے، اس کی فتح مسلمانوں کے لئے بڑی مبارک ثابت ہوگی مجھے اس کو مسخر کرنے کی اجازت دیجئے عثمان غنی اجازت دیتے ہوئے ہچکچائے، عمر فاروقؓ کی طرح وہ بھی مسلمانوں کو بحری سفر اور اس کی جنگ کے خطروں میں نہ ڈالنا چاہتے تھے، چنانچہ انھوں نے لکھا۔

---

[1] فتوح مصر ابن عبد الحکم، اڈیٹر چارلس ٹوری لاڈن سنہ ۱۹۲۰ء صـ ۱۹۲ ۔

"تم کو معلوم ہے عمر رحمہ اللہ نے کیا جواب دیا تھا جب تم نے ان سے سمندری جنگ کی اجازت مانگی تھی"[1]

۸۔ معاویہ بن ابی سفیان کے نام

آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ گورنر کوفہ ولید بن عقبہ کی آرمینیہ میں ترکتازی کا بدلہ لینے کے لئے قیصر روم نے شام پر حملہ کر دیا تھا، اس حملہ کو ناکام کرنے کے بعد امیر معاویہ کو فکر ہوئی کہ کہیں قیصر روم قبرص کے بحری اڈے سے فائدہ اٹھا کر سمندر کی طرف سے شام پر حملہ نہ کر دے، ان کا خیال تھا کہ جب تک قبرص پر مسلمانوں کا قبضہ نہ ہو جائے شام پر سمندری حملہ کا خطرہ ہر وقت منڈلاتا رہے گا، چنانچہ ۲۷ھ میں (بازنطینی حملہ کی ناکامی کے بعد) انہوں نے قبرص پر فوج کشی کے بارے میں مرکز سے پھر خط و کتابت کی، عثمان غنیؓ اب بھی اجازت دینے کو تیار نہ ہوئے، وہ اب بھی اسی خیال میں تھے کہ امیر معاویہ فتح کے شوق میں قبرص پر فوج کشی کرنا چاہتے ہیں، رہا قبرص سے شام پر حملہ کا خطرہ تو اس باب میں خلیفہ کی رائے یہ تھی کہ سمندر میں دشمن سے جنگ کی نسبت ساحل پر لڑنے میں نقصان کا کم امکان ہے لیکن جب ان کو بار بار یقین دلایا گیا کہ سمندری سفر میں کوئی خطرہ نہیں تو انہوں نے ایک دلچسپ شرط کے ساتھ اجازت دے دی۔

"اگر سمندر کے سفر میں تم اپنی بیوی کو ساتھ لے جاؤ تب تو میں اجازت دیتا ہوں ورنہ نہیں"[2]

۹۔ خط کی دوسری شکل

"امیر المومنین عمرؓ کے زمانہ میں بھی تم نے قبرص پر فوج کشی کی خواہش ظاہر کی تھی اور ان سے اس کی اجازت مانگی تھی لیکن انہوں نے اجازت نہیں دی کہ ادھر کا رُخ کرو اور سمندری سفر کے خطرے مول لو، مجھے بھی اس مہم کی اجازت دیتے ہوئے

---

[1] واقدی فتوح البلدان بلاذری مصر ۱۳۱۹ھ ص۱۵۹۔ [2] ایضاً۔

پس وپیش ہے، تاہم اگر تم اس کو ناگزیر سمجھتے ہو تو مناسب ہے کہ اپنے بال بچوں کو جو تمہارے پاس ہوں اپنے ساتھ لے جاؤ تبھی میں سمجھوں گا کہ تمہارا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ سمندری سفر میں کوئی خطرہ نہیں[1]"۔

۱۰۔ خط کی تیسری شکل

"(قبرس پر حملہ کے لئے) بھرتی نہ کرو اور نہ قرعہ اندازی کے ذریعہ فوج مرتب کرو بلکہ جو خوشی خوشی جہاد کے لئے تیار ہو جائے اس کو لے جاؤ اور تیاری میں اس کی مدد کرو[2]"۔

۱۱۔ معاویہ بن ابی سفیان کے نام

قبرس کی فتح اور وسیع پیمانہ پر وہاں سے مالِ غنیمت حاصل کرکے معاویہ کی توجہ اس کے مغرب میں واقع ہونے والے جزیرہ روڈس (RHODES) کی طرف مبذول ہوئی، یہ موجودہ ترکی کے جنوبی ساحل کے قریب واقع ہے، اس کی لمبائی پینتالیس میل اور زیادہ سے زیادہ چوڑائی بائیس میل ہے، آب و ہوا خوشگوار اور پھل وافر ہیں، عرب تسخیر کے وقت مال و دولت سے بھی بھرپور تھا، امیر معاویہ نے عثمان غنیؓ سے حملہ کی اجازت مانگی تو یہ جواب آیا:۔

"سمندری فوج کشی میں بڑا خطرہ ہے اور نہیں معلوم اس کا کیا انجام ہو، تاہم اگر تم نے روڈس پر چڑھائی اور اس کی تسخیر کا ارادہ مصمم کر لیا ہو تو پوری احتیاط اور ہوشیاری سے کام لینا اور خوفِ خدا کو اپنا شعار بنائے رکھنا[3]"۔

عرب فوج کی رومیوں سے ساحلِ روڈس کے قریب ایک بڑی بحری لڑائی ہوئی جس میں طرفین کے بہت سے آدمی مارے گئے بالآخر امیر معاویہ کامیاب ہوئے، عرب فوج جزیرہ میں داخل ہوئی تو پھر سخت تصادم ہوا، عربوں نے جزیرہ کو تاخت و تاراج کر ڈالا، وہاں کے

---

[1] فتوح ابن اعثم کوفی قلمی ورق ۲۶۵۔ [2] تاریخ کامل ابن اثیر پہلا مصری ایڈیشن ۳/۳۹۔
[3] فتوح ابن اعثم کوفی ورق ۲۷۱۔

بیشتر مرد مارے گئے، جو بچے سمندر میں بھاگ گئے؛ قیمتی مال و متاع اور بہت سی کنیزیں عربوں کے ہاتھ آئیں، یہ سب لے کر امیر معاویہ واپس ہو گئے، کئی برس تک روڈس اجڑا پڑا رہا، ۴۱ھ میں خلیفہ ہو کر امیر معاویہ نے روڈس کی آبادکاری کی طرف توجہ کی اور کئی درجن عرب خاندان روڈس میں بسنے اور اس کی حفاظت کے لئے بھیج دیئے، آہستہ آہستہ جزیرہ میں تجارت اور کاشت ہونے لگی لیکن ابھی بیس سال بھی نہ گذرے تھے کہ ناساعد حالات میں عربوں کو جزیرہ چھوڑنا پڑا اور وہاں بازنطینی حکومت کا عمل دخل ہو گیا۔

۱۲۔ امیر معاویہ اور دوسرے گورنروں کے نام

"آپ کا طرزِ عمل ویسا ہی رہنا چاہیئے جیسا کہ عمرؓ کے عہد میں تھا، آپ کی سیرت میں برائیاں نہ آنی چاہیئں، جن معاملات کا تصفیہ کرنے میں آپ کو دقت پیش آئے وہ ہمارے پاس بھیج دیجئے، ہم اس کے بارے میں قوم سے مشورہ کر کے آپ کو صحیح طریق کار سے مطلع کریں گے، دوبارہ تاکید ہے کہ آپ کے طور طریق ویسے ہی رہنے چاہئیں جیسا کہ عمرؓ کے زمانہ میں تھے"[۱]

۱۳۔ ولید بن عقبہ کے نام

شمالی یمن اور مکہ کے مشرق میں نجران ایک سرسبز اور خوش حال شہر تھا، یہاں کئی صدیوں سے عیسائی آباد تھے، انہوں نے اپنی مذہبی اور اقتصادی زندگانی کافی اچھی طرح منظم کر لی تھی، وہ زراعت اور مختلف صنعتوں سے واقف تھے جیسے پارچہ بافی اور ہتھیار سازی ۱۰ھ میں رسول اللہ ؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دی لیکن وہ ترکِ مذہب کے لئے تیار نہ ہوئے اُن کا ایک وفد مدینہ آیا اور رسول اللہ ؐ سے بات چیت کی، اس کے نتیجہ میں یہ طے ہوا کہ نجران کے عیسائی ہر سال رسول اللہ ؐ کو چالیس ہزار درہم دیتے یا اتنی مالیت کے کپڑے دیا کریں گے اور اس کے عوض رسول اللہ ان کی جان، مال اور مذہب کی حفاظت کا ذمہ لیں گے

---

[۱] سیف بن عمر۔ تاریخ الامم ۵/۲۱۰۵۔

اس مضمون کی ایک دستاویز لکھ دی گئی، سال چھ ماہ بعد رسول اللہؐ کا انتقال ہو گیا، ابو بکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے تو نجرانی عیسائیوں کا ایک وفد دستاویز کی توثیق نیز اپنی وفاداری کا اقرار کرنے مدینہ آیا، ابو بکر صدیقؓ نے دستاویز کی توثیق کردی، عمر فاروقؓ نے اپنی خلافت کے کئی سال بعد نجرانیوں کو جلا وطن کر دیا، اس کے کئی سبب بیان کئے گئے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ نجرانیوں نے سود کھانا شروع کر دیا تھا جو رسول اللہؐ سے کئے ہوئے معاہدہ کے خلاف تھا، دوسرا قول یہ ہے کہ رسول اللہ نے وفات کے وقت ان کو ملک سے نکالنے کی وصیت کی تھی، تیسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے بہت سے ہتھیار اور گھوڑے جمع کر لئے تھے جس سے حکومت مدینہ کو ان کی طرف سے خطرہ لاحق ہو گیا تھا، بہر حال عمر فاروقؓ نے ان کو جلا وطن کر دیا، ان کا ایک حصہ شام چلا گیا اور دوسرا اور غالباً بڑا حصہ کوفہ کے قریب دیہاتوں میں آباد ہو گیا، عمر فاروقؓ نے عراق و شام کے گورنروں کو لکھ دیا کہ نجرانیوں کو کاشت کے لئے اتنی زمین دلوا دیں جتنی وہ جوت سکیں نیز یہ کہ مسلم و غیر مسلم سب ان کے ساتھ ہمدردی و فراخ دلی سے پیش آئیں، وہ نجرانی جو شام چلے گئے اچھے رہے کیونکہ ان کے وہاں بہت سے ہم مذہب آباد تھے جنھوں نے ان کو کھپا لیا لیکن کوفہ کے پاس آباد ہونے والے نجرانیوں کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، یہاں عیسائی بہت کم تھے اور غیر عیسائی ان کے ساتھ اچھی طرح پیش نہ آئے اور ان کو اپنے علاقہ سے نکالنے کے لئے انہوں نے سرکار مدینہ سے رجوع کیا، یہ واقعہ عمر فاروقؓ کی وفات سے چند دن پہلے کا ہے، انہوں نے شکایت پر جو کارروائی کی اس کی نوعیت کیا تھی یہ ہم نہیں بتا سکتے لیکن اتنا معلوم ہے کہ نجرانیوں کو اپنا گھر چھوڑنا پڑا اور اب وہ کوفہ کے قریب ایک دوسرے دیہاتی علاقہ میں منتقل ہو گئے، یہ جگہ کوفہ سے کوئی چالیس پچاس میل مشرق میں زیر آب نشیبی اراضی (بطائح) سے متصل تھی، اس کا نام نجرانیہ پڑ گیا، چند ہی سال گذرے تھے کہ یہاں کی فضا بھی ان پر تنگ ہو گئی اور مقامی باشندوں نے ان کو نکالنے کے لئے عثمان غنیؓ سے شکایت کی، دوسری طرف نجرانیوں کا بھی

ایک وفد ۳۰ھ میں خلیفہ سے ملا اور اپنی شکایتیں پیش کیں، ان کی ایک شکایت یہ تھی کہ نیا ماحول ان کو موافق نہیں ہے، ان کو ستایا اور ذلیل کیا جاتا ہے، دوسری شکایت اس بات کی تھی کہ اُن کے بہت سے ہموطنوں کے اِدھر اُدھر بکھر جانے سے اُن کی اجتماعی آمدنی اتنی کم ہوگئی ہے کہ ان کو معاہدہ کے سالانہ چالیس ہزار روپے فراہم کرنے میں دقت ہوتی ہے عثمان غنیؓ نے ان کی باتیں ہمدردی سے سنیں اور ولید بن عقبہ کو جو کوفہ کے گورنر تھے یہ فرمان بھیجا:-

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، عبداللہ عثمان امیرالمومنین کی طرف سے ولید بن عقبہ کو سلام علیک، میں اس معبود کا سپاس گذار ہوں جس کے سوا کوئی دوسرا عبادت کے لائق نہیں، واضح ہو کہ اُسقُف (بشپ)، عاقب (VICAR) اور نجرانیوں کے اکابر جو اس وقت عراق میں مقیم ہیں، مجھ سے ملے اور اپنی مشکلات کی شکایت کی اور مجھے عمرؓ کی وہ تحریر دکھائی جس میں انہوں نے یمن میں متروکہ اراضی کے عوض نجرانیوں کو عراق اور شام میں اراضی دینے کا حکم دیا تھا، تم اُس بدعنوانی سے بھی واقف ہو جو مسلمانوں نے ان کے ساتھ کی ہے، ان سب باتوں کے پیشِ نظر میں نے ان کے جزیہ میں تیس حُلّے (چھ سو روپئے سالانہ) کی تخفیف کردی ہے اور میں سفارش کرتا ہوں کہ ان کو وہ سب اراضی دے دی جائے جو عمرؓ نے اُن کو عراق میں دلوائی تھی، اس کے علاوہ لوگوں کو اچھی طرح سمجھا دو کہ اُن کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئیں کیونکہ یہ ذمّی ہیں جن کے ساتھ حسنِ سلوک کا ہم نے ذمہ لیا ہے، اس کے علاوہ میری ان لوگوں سے پرانی واقفیت بھی ہے، تم وہ تحریر خود بھی دیکھنا جو عمرؓ نے ان کو لکھ کر دی تھی اور جو وعدہ اس میں کیا گیا ہے اس کو پورا کرنا، پڑھنے کے بعد یہ تحریر نجرانیوں کو لوٹا دینا (تاکہ بوقتِ ضرورت ان کے کام آئے)۔ والسلام"[1]

---

[1] کتاب الخراج ابو یوسف مصر ۱۳۵۲ھ ص ۷۳ و معجم البلدان یاقوت مصر ۸/۲۶۴۔

۱۴۔ خط کی دوسری شکل

"واضح ہو کہ عاقب اُسقف اور اکابر نجران میرے پاس رسول اللہ کی دستاویز لائے اور عمرؓ کی، وہ تحریر مجھے دکھائی جس میں نجران کی متروکہ اراضی کے بدلے عراق میں ان کو زمین دینے کا وعدہ ہے، میں نے عثمان بن حُنیف (افسر لگان عراق) سے نجرانیوں کی موجودہ زمینوں کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے تحقیق کر کے مجھے بتایا ہے کہ یہ زمینیں عراق کے زمینداروں کی ہیں اور ان کے نکلنے سے زمینداروں کو نقصان ہو رہا ہے، میں نے خدا کی خوشنودی کی خاطر نیز نجرانیوں کی متروکہ اراضی کے بدلہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اُن کے سالانہ جزیہ سے دو سو حُلّے (چار ہزار روپے) کی کمی کر دی ہے، میں ان کے ساتھ اچھے برتاؤ کی سفارش کرتا ہوں کیونکہ وہ ہماری حفاظت میں آچکے ہیں[1]"

اس فرمان کے زیر اثر نجرانیوں کی تکلیفیں کس حد تک دور ہوئیں یہ بتانے سے ہم قاصر ہیں لیکن قرائن سے یہ صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنے نئے گھر اور وہاں کے حالات سے مطمئن نہ تھے۔ چنانچہ پانچ چھ برس بعد جب علی حیدرؓ نے کوفہ کو اپنی حکومت کا مرکز بنایا تو یہ لوگ اُن سے ملے اور بڑی منت سماجت سے درخواست کی کہ ہمیں نجران واپس جانے کی اجازت دے دیجئے، ہم کو یہاں بہت تکلیف ہے، لیکن علی حیدرؓ نے یہ کہہ کر ان کو خاموش کر دیا کہ کان عمر رشید الامر فانا اکرہ خلافہ۔

علی حیدرؓ کے بعد امیر معاویہؓ خلیفہ ہوئے تو نجرانی اکابر ان سے ملے اور اپنی مشکلات پیش کیں اور بتلایا کہ ہمارے نجرانی ہموطن ہر طرف منتشر ہو گئے ہیں، ان میں بہت سے مر چکے اور ان کی ایک خاصی تعداد مسلمان ہو چکی ہے لہذا ہمارا جزیہ کم کر دیجئے، امیر معاویہؓ نے چار ہزار روپے کی تخفیف کر دی اور اب ان کے ذمہ کل تیس ہزار رہ گئے، کوئی بچاس

---

[1] فتوح البلدان ص۷۳۔

سال بعد نجرانی اپنی قلتِ تعداد اور معاشی بدحالی کا شکوہ کرنے خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس آئے، انہوں نے ان کی آبادی کا شمار کرایا تو وہ پہلے کی نسبت صرف دس فیصد نکلی یعنی عمر فاروقؓ کے عہد میں اگر وہ چالیس ہزار تھے تو اب چار ہزار سے زیادہ باقی نہ تھے، عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کا جزیہ گھٹا کر آٹھ ہزار کر دیا، اُن کے بعد عراق کے اموی گورنروں نے یہ رقم بڑھا دی لیکن جب عباسی حکومت کا دور شروع ہوا تو منصور اور رشید نے اس کو گھٹا کر پھر آٹھ ہزار کر دیا[۱]۔

جیسا کہ قارئین نے محسوس کیا ہوگا مذکورہ بالا دونوں دستاویزیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، پہلی میں نجرانیوں کے ساتھ مسلمانوں کی بدسلوکی کا شکوہ ہے جو دوسری میں نہیں، یہ بدسلوکی کس نوعیت کی تھی ہمارے رپورٹر نہیں بتاتے، بہت ممکن ہے مسلمانوں نے نجرانیوں کو ان کی اراضی سے بے دخل کر دیا ہو اور شاید اسی وجہ سے دستاویز میں یہ سفارش ہے کہ نجرانیوں کو وہ اراضی دے دی جائے جو عمر فاروقؓ نے ان کو کوفہ کے مضافات میں کاشت اور رہائش کے لئے دلوائی تھی، اس سفارش کا دوسری دستاویز میں مطلق ذکر نہیں اس میں تو ایک بالکل ہی نئی بات ہے اور وہ یہ کہ خلیفہ نے عراق کے کمشنر مالگذاری سے تحقیقات کی تو اس نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ ان زمینوں کے نکل جانے سے جن کو نجرانی کاشت کرتے رہے تھے عراق کے زمینداروں کو جو ان زمینوں کے اصلی مالک تھے، نقصان ہو رہا ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کمشنر کی اس رپورٹ پر خلیفہ نے نجرانیوں کو ان کی اراضی واپس دینے کا ارادہ ترک کر دیا اور ان کے سالانہ خراج میں تخفیف ہی پر اکتفا کیا، تیسرا اختلاف یہ ہے کہ پہلی دستاویز میں نجرانیوں کے خراج میں صرف چھ سو روپے کی کمی کی گئی ہے لیکن دوسری میں اس رقم کے چھ گنے سے زیادہ یعنی چار ہزار کی۔

اس طرح کا اختلاف اور تناقض جیسا کہ ہم مقدمہ میں واضح کر چکے ہیں عربی تاریخ کی

---

[۱] معجم البلدان ۲۶۴/۸ - ۲۶۷، وفتوح البلدان ص۷۳، وکتاب الخراج ابو یوسف ص۴۲۔

کی نمایاں خصوصیت ہے کیونکہ یہ تاریخ راویوں کی معرفت ہم تک پہنچی ہے، راویوں کے الگ الگ اسکول تھے اور ہر اسکول کے اصولِ روایت، عقلی داخلاقی سطح اور فقہی مسلک ایک دوسرے سے مختلف، یہ اختلاف بیان کردہ واقعات کی شکل اور ہیئت پر گہرا اثر ڈالتا تھا، یہ ایسے خطوط میں زیادہ نمایاں نظر آتا ہے جن کا موضوع مالی معاملات اور منافع ہوتے ہیں۔

۱۵۔ ولید بن عقبہ کے نام

ولید بن عقبہ کی گورنری کے اواخر میں کوفہ کے چند سرپھروں نے ایک شخص کے گھر شب میں نقب لگایا، وہ شخص بیدار ہو گیا اور پڑوسیوں کو بلانے کے لئے اُس نے چیخنا شروع کیا نقب زنوں کو یہ بات اتنی بری لگی کہ انہوں نے اس کو جان سے مار دیا، اس اثناء میں آس پاس کے کچھ لوگ مدد کو آگئے اور انہوں نے گھیرا ڈال کر نقب زنوں کو پکڑ لیا، ان کو گورنر کوفہ ولید بن عقبہ کے سامنے پیش کیا گیا، ولید نے قید میں ڈال دیا اور خلیفہ کو کیس کی پوری روداد لکھ بھیجی، عثمان غنیؓ نے حکم دیا کہ نقب زنوں کو قتل کی پاداش میں موت کی سزا دی جائے، ایسا ہی کیا گیا، نقب زنوں کے باپ اور عزیز و اقارب جاہلی عرب دستور کے مطابق ولید سے انتقام لینے کے درپے ہو گئے، انہوں نے ولید کے خلاف مہم شروع کر دی اور ایسے بہت سے لوگوں کو اپنے ساتھ کر لیا جن کو ولید یا عثمان غنی سے کد تھی، ولید پر شراب نوشی کی تہمت انہی لوگوں نے لگائی اور چونکہ ولید کے مکان پر پہرہ یا کوئی گیٹ نہ تھا اور ہر شخص کو ضرورت پڑنے پر اندر آنے کی اجازت تھی، یہ لوگ اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر اُن کی انگلی سے جب وہ سوئے ہوئے تھے۔ وہ انگوٹھی نکال لے گئے جس سے سرکاری مہر لگائی جاتی تھی اور مشہور کیا کہ ولید کی بے ہوشی کے عالم میں ہم نے ایسا کیا ہے، مخالفت کی یہ مہم چلی ہوئی تھی کہ ولید کے پاس ایک جادوگر لایا گیا، ولید نے اس سے پوچھ گچھ کی تو اس نے اپنے جادوگر ہونے کا اعتراف کیا اور اس اعتراف کی تائید میں اس نے جادو کا یہ کرتب دکھایا کہ گدھے کی دم سے داخل ہوا اور اس کے منہ سے نکل آیا، ولید نے فقیہ عبداللہ بن مسعود سے جو کوفہ

میں معلمِ قرآن تھے رجوع کیا تو انہوں نے جادوگر کو قتل کرنے کا فتویٰ دیا، اس فتویٰ پر عملدآمد نہیں ہوا تھا کہ یہ افواہ گرم ہوگئی کہ ولید جادوگر کا تماشا دیکھتا ہے، منتقم گروہ کے ایک فرد نے اِس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا، اس کا نام جُندُب تھا اور اس کا لڑکا ان نقب زنوں میں سے تھا جن کو عثمانؓ نے قتل کرایا تھا، یہ جادوگر کے پاس گیا اور اس کو خوب مارا لیکن قبل اس کے کہ وہ جادوگر کا خاتمہ کردے اس کو گرفتار کرلیا گیا، اس واقعہ کی رپورٹ ولید نے عثمان غنیؓ کو بھیجی اور ان سے پوچھا کہ جُندُب کو کیا سزا دی جائے تو جواب آیا:-

"جُندُب سے حلف لو کہ اس کو اس بات کا علم نہ تھا کہ تم جادوگر کو سزا دینے کا فیصلہ کرچکے تھے نیز یہ کہ وہ سچے دل سے یہی سمجھتا تھا کہ جادوگر کو سزا نہیں دی جائے گی، پھر اس کو مناسب سزا دے کر چھوڑ دو، لوگوں کو تاکید کردو کہ گمان اور ظن کی بنیاد پر کوئی کام نہ کریں (اور قانون اپنے ہاتھ میں نہ لیں) کیونکہ ہم خود مجرم اور قاتل کو سزا دیں گے۔"[1]

۱۶- اہلِ کوفہ کے نام

بظاہر یہ خط بھی ایک جادوگر کے بارے میں ہے، راوی نے اس کے کرتبوں کے لئے سحر کی جگہ لفظ نِیرَنج (نیرنگ) استعمال کیا ہے جس کے معنی شعبدہ بازی، نظر بندی اور کبھی جادو کے بھی آتے ہیں، ممکن ہے یہ شخص جادوگر نہ ہو بلکہ محض نظر اور ہاتھ کے کرتب دکھاتا ہو، اِسناد اس کی اور متذکرہ بالا خط کی بالکل ایک ہے اور دونوں کا زمانۂ نگارش بھی قریب قریب ہے لیکن دونوں کا مضمون بالکل مختلف ہے، پہلے خط کے ضمن میں جادوگر کا نام نہیں دیا گیا لیکن اس خط کے مقدمہ میں شعبدہ باز کے نام کی تصریح کردی گئی ہے، خط کا سیاق وسباق اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ عثمان غنیؓ کو خبر ملی کہ کعب بن ذُبَیکَۃ نامی ایک شخص نیرنگ کرتا ہے، انہوں نے ولید بن عقبہ کو لکھا کہ کعب سے استفسار کیا جائے اور اگر وہ شعبدہ باز ہونے کا اقرار کرے

---

[1] سیف بن عمر۔ تاریخ الامم ۵/ ۶۱۔

تو اس کو سخت سزا دی جائے، ولید نے کعب کو بلا کر انکوائری کی تو اس نے کہا: میں جادو نہیں کرتا، ہاتھ کی صفائی اور کرتب دکھاتا ہوں جس سے لوگ خوش ہوتے ہیں اور ان کا دل بہلتا ہے، تاہم کعب کو مناسب سزا دے دی گئی۔ اس واقعہ کے چند روز بعد عثمان غنی کا یہ فرمان موصول ہوا۔

"آپ کے سامنے سنجیدہ زندگی کا نمونہ پیش کیا گیا ہے، اس لئے سنجیدگی سے رہیئے اور مسخروں سے بچیئے۔"[1]

۱۷۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح

۲۵ھ اور بقول بعض ۲۷ھ میں جب عمرو بن عاص نے مصر کی گورنری سے استعفا دے دیا تو عثمان غنیؓ نے عبداللہ بن سعد کو جو عمرؓ کے زمانہ سے مصر کے وزیر مالیات تھے گورنر مقرر کر دیا۔ ۲۲ھ میں عمرو بن عاص نے مصر کی غربی سرحد محفوظ کرنے کے لئے ساحل سمندر سے متصل اس وسیع ملک پر جو طرابلس تک پھیلا ہوا تھا اور جس کے حدود قریب قریب وہی تھے جو عصر حاضر میں لیبیا کے ہیں بذریعہ معاہدہ قبضہ کر لیا تھا، یہ بازنطینی حکومت کا صوبہ تھا، اس سے متصل مغرب میں تا ساحل سمندر ایک اور بازنطینی صوبہ تھا جس کو افریقیہ کہتے تھے اور جس پر موجودہ تونس، الجیریا اور مراکش کا اطلاق ہو سکتا ہے، عمرو بن عاص اسکندریہ سے کوئی ڈیڑھ ہزار میل دور آ چکے تھے لیکن ان کے حوصلے اب بھی جوان تھے اور وہ افریقیہ کو بھی مسخر کرنا چاہتے تھے، انہوں نے اس کی اجازت مانگی لیکن عمر فاروقؓ نے اجازت نہ دی اور لکھا:۔

"افریقیہ اختلاف و نزاع کا ملک ہے، یہاں کے لوگ غدار ہیں، میں جب تک زندہ ہوں اس پر کوئی فوج کشی نہیں کر سکتا۔"[2]

عثمان غنی نے خلیفہ ہو کر عربوں میں حزبیت، تشتت اور افتراق کا بڑھتا ہوا رجحان

---

[1] سیف بن عمر۔ تاریخ الامم ۵/۱۳۰ [2] فتوح مصر ابن عبدالحکم ص۱۷۳۔

دیکھا جس کی ایک اہم وجہ فرصت اور بے عملی تھی تو انہوں نے ان کو مصروف و مشغول رکھنے کے لئے جہاد اور فتوحات کا ایک منصوبہ بنایا، اس منصوبہ میں اِفریقیہ (تونس، الجیریا اور مراکش) کی فتح بھی شامل تھی، عبداللہ بن سعد بن ابی سَرح مصر کے گورنر ہوئے تو عثمان غنیؓ نے ان کو اِفریقیہ پر فوج کشی کرنے کو لکھا اور اس مہم کے لئے مدینہ سے فوج بھیجنے کا بھی وعدہ کیا مختلف دقتوں کی بنا پر عبداللہ خلیفہ کی خواہش کو عملی جامہ نہ پہنا سکے، عثمان غنیؓ سے زیادہ نہ رکا گیا اور انہوں نے عبداللہ میں حرارتِ عمل پیدا کرنے کے لئے ایک طرف مدینہ سے کافی فوج بھیج دی، جس میں صحابہ کے علاوہ صحابہ کے لڑکوں اور اقارب کی خاصی تعداد تھی اور دوسری طرف انہوں نے عبداللہ کو خمس (مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ جو مرکز کے لئے مخصوص تھا) کا خمس بطور انعام دینے کا وعدہ کیا، عبداللہ کافی بڑی فوج لے کر روانہ ہوئے اور اِفریقیہ کے بازنطینی گورنر کو شکست دی، مالِ غنیمت کے چار حصے فوج نے آپس میں بانٹ لئے اور پانچواں حصہ حکومت مدینہ کے لئے الگ کر دیا گیا، خمس کا خمس عبداللہ بن سعد بن ابی سَرح نے خود لے لیا جیسا کہ عثمان غنیؓ نے ان سے وعدہ کیا تھا، یہ بات فوج کو ناگوار ہوئی اور خاص طور سے مدینہ سے آئے لوگوں نے اس کو زیادہ محسوس کیا کیونکہ عبداللہ عثمان غنیؓ کے رضاعی بھائی تھے اور یہ بات پہلے سے مدینہ کے لوگوں کو کھٹک رہی تھی کہ عثمان غنیؓ کنبہ پروری سے کام لے رہے ہیں، عبداللہ نے پانچواں حصہ لے کر باقی خمس اور ایک وفد فتح کی رپورٹ دینے مدینہ بھیجا، وفد نے عبداللہ کی شکایت کی اور خمس الخمس لینے پر اعتراض کیا، عثمان غنیؓ نے کہا: میں نے اِفریقیہ پر فوج کشی کرنے کی صورت میں عبداللہ کو یہ حصہ بطور انعام دینے کا وعدہ کیا تھا، اگر آپ لوگوں کو ناگوار ہو تو میں ان سے یہ حصہ واپس لے لوں گا، وفد نے کہا:
واقعی ہم کو ناگواری ہے، آپ یہ عطیہ ان سے واپس لے لیجئے اور چونکہ وہ ہماری اس شکایت سے ناراض ہو کر ہم کو یقیناً نقصان پہنچانا چاہیں گے اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ آپ ان کو اِفریقیہ سے ہٹالیں، عثمان غنیؓ نے ان کے دونوں مطالبے مان لئے اور عبداللہ کو یہ خط بھیجا:

"افریقیہ پر کسی ایسے شخص کو جو تمہارے خیال میں مناسب ہو اور جس پر مسلمانوں کو بھی اعتماد ہو، گورنر مقرر کردو اور خمس کا پانچواں حصہ جو میں نے تم کو بطور انعام دیا تھا، غریبوں میں تقسیم کردو، میرے اس فعل سے مسلمان ناخوش ہیں[1]"۔

اس سلسلہ میں ایک دوسری اور زیادہ مشہور لیکن ضعیف روایت یہ ہے کہ عثمان غنیؓ نے خمس افریقیہ اپنے سکریٹری اور داماد مروان بن حکم کو عطا کیا تھا، اس روایت پر ہم مقدمہ میں جہاں عثمان غنیؓ پر اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے، تبصرہ کرچکے ہیں، رہی پہلی روایت جس کے بموجب عثمان غنیؓ نے عبداللہ بن ابی سرح کو خمس الخمس عطا کیا تھا تو اگر یہ صحیح بھی ہو تو اس کی نظیر عمر فاروقؓ کے عہد میں موجود تھی اور یہ کوئی منفرد اور غیر مسنون سابقہ نہیں تھا، عمر فاروقؓ نے ایک سردار اور صحابی جریر بن عبداللہ بجلی اور ان کے قبیلہ کو عراق کی جنگ بُویب میں شرکت کی ترغیب کے لئے خمس کا چوتھا حصہ پیش کیا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ ترغیبی پیشکش کل مزروعہ عراق (سواد) کے چوتھائی حصہ پر مشتمل تھی، نیز یہ کہ جریر عملاً تین سال تک اس حصہ کا لگان بھی وصول کرتے رہے تھے[2]۔

۱۸۔ عبداللہ بن ابی سرح کے نام

خط نمبر ۱۷ اور اُس کا سیاق وسباق سیف بن عمر کی روایت پر مبنی ہے، فتوح ابن اعثم کے راوی بالکل مختلف سیاق وسباق پیش کرتے ہیں اور ایک ایسا خط جو سیف کے خط سے قطعاً میل نہیں کھاتا، ہمارے خیال میں ابن اعثم کی رپورٹ زیادہ مستند اور لائق اعتماد ہے، اس کے مطابق افریقہ پر حملہ کی خواہش عثمان غنیؓ نے نہیں بلکہ خود عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے کی تھی، جیسا کہ قارئین کو معلوم ہے عبداللہ کا تعلق بنی اُمیہ سے تھا اور جس طرح بنو امیہ اور بنو ہاشم کے درمیان رقابت و منافست کی

---

[1] سیف بن عمر۔ تاریخ الامم ۵/۴۹ ۔ [2] الاکتفاء کلاعی بلنسی قلمی دارالکتب قاہرہ ص۲۹۹ وفتوح البلدان ص۲۶۶۔ ۲۶۸ وکتاب الاموال قاسم بن سلام مصر ص۶۱ ۔

کی روح کارفرما تھی اسی طرح بنو اُمیہ کے ممتاز گھرانوں میں بھی ایک دوسرے سے پیش قدمی کا جذبہ نہایت طاقتور تھا، عثمان غنیؓ کی خلافت کے تیسرے چوتھے سال گورنر شام امیر معاویہ نے بحر متوسط کے کئی جزیرے فتح کر لئے تھے اور حال میں ان کی فوجیں بازنطینی پایہ تخت قسطنطینیہ تک بڑھ گئی تھیں، ان فتوحات اور عسکری کارروائیوں میں بہت سامال غنیمت ان کے ہاتھ لگا تھا، دوسری طرف گورنر کوفہ ولید بن عُقبہ نے آذربیجان اور آرمینیہ میں ترکتازی کر کے عربی قلمرو کا دائرہ بڑھا دیا تھا اور بڑی مقدار میں مال غنیمت سے بہرہ در ہوئے تھے اپنے خاندانی حریفوں کی ان کارروائیوں کو دیکھ کر عبداللہ بن سعد کیسے خاموش بیٹھتے، انہوں نے افریقہ (تونس، الجیریا اور مراکش) کو مسخر کرنے اور وہاں سے مال غنیمت حاصل کرنے کا منصوبہ تیار کیا اور عثمان غنیؓ کو لکھا کہ یہ علاقہ بہت دولتمند ہے اور چونکہ یہاں کی حکومت کمزور ہے اس پر آسانی سے قبضہ کیا جاسکتا ہے، عثمان غنی ہچکچائے اور عبداللہ کو لکھا:-

"افریقہ پر حملہ کرنا مناسب نہیں، امیرالمومنین عمرؓ کو میں نے کہتے سنا ہے کہ اپنے جیتے جی میں کسی مسلمان کو افریقہ پر حملہ نہ کرنے دوں گا، ان کو افریقہ پر فوج کشی ناپسند تھی اس لئے میں بھی ناپسند کرتا ہوں، میں نہیں چاہتا کہ مسلمان اس ساحلی علاقہ میں جا کر سرگرداں اور پریشان ہوں[۱]"

اس مراسلہ سے عبداللہ کی حوصلہ شکنی تو ضرور ہوئی لیکن انہوں نے فوج کشی کا ارادہ ترک نہیں کیا، کچھ دن خاموش رہ کر انہوں نے تونس پر ترکتازی کے لئے رسالے بھیجے جو بہت سامال غنیمت لے کر واپس ہوئے، عبداللہ نے خمس کے ساتھ مرکز کو ایک رپورٹ بھیجی جس میں تونس کی اس تازہ ترکتازی، وہاں کی دولت اور آسان فتح کا بڑے پُرجوش انداز میں ذکر تھا، عثمان غنی کی ہمت بڑھ گئی، انہوں نے عبداللہ کو فوج کشی کی اجازت

---

[۱] فتوح ابن اعثم ورق ۲۷۶۔

دے دی اور مدینہ سے صحابہ اور ان کے جوان لڑکوں کا ایک بڑا دل بھی بھیجا، آنے والی جنگ میں جو مالِ غنیمت عربوں کے ہاتھ آیا اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ خمس نکالنے کے بعد بیس ہزار فوج کے ہر سوار کو پندرہ ہزار اور ہر پیادہ سپاہی کو پانچ ہزار روپے کا حصہ ملا، اس شکست سے بوکھلا کر افریقیہ کے رئیسوں نے عربوں سے یہ معاہدہ کر لیا کہ وہ ان کو سالانہ چھتیس لاکھ روپے دیا کریں گے اور عرب اپنے علاقہ کو لوٹ جائیں گے اور ان کے ملک پر حملہ نہیں کریں گے، یہ معاہدہ کر کے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مصر واپس چلے آئے۔[۱]

۱۹۔ اَندلُس پر چڑھائی کرنے والے مجاہدوں کے نام

سیف بن عمر کی رائے ہے کہ اَندلُس عثمان غنیؓ کے زمانہ میں اور براہِ راست ان کے حکم سے فتح ہوا، زیادہ مقبول اور مستند قول یہ ہے کہ اس کو طارق نے ۹۲ھ میں فتح کیا تھا جب شمالی افریقہ پر عربوں کا اچھی طرح عمل دخل ہو گیا تھا، سیف بن عمر کا تعلق کوفہ کے ایک ایسے مدرسۂ تاریخ سے ہے جو سطحی اسلامی جوش اور عرب قومیت کے نشہ سے سرشار تھا، سیف کا انتقال ہارون الرشید کے عہد میں ۱۷۰ھ کے لگ بھگ ہوا، ردّہ اور ابتدائی فتوحاتِ اسلام پر دو کتابوں کے مصنف بھی تھے جو خود تو ناپید ہو گئیں لیکن بعد کے مورخوں، بالخصوص ابوجعفر طبری نے ان سے خوشہ چینی کی ہے، سیف کے بیانات اگرچہ بالعموم مفصل اور مربوط ہوتے ہیں اور اس اعتبار سے دوسرے رُواۃ کی نسبت قاری کے لئے دلکش اور اطمینان بخش لیکن تحقیق کی میزان میں ان کا وزن ہلکا ہوتا ہے، ان پر مبالغہ، جھوٹ اور وضع کی ملمع کاری ہوتی ہے، ان کا مقصد عرب تاریخ میں عظمت اور شان پیدا کرنا ہوتا ہے، ہمارے خیال میں فتح اَندلُس سے متعلق سیف کی مجمل اور مبہم رپورٹ درست نہیں اور اس لئے اس سے متعلق خط بھی یقیناً جعلی ہے، یہ تو آپ خط نمبر ۱

---

[۱] معجم البلدان ۱/۳۰۱، فتوح مصر ابن حکم ص۱۸۳۔

میں جس کی روایت بھی سیف کے مدرسہ کی طرف سے ہوئی ہے بڑھ چکے ہیں کہ عثمان غنیؓ کے پاس خمس افریقہ جمع کرنے جو وفد آیا تھا اس نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو شمالی افریقہ سے ہٹانے کی مانگ کی تھی جس کو عثمان غنیؓ نے منظور کر لیا تھا، عبداللہ شمالی افریقہ میں وہ نائب مقرر کر کے مصر واپس چلے گئے، ان کا نام عبداللہ بن نافع بن حصین اور عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس ہے، یہ کون تھے؟ ہم نہیں بتا سکتے، رجال کی کتابوں میں ان کا کوئی ذکر نہیں، تابعی ہو سکتے ہیں لیکن خلفائے راشدین کے زمانہ میں کمانڈری اور گورنری بالعموم صحابہ کو دی جاتی تھی، عثمان غنیؓ نے اندلس پر چڑھائی کرنے کا دونوں کو حکم دیا اور ان مجاہدوں کے نام یہ مراسلہ بھیجا جو اس ڈیوٹی کے لئے منتخب کئے گئے تھے:۔

"واضح ہو کہ قسطنطنیہ اندلس کی راہ سے فتح ہوگا، اگر تم نے اندلس مسخر کر لیا تو تم فاتحین قسطنطنیہ کے اجر میں شریک ہو جاؤ گے، والسلام"[1]

۲۰۔ خط کی دوسری شکل

"واضح ہو کہ قسطنطنیہ براہ اندلس فتح ہوگا۔"[2]

۲۱۔ ابو موسیٰ اشعری کے نام

اسلام سے پہلے ابو موسیٰ اشعری تجارت کرتے تھے، وہ بحر قلزم کے ساحلی مقامات، جزیروں اور ملک حبش کا سفر بھی کر چکے تھے، سیاحت اور تجارت سے ان کا ذہنی افق وسیع ہو گیا تھا اور دنیوی معاملات کی سوجھ بوجھ پیدا ہو گئی تھی، ۱۰ھ میں ان کو رسول اللہؐ نے یمن کے چند ضلعوں میں اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا اور عمر فاروقؓ نے ۱۷ھ میں ان کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا، ۱۷ھ سے ۲۳ھ تک جب عمر فاروقؓ کا انتقال ہوا وہ اسی عہدہ پر فائز رہے اور اس اثنا میں کئی بار فوجیں لے کر خوزستان اور فارس میں فتوحات کے لئے بھی گئے، چونکہ پرانے تجربہ کار اور کارگذار صحابی تھے، عثمان غنیؓ نے خلیفہ ہو کر ان کو برقرار

---

[1] سیف بن عمر۔ تاریخ الامم ۵۰/۵ ۔ [2] تاریخ کامل، ابن اثیر ۳/۳۶۔

رکھا اور ۲۴ھ سے ۲۹ھ تک وہ حکومت بصرہ کے سربراہ رہے، ۲۹ھ میں خوزستان کے کردوں نے بغاوت کی تو انہوں نے جہاد کا اعلان کر دیا اور بصریوں کو پاپیادہ اس مہم پر جا کر عنداللہ ماجور ہونے کی ترغیب دی، اُن میں سے کچھ بخوشی اور کچھ بادلِ ناخواستہ پیدل جانے پر راضی ہو گئے لیکن چلتے وقت جب انہوں نے دیکھا کہ گورنر کا سامان چالیس خچروں پر لدا ہوا ہے تو وہ بہت برہم ہوئے، اُن کی طرف سے ایک گروہ کے دل میں پہلے ہی سے کدورت موجود تھی، یہ لوگ ایک وفد لے کر عثمان غنیؓ کے پاس گئے اور کہا کہ "ابو موسیٰ کو معزول کر دیجئے، ہم ان سے عاجز آ گئے ہیں، وہ بڑے کنبہ پرور اور قبیلہ نواز ہیں" وفد کی خواہش تھی کہ کوئی جوان گورنر بنے تاکہ اس کو اپنے اثر میں رکھ سکیں اور وہ حکومت کے معاملات میں ان کا دست نگر رہے، عثمان غنی نے ان کی عرضداشت منظور کی اور عبداللہ بن عامر کو گورنر مقرر کیا، عبداللہ پچیس سالہ جوان اور عثمان غنی کے ماموں زاد بھائی تھے، یہ کوئی بڑے مدبر تو نہ تھے لیکن ان کے مزاج میں نرمی اور فیاضی بے حد تھی اور یہ وہ صفات تھے جن کو عربوں میں بڑی مقبولیت حاصل تھی، اس موقع پر عثمان غنیؓ نے ابو موسیٰ اشعری کو یہ مراسلہ بھیجا:۔

"میں تم کو نا اہلی یا بددیانتی کی وجہ سے برطرف نہیں کر رہا ہوں، مجھے معلوم ہے کہ تم کو رسول اللہ، ان کے بعد ابو بکرؓ اور پھر عمرؓ نے عہدے دیئے تھے میں تمہاری اعلیٰ خدمات سے واقف ہوں، مجھے اس بات کا بھی پورا شعور ہے کہ تمہارا تعلق مہاجرین اولین میں سے ہے، تم کو ہٹانے کی وجہ یہ ہے کہ میں عبداللہ بن عامر سے اپنا رشتہ بنا رہنا چاہتا ہوں، میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ وہاں پہنچ کر تم کو پندرہ ہزار روپے کا عطیہ دیں[1]"

اس خط کو پڑھ کر قارئین حیران ہوں گے کیونکہ اس میں اور اس کے مقدمہ میں کھلا ہوا

---

[1] طبقات ابن سعد ۵/۳۱۔

تناقض ہے، مقدمہ میں ابوموسیٰ اشعری کی برطرفی کا سبب اہلِ بصرہ کی شکایت بتائی گئی گئی ہے اور خط میں قرابت داری کو اس کا محرک قرار دیا گیا ہے، تناقض کی وجہ یہ ہے کہ خط اور مقدمہ کے راوی اور ماخذ الگ الگ ہیں اور جیسا کہ قارئین کو معلوم ہے اختلافِ رُواۃ سے عربی تاریخ و حدیث میں ایک ہی مضمون کبھی اپنے لفظ اور اسلوب کبھی تفصیلات اور کبھی مرکزی خیال میں بدل جاتا ہے، مقدمہ ابن جریر طَبری نے اپنی تاریخ[1] میں بیان کیا ہے اور خط ابنِ سعد نے طبقات میں، ہمارا خیال ہے کہ ابوموسیٰ اشعری کی معزولی کا اصلی سبب وفد بصرہ کی شکایت ہی تھی، رہا خط تو وہ غالباً عثمان غنی کے مخالفوں نے توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔

۲۲۔ عبداللہ بن عامر کے نام

عثمان غنی کے عہد میں پہلی بار دنیائے اسلام میں مہمان خانے قائم ہوئے، عراق، شام اور جنوب غربی ایران میں فتوحات کے بعد امن و قرار کا ماحول پیدا ہوگیا تھا اور مسلم وغیر مسلم ایک جگہ سے دوسری جگہ بسلسلۂ تجارت وملاقات آنے جانے لگے تھے، ان لوگوں میں بہت سے ایسے تھے جن کے عزیز یا ہم قبیلہ پردیسوں میں پہلے سے آباد تھے اور یہ لوگ ان کے ہاں قیام کیا کرتے لیکن ایسے افراد کی تعداد بھی کم نہ تھی جن کا پردیسوں میں کوئی رشتہ دار یا دوست شناسا نہ ہوتا، ان لوگوں کو وہاں پہنچ کر خوب پریشانی اٹھانی پڑتی، مہمان خانوں کی ابتدا ہمارے مورخوں نے اس طرح بیان کی ہے کہ کوفہ میں جب کوئی قافلہ آتا تو وہاں کے کچھ خیر اندیش لوگ منادی کراتے کہ جن لوگوں کے عزیز واقارب نہ ہوں وہ ہمارے ہاں آکر ٹھہریں[2]۔ ان لوگوں نے شہر میں کئی جگہ مکان لے لئے تھے، جہاں پردیسیوں کو ٹھہرایا جاتا تھا، یہ سنہ۲۹ھ کے لگ بھگ کا واقعہ ہے، عثمان غنیؓ کو جب معلوم ہوا کہ کوفہ میں مہمان خانے کھولے گئے ہیں تو ان کو یہ اقدام پسند آیا

[1] ۵/۵۴ — ۵۵ [2] تاریخ الامم ۵/۹۱ — ۶۰

اور انہوں نے مدینہ کے مسافروں اور سرکاری عملہ کے لئے اکثر صدر مقاموں میں ڈاک بنگلے بنوا دیئے، ذیل کا خط اسی موضوع پر ہے :-

"بصرہ میں ایک مہمان خانہ بنواؤ جس میں مدینہ کے مسافر اور ہمارے موالی (جو تجارت وغیرہ کے لئے جاتے ہیں) قیام کر سکیں"[1]

یہ حکم پا کر ابن عامر نے جن کو رفاہی کاموں سے خاص دلچسپی تھی ایک ہی جگہ آمنے سامنے دو مہمان خانے بنوائے، جن میں سے ایک کا نام قصر عثمان تھا اور دوسرے کا قصر ملہ[2]۔

۲۳- عبداللہ بن مسعود کے نام

ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کے عہد میں جزیرہ نمائے عرب کے ہزاروں دیہاتی فوج میں بھرتی ہو گئے تھے، عمر فاروق کے زمانہ میں یہ لوگ عراق و شام فتح کر کے بصرہ اور کوفہ میں آباد ہو گئے، جب کہیں بغاوت ہوتی یا نئی فتح کے لئے فوج بھیجی جاتی تو یہ لوگ باری باری سے جایا کرتے لیکن زیادہ تر ان کو فرصت ہی رہتی، حکومت کی طرف سے ان کا راشن اور تنخواہ مقرر تھی، فرصت اور فراغبالی انسان کے دوست نما دشمن ہیں ان کو پا کر کچھ لوگ عیاش ہو جاتے ہیں اور کچھ مفسد، اجتماعی صلاح و توازن کے لئے فراغبالی کے ساتھ فرصت کا جوڑا اکثر مضر ثابت ہوتا ہے جیسا کہ عربوں کے معاملہ میں ہوا عثمان غنی کے خلاف جو تحریک اٹھی وہ فراغبالی کے ساتھ فرصت ہی کی مرہون تھی، رسول اللہ جو یہ نکتہ سمجھتے تھے کبھی کبھی اپنے ساتھیوں سے کہتے کہ میں تمہارے فقر سے زیادہ تمہاری خوشحالی سے خائف ہوں اور جب وہ حیرانی سے پوچھتے یہ کیوں تو وہ کہتے : اس لئے کہ خوشحالی آتے ہی تم آپس میں لڑنے لگو گے" فرصت کے اوقات میں بصرہ اور کوفہ کے فوجی عرب اکثر ٹولیاں بنا کر مل بیٹھتے اور حالات حاضرہ پر گفتگو، تبصرہ اور نقد کیا کرتے، یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ یمامہ کے قبیلہ بنو حنیفہ کا ایک لیڈر مسیلمہ تھا جو رسول اللہ کے مقابلہ میں نبی

---

[1] تاریخ الامم ۵/۵۹-۶۰۔ [2] معجم البلدان ۷/۹۸۔

بن بیٹھا تھا اور جس کی نبوت بنو حنیفہ نے تسلیم کر لی تھی، یہ لوگ ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں اس جوش اور لگن سے لڑے تھے کہ اسلامی فوج کا بیشتر حصہ مارا گیا تھا، بنو حنیفہ مسلمان ہو گئے تھے لیکن ان میں ایسے افراد اب تک موجود تھے جو مسیلمہ کو عقیدت کی نظر سے دیکھتے تھے، عبداللہ بن مسعود کو جو کوفہ میں سرکاری معلم قرآن تھے معلوم ہوا کہ بنو حنیفہ کی ایک جماعت مسیلمہ کے مناقب بیان کرتی ہے اور اس کی نبوت کی معترف ہے، انہوں نے اس گروہ کو گرفتار کر لیا اور مرکز سے ان کی شکایت کی تو یہ فرمان آیا۔

"ان لوگوں کو دین اسلام اور کلمۂ شہادت کی دعوت دو، جو اس دعوت کو مان لے اور مسیلمہ کی نبوت سے توبہ کر لے اس کو چھوڑ دو اور جو ایسا نہ کرے اور مسیلمہ کا قائل رہے اس کو قتل کر دو۔[۱]"

۲۴۔ عبداللہ بن مسعود کے نام

اپنی امارت کوفہ کے زمانہ میں ولید بن عقبہ کو روپے کی ضرورت ہوئی، خزانہ کے نگراں عبداللہ بن مسعود تھے، ولید نے ان سے روپیہ قرض لیا اور ایک وقت مقررہ پر واپس کرنے کا وعدہ کر لیا، یہ کوئی نئی بات نہ تھی، مسلم عرب حکام اپنی ذاتی ضرورت کے لئے خزانہ سے برابر قرض لیا کرتے تھے اور بعد میں ادا کر دیتے تھے، ابو بکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ عثمان غنیؓ سب وقتاً فوقتاً بیت المال سے قرضے لیتے رہتے تھے، عمر فاروقؓ کا جب انتقال ہوا تو ان پر بیت المال کا تینتالیس ہزار روپے (چھیاسی ہزار درہم) قرضہ تھا جو اُن کی جائداد سے ادا کیا گیا، کسی مجبوری کے باعث ولید مقررہ میعاد پر قرضہ ادا نہ کر سکے تو عبداللہ بن مسعود نے ان سے تقاضہ کیا، ولید نے معذرت کی اور کہا ابھی روپے کا بندوبست نہیں ہوا، پھر دے دوں گا، عبداللہ بن مسعود بگڑ گئے، اور دونوں میں بدکلامی ہوئی، ولید کو قدرتی طور پر عبداللہ بن مسعودؓ کی سختی ناگوار گذری کیونکہ وہ گورنر تھے اور نگرانِ خزانہ

---

[۱] سنن کبریٰ بیہقی ۸/۲۰۱ و کنز العمال ۱/۹۷-۸۰۔ تھوڑے فرق کے ساتھ۔

اصولاً ان کا ماتحت، ولید نے وہ ترش باتیں جو عبداللہ بن مسعود نے کی تھیں عثمان غنی کو لکھ بھیجیں، وہ آزردہ ہوئے اور یہ عتاب آمیز خط عبداللہ کو لکھا:۔

"واضح ہو کہ تم ہمارے خزانچی ہو لہٰذا اس روپئے کے بارے میں ولید کو پریشان نہ کرو جو انہوں نے بیت المال سے لیا ہے[1]"۔

عبداللہ بن مسعود خط پڑھ کر سخت برہم ہوئے، خزانہ کی چابیاں لیں اور ولید کے سامنے لے جا کر پھینک دیں اور بولے: "میں سمجھتا تھا کہ میں مسلمانوں کا خزانچی ہوں مجھے تمہارا خزانچی نہیں بننا ہے!" اس واقعہ نے عثمان غنیؓ کے ساتھ عبداللہ کی وفاداری پر کاری ضرب لگائی اور وہ عثمان غنی اور ان کی حکومت کے بداندیش ہو گئے۔

۲۵۔ ولید بن عقبہ کے نام

کوفہ میں عثمان غنیؓ کے مخالفوں میں تین قسم کے لوگ تھے: ایک وہ جن کو اُن سے ذاتی پرخاش تھی دوسرے وہ جو اُن کے گورنروں سے ناخوش تھے اور تیسرے وہ جو اُن کو معزول کر کے علی حیدرؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے، اس تیسرے گروہ میں سب سے پہلے جن لوگوں نے عثمان غنیؓ کے خلاف اور علی حیدرؓ کے حق میں پبلک ایجی ٹیشن شروع کیا وہ کوفہ کے دو عرب تھے، عمرو بن زُرارہ نخعِیؒ اور کمیل بن زیاد نخعِی، ان دونوں کے باپ صحابی تھے، ایک دن گورنر کوفہ ولید بن عقبہ کو خبر ہوئی کہ عمرو بن زُرارہ نخعِی نے عام جلسہ میں عثمان غنیؓ کو بُرا بھلا کہا اور علی حیدرؓ کی منقبت بیان کر کے لوگوں سے اپیل کی کہ ان کو خلیفہ بنانے کی کوشش کریں، ولید نے عمرو بن زُرارہ کی بغاوت انگیز تقریر کی رپورٹ عثمان غنیؓ کو بھیجی تو یہ جواب آیا:۔

"ابنِ زُرارہ ایک بیہودہ بدو ہے، اس کو کوفہ سے جلاوطن کر کے شام بھیج دو[2]"۔

---

[1] ابو مخنف - انساب الاشراف ۵/۳۰۔

[2] انساب الاشراف ۵/۳۰۔

۲۶۔ عثمان بن ابی العاص ثقفی کو دستاویز

عثمان بن ابی العاص ثقفی طائف کے ایک تاجر کے بیٹے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان میں صلاحیت دیکھ کر طائف کی گورنری ان کو سونپ دی تھی، اس عہدہ پر وہ پانچ چھ سال فائز رہے، باحوصلہ آدمی تھے، ترقی کے آرزومند، عمر فاروقؓ نے ان کو بحرین و عمان اور بقول بعض بحرین و یمامہ کا گورنر مقرر کیا، خلیج فارس کا جنوبی ساحل بحرین کہلاتا تھا، اس پر اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی، شمالی ساحل پر ساسانیوں کی حکومت تھی، عثمان ثقفی نے ایک بیڑہ تیار کر کے شمالی ساحل پر فوجیں اُتار دیں اور چند شہروں پر قابض ہو گئے انہوں نے یہاں کئی فوجی اڈے بنائے جہاں سے اندرون ساحل کے شہروں پر چڑھائی کیا کرتے تھے، خلیج فارس کا یہ شمالی ساحل ساسانی حکومت کے صوبۂ فارس کا حصہ تھا۔ اس کی حدیں مشرق میں کرمان اور مغرب میں خوزستان (اہواز) سے ملی ہوئی تھیں، صوبۂ فارس میں پہاڑ، دریا اور قلعے بہت تھے، اس وجہ سے یہاں تسخیر کا کام بہت دشوار تھا، تاہم عثمان ثقفی برابر آگے بڑھتے رہے حتیٰ کہ وسط صوبہ تک پہنچ گئے اور اگلے چند سال میں انہوں نے اس کا بیشتر حصہ فتح کر لیا، غالباً ۲۹ھ میں ان کو عثمان غنیؓ نے معزول کر دیا، معزولی کے صحیح اسباب ہمیں معلوم نہیں لیکن قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ بصرہ کے نئے گورنر عبداللہ بن عامر بن کریز کے اشارہ سے ایسا کیا گیا، عبداللہ اسی سال یا کچھ پہلے گورنر ہوئے تھے، نو عمر اور با امنگ آدمی تھے، ان کی تمنا تھی کہ مملکتِ فارس کے غیر مقبوضہ علاقوں کی فتح کا سہرا ان ہی کے سر بندھے، معزولی کے بعد عثمان ثقفی بصرہ میں آباد ہو گئے۔

مدینہ میں عمر فاروقؓ نے مسجد نبوی سے قریب عثمان ثقفی کے لئے ایک مکان خریدا تھا، ۱۷ھ میں شام سے لوٹ کر جب انہوں نے مسجد کی دیواریں پکی کرائیں اور اس کا رقبہ بڑھایا تو یہ مکان مسجد سے بے حد قریب ہو گیا، ۲۹ھ میں عثمان غنیؓ نے مسجد کی

توسیع و تجدید کرائی تو عثمان ثقفی کا مکان اس میں ضم کر دیا گیا، عثمان غنیؓ بے حد فراخ دل آدمی تھے، انہوں نے عثمان ثقفی کے دوہرے خسارہ (معزولی و مکان) کے لئے بصرہ کے پاس ان کو کافی جائداد اور اراضی عطا کی جس کا اندازہ ہمارے بعض مورخین دس ہزار جریب[1] لگاتے ہیں، اس عطیہ کی انہوں نے ایک دستاویز کے ذریعہ توثیق کی جیسا کہ ابھی آپ پڑھیں گے اور اپنے گورنر بصرہ عبداللہ بن عامر کو لکھا کہ حسب دستاویز عثمان ثقفی کو اراضی دے دیں۔

دستاویز

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، عبداللہ عثمان امیر المومنین کی طرف سے عثمان بن ابی العاص ثقفی کو یہ دستاویز دی جاتی" ہے کہ میں نے تم کو مندرجہ ذیل جائداد و اراضی دی ہے: (۱) شط (۲) اُبلہ کے سامنے والا مقابلہ؛ نامی گاؤں (۳) وہ گاؤں جو پہلے زیرِ آب تھا لیکن جس کو (ابو موسیٰ) اشعری نے قابلِ کاشت بنا لیا تھا) (۴) شط کے سامنے والی زیرِ آب اراضی و جنگلات، جزائر اور دبر جاثلیک کے مابین ان دو قبروں تک جو اُبلہ کے بالمقابل واقع ہیں۔

میں نے عبداللہ بن عامر کو ہدایت کر دی ہے کہ تم کو اتنی اراضی دے دیں جتنی تم سمجھتے ہو کہ تم اور تمہارے لڑکے درست کر کے قابلِ کاشت بنا لیں گے یا تمہارا کوئی بھائی جس کو تم اس کا کچھ حصہ دینا چاہو، اگر اس اراضی کا کوئی حصہ تم ٹھیک نہ کر سکو تو امیر المومنین کو حق ہوگا کہ وہ کسی ایسے شخص کو دے دیں جو اس کو درست کرا سکے، یہ اراضی اور جائداد میں نے تم کو اس زمین (مکان) کے عوض دی ہے جو مدینہ میں (توسیع مسجد کے لئے) میں نے تم سے لی ہے اور جس کو امیر المومنین عمرؓ نے تمہارے لئے خریدا تھا، اس جائداد اور اراضی کی جتنی قیمت تمہارے مکان کی قیمت سے زیادہ ہو وہ میری طرف سے

---

[1] ایک جریب لگ بھگ ڈیڑھ سو مربع گز۔

ہے تمہاری معزولی کی مکافات کے طور پر۔

"میں نے عبداللہ بن عامر کو لکھ دیا ہے کہ اراضی کی اصلاح کے کام میں تمہارے ساتھ تعاون کریں، خدا کا نام لے کر اس کی اصلاح میں لگ جاؤ"۔

یہاں شَطَّ، اُبُلّہ، جَزّارہ اور دیر جابِل وضاحت کے محتاج نہیں۔

شط سے مراد وہ ساری پُر دلدل اور زیر آب اراضی ہے جو دجلہ۔فرات کے جنوبی دہانہ پر اُبلّہ سے متصل بصرہ کی سمت میں لیکن بصرہ سے بارہ تیرہ میل اوپر واقع تھی۔

اُبُلّہ، دِجلہ۔فُرات کے دہانہ میں ایک بڑا بندرگاہ تھا جہاں سندھ، ہند، لنکا، انڈونیشیا اور ملایا وغیرہ سے براہِ آب اور مصر، شام، عراق، آسیا صغریٰ اور فارس سے براہ خشکی سامانِ تجارت آتا جاتا تھا، یہ بصرہ کے شمال مشرق میں چار فرسخ (لگ بھگ سترہ انگریزی میل) کے فاصلہ پر تھا، یہاں سے بصرہ تک ایک نہر تھی جس کو نہر اُبلہ کہتے تھے، اس نہر کا بقدر ایک فرسخ شمالی حصہ قدرتی تھا باقی تین فرسخ (چودہ انگریزی میل) کھودا گیا تھا۔

جَزّارہ: متن میں خرّارہ ہے جو جزّارہ کی تحریف معلوم ہوتی ہے، اُبلّہ سے ایک فرسخ (۴½ انگریزی میل) جنوب میں بہ سمت بصرہ ایک کھاڑی تھی، اس کے سرے پر ایک لمبی چوڑی جھیل سی بن گئی تھی جس میں مد کے زمانہ میں سمندر کا پانی چڑھ آتا تھا، اس جھیل کو جزّارہ یا اِجّانہ کہتے تھے، اس جھیل سے بصرہ تک ایک نہر (نہر اُبلّہ کا جنوبی حصہ) کھودی گئی جس کی لمبائی تین فرسخ تھی۔

دیر جابِل: یہ ایک گرجا تھا، اس کے جائے وقوع کی ہمارے ماخذوں نے کوئی مفید وضاحت نہیں کی، یاقوت کے بیان سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ

لے معجم البلدان ۲۶٦/٥ -

دجلہ-فرات کے جنوبی دہانہ پر واقع تھا اور یہاں سے بصرہ کی طرف ایک کھاڑی نکلتی تھی نیز یہ کہ اس کھاڑی سے عبداللہ بن عامر گورنر بصرہ نے ایک نہر کھدوائی تھی جس کو نہر نافذ کہتے تھے۔[۵]

۲۷-عبداللہ بن عامر بن کُریز کے نام

حُکَیم بن جَبَلہ بصرہ کا ایک قبائلی لیڈر تھا، اُس کا تعلق قبیلہ عبدالقیس سے تھا جو اسلام سے پہلے خلیج فارس کے ساحل پر آباد تھا، اس ساحل کو بحرین کہتے تھے، یہاں بسنے والے قبیلوں کے بہت سے افراد بحری سفر کا تجربہ رکھتے تھے اور بحرین کے جہازوں کے ساتھ مکران، سندھ، کچھ، گجرات، مہاراشٹر، کرالا اور لنکا وغیرہ کا سفر کر چکے تھے، چنانچہ پہلی صدی ہجری میں جب عرب فوجیں مکران، بلوچستان، سندھ اور گجرات کی طرف بھیجی جاتیں تو عبدالقیس کے تجربہ کار اشخاص کو کمانڈر، رہبر اور کپتان کی حیثیت سے ان کے ساتھ کیا جاتا تھا، عبدالقیس کی ایک شاخ بصرہ میں آباد ہو گئی تھی اور اس کے ساتھ حُکَیم بن جَبَلہ، ۲۹ھ میں بصرہ کے گورنر عبداللہ بن عامر نے عثمان غنیؓ کے اشارہ سے ایک کمیشن مکران اور سرحد سندھ کے حالات و وسائل کا جائزہ لینے بھیجا تو حُکَیم کو اس کمیشن کا لیڈر مقرر کیا، حُکَیم مکران تک آیا اور واپس جا کر خلیفہ کو مطلع کیا کہ وہ ایک بے آب و گیاہ وسائل سے محروم علاقہ ہے، بلوچ، جاٹ اور قفص ڈاکوؤں سے بھرا ہوا اور اس قابل نہیں کہ اس پر فوج کشی کی جائے، چنانچہ عثمان غنیؓ کے عہد میں مکران اور سندھ میں کوئی فوج نہیں بھیجی گئی،[۶] آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ کچھ دن بعد ہی حُکَیم نے عثمان غنیؓ کے مخالفوں کی صفِ اول میں جگہ لی اور ان کی حکومت کو اُلٹنے کے لئے جو تحریک چلی ہوئی تھی اس میں ہیرو کا پارٹ ادا کیا، عزت دولت، رسوخ و سربلندی کی اُمنگ اس مخالف تحریک کی روحِ رواں تھی، حُکَیم بن جبلہ بھی

---

[۵] معجم البلدان ۵/۲۶۵-۲۶۶ و فتوح البلدان ص۳۵۹ و ۳۶۰ و ۳۶۴ و کتاب المعارف ص۱۱۶-۱۱۷ و استیعاب ۲/۲۸۳ و مُحبَّر ص۱۲۷

[۶] فتوح البلدان ص۴۳۵ و استیعاب ۱/۱۲۱-

عزت و سربلندی کا متوالا تھا، گورنر بصرہ ابن عامر بڑے فراخ دست اور مخیر آدمی تھے، انہوں نے فلاحِ عام کے کام بھی کئے اور اپنی غیر معمولی فیاضی بلکہ فضول خرچی سے بصرہ کے مذہبی وقبائلی اعیان کو خوش رکھنے کی بھی کوشش کی، تاہم ایک ایسے شہر میں جہاں درجنوں قبیلے آباد تھے، جن کی تاریخ و روایات مختلف رہ چکی تھیں، جن کی امنگیں غیر متوازن تھیں اور ایک دوسرے سے متصادم بھی، سب کو خوش رکھنا ممکن نہ تھا، اس کے علاوہ مدینہ کی سیاسی پارٹیوں کے ایجنٹ اپنا کام کر رہے تھے اور نومسلم یہودی ابن سبا اپنا منتر پھونک کر بہت سے دلوں میں حکومت کے خلاف نفرت وبغاوت کے شعلے بھڑکا چکا تھا، گورنر بصرہ سے جب حُکیم کی تمنائیں پوری نہ ہوئیں تو وہ مخالف کیمپ میں چلا گیا، وہ ابن سبا کا رازدار اور جوشیلا کارکن ہو گیا۔ شاید ابن سبا کے تخریبی مشورہ کا ہی یہ اثر تھا کہ حُکیم ایک شریف آدمی کے مرتبہ سے ایک ڈاکو اور قزاق کی سطح پر آگرا، ہمارے رپورٹر بتاتے ہیں کہ جب وہ بصرہ کی فوجوں کے ساتھ کسی مہم سے لوٹتا تو سبائی ذہنیت کی ایک جماعت کے ساتھ فارس کے سرسبز دیہاتوں میں رک جاتا اور وہاں کے باشندوں کو لوٹ کھسوٹ کر واپس آجاتا، اس کی دست درازی کی شکایتیں ذمی اور مسلمان رعایا کی طرف سے خلیفہ کو موصول ہوئیں تو انہوں نے عبداللہ بن عامر کو لکھا:۔

"حُکیم اور اُس جیسے مفسدوں کو حراست میں لے لو اور جب تک اس کے چال چلن کی طرف سے اطمینان نہ ہوجائے اس کو بصرہ سے باہر نہ جانے دو۔"[1]

۲۸۔ مرکزی شہروں کے مسلمانوں کے نام

قرآن کب اور کس کے ہاتھوں مدون ہوا؟ اس سوال کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں، ایک رائے یہ ہے کہ تدوینِ قرآن کا کام عمر فاروقؓ نے اپنے عہد خلافت میں کرایا اور اس کا محرک یہ ہوا کہ ایک بار انہوں نے کسی آیت کے بارے میں دریافت کیا تو ان کو

[1] سیف بن عمر تاریخ الامم ۹۰/۵ ۔

بتایا گیا کہ وہ آیت ایک صحابی کو یاد تھی جو جنگِ یمامہ میں مارے گئے، عمر فاروقؓ نے اِنَّا لِلّٰہ پڑھی اور قرآن جمع کرنے کا حکم دے دیا، قرآن کا کافی حصہ رسول اللہؐ کے عہد میں مختلف چیزوں جیسے چمڑے، ہڈی اور کھجور کی ٹہنیوں پر لکھا ہوا موجود تھا اور کافی حصہ لوگوں کو یاد تھا، لکھا ہوا حصہ یکجا کر لیا گیا اور جو حفظ تھا اس کو لکھ لیا گیا، عمر فاروقؓ نے اعلان کیا کہ جس جس کو قرآن کی کوئی آیت یاد ہو وہ آ کر لکھوا دے، لیکن انہوں نے یہ احتیاط برتی کہ فردِ واحد کی کوئی آیت اس وقت تک نہ لیتے جب تک دوسرا شخص شہادت نہ دے دیتا کہ اس نے بھی رسول اللہؐ سے وہ آیت سنی تھی، ایک قرآن کمیشن کی نگرانی میں جب سارا قرآن جمع ہو گیا تو اس کو ترتیب دے کر لکھوا لیا گیا، پھر اس کے چار نسخے تیار کرائے گئے، ایک کوفہ بھیج دیا گیا، دوسرا بصرہ، تیسرا شام اور چوتھا مدینہ میں رکھ لیا گیا[1]

دوسری رائے یہ ہے کہ عمر فاروقؓ قرآن جمع کرنے اور لکھوانے سے ہنوز فارغ نہ ہوئے تھے کہ ان کے قتل کا واقعہ پیش آ گیا، تاہم عثمان غنیؓ نے خلیفہ ہو کر یہ کام جاری رکھا، ان کی پالیسی بھی یہی تھی کہ شخص واحد کی کوئی آیت اس وقت تک قبول نہ کرتے جب تک دوسرا اس کی توثیق نہ کر دیتا[2]

تیسری اور زیادہ مشہور متداول اور غالباً صحیح رائے یہ ہے کہ قرآن کی تدوین و کتابت میں عمر فاروقؓ نے کوئی حصہ نہیں لیا، بلکہ یہ کام عثمان غنیؓ کے عہد میں مخصوص حالات کے زیر اثر عمل میں آیا، کب؟ بقول بعض ۲۵ھ میں اور بقول بعض ۳۰ھ میں، لیکن متعلقہ اقوال و روایات کے تتبع سے اس بات کا غالب قرینہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن جمع کرنے کا کام ۲۵ھ اور ۲۶ھ یا ۲۸ھ کے درمیان واقع ہوا۔

عمر فاروقؓ نے عرب چھاؤنیوں اور صدر مقاموں میں معلم قرآن مقرر کر دیے تھے جو سب کے سب صحابہ تھے، صحابہ کی جس طرح ذہنی و اخلاقی سطح ایک دوسرے سے

---

[1] کنز العمال ۱/۲۸۲۔ [2] ایضاً۔

مختلف تھی اسی طرح ان کی یادداشت بھی ایک سی نہ تھی، چنانچہ کسی کو قرآن کی آیتیں اسی طرح یاد رہیں جیسا کہ رسول اللہؐ نے تلقین کی تھیں اور کسی کے حافظہ میں آیتوں کی ترتیب بدل گئی اور کہیں کہیں الفاظ بھی، زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ بڑے صحابہ کی الگ الگ قرأتیں مشہور ہوگئیں مثلاً مدینہ میں اُبیّ بن کعب کی قرأت مکو فہ میں عبداللہ بن مسعود کی قرأت ہر صحابی معلم کے شاگرد جب تک اپنے اپنے شہروں میں رہتے کوئی ہنگامہ نہ ہوتا لیکن جب وہ محاذ پر جاتے جہاں مختلف چھاؤنیوں کی فوجیں جمع ہوتیں اور ایک کیمپ میں بود و باش کرتیں تو خطرناک صورت حال پیدا ہو جاتی، ہر چھاونی کے عرب نہ صرف اپنی قرائت پر فخر و ناز کرتے اور اپنے اپنے صحابی معلموں کو معصوم عن الخطا ٹھہراتے بلکہ دوسری قرائت کا مذاق اڑاتے اور کبھی نوبت یہاں تک پہنچ جاتی کہ دوسری قرأت والوں کو کافر قرار دے دیتے، اس قسم کی شکایتیں عثمان غنیؓ کے پاس آتی رہتی تھیں، دوسری طرف خود مرکز خلافت یعنی مدینہ قرائتی تعصب کی زد میں آیا ہوا تھا، ایک تابعی محدث ابو قلابہ (متوفی ۱۰۵ھ) بتاتے ہیں کہ عثمان غنیؓ کے زمانہ میں جو معلم بچوں کو قرآن پڑھاتے وہ بڑے صحابہ مثلاً اُبیّ بن کعب، عبداللہ بن مسعود، علی بن ابی طالبؓ کے شاگرد تھے، ان صحابہ کی قرأت ایک دوسرے سے مختلف تھی، اس لئے معلم بھی بچوں کو مختلف قرائتوں میں قرآن پڑھاتے تھے، اختلاف قرائت سے بچوں کے گھر والے پریشان ہوتے اور معلموں سے اس کی شکایت کرتے تو ان میں سے ہر شخص اپنی قرائت کی تعریف اور دوسری قرائتوں کی تنقیص کرنے لگتا، یہ تھے وہ حالات جنہوں نے عثمان غنی کو جمع قرآن اور اس کی تدوین کی طرف متوجہ کیا، یہ عظیم الشان کام جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کئی برس میں پایۂ تکمیل کو پہنچا ایک قرآن کمیشن مقرر کیا گیا جس کا کام تھا (۱) قرآن کے بکھرے ہوئے اجزاء (مکتوب و محفوظ) کو یکجا کرنا (۲) تعدد قرائت کو ختم کر کے وحدتِ قرائت پیدا کرنا (۳) آیتوں کو مرتب کر کے سورتیں بنانا (۴) کل قرآن کو قلمبند کرنا۔ اس طرح جو قرآن تیار ہوا عثمان غنیؓ

نے اس کے متعدد نسخے لکھوائے اور ہر چھاؤنی نیز صدر مقام کو فرمانِ ذیل کے ساتھ ایک ایک نسخہ بھیج دیا۔

"میں نے قرآن کے معاملہ میں ایسا ایسا کیا ہے (یعنی اختلافِ قرأت و ترتیب کو ختم کرنے کے لئے اس کو مدون کرنا پڑا ہے) اس کے جو اجزا میرے پاس تھے ان کو میں نے (دھو کر) مٹا ڈالا ہے، آپ کے پاس جو مجموعے ہوں اُن کو بھی (دھو کر) مٹا ڈالیں۔"[1]

متن کے الفاظ ہیں: "انی صنعت کذا و کذا" ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ راوی کو خط کے صحیح الفاظ یاد نہیں تھے اس لئے اس نے جمع و تدوینِ قرآن کی طرف محض مبہم اشارہ کرنے پر اکتفا کیا، دوسری غلطی اس نے یہ کی کہ اپنے اس اشارہ کو عثمان غنیؓ کی طرف منسوب کر دیا۔

۲۹۔ ولید بن عُقبہ کے نام

عرب چھاؤنیوں اور صدر مقاموں میں قرآن کے جتنے نسخے مل سکے وہ سب حکومت کی زیر نگرانی جمع کر لئے گئے اور ان کو پانی اور سرکہ کے مرکب سے دھو ڈالا گیا حروف دھل گئے کاغذ بچ رہا، دوسری اور زیادہ مشہور روایت یہ ہے کہ نسخے جلا دیئے گئے، صرف ایک جگہ مذکورہ بالا فرمانِ خلافت کی مخالفت ہوئی، اور وہ تھا کوفہ، یہاں آٹھ نو برس سے صحابی عبد اللہ بن مسعود معلمِ قرآن و قانونِ اسلام کے فرائض انجام دے رہے تھے، ان کے شاگردوں اور معتقدین کا حلقہ کافی بڑا تھا، سرکاری خزانہ کی نگرانی بھی ان کے سپرد تھی لیکن عثمان غنیؓ کے زمانہ میں وہ ناراض ہو کر اس سے دستبردار ہو گئے تھے، عبد اللہ بن مسعود کو قرآن سے غیر معمولی شغف تھا، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے خود قرآن جمع کیا تھا اور رسول اللہ کے سامنے اس کی تلاوت کر کے کئی بار تصحیح کر لی تھی، ان

[1] کنز العمال ۱/۲۸۲ و تاریخ کامل ابن اثیر ۳/۴۲۔

کو اپنے اس مجموعہ سے جذباتی لگاؤ تھا اور اس پر فخر کرتے تھے، یہ مجموعہ عثمان غنیؓ کے مرتب کردہ قرآن سے کس حد تک مختلف تھا یہ ہم نہیں بتا سکتے، البتہ اتنا معلوم ہے کہ اس کی ترتیب سرکاری قرآن سے مختلف تھی اور الفاظ میں بھی کہیں کہیں فرق تھا، خزانہ سے احتجاجی استعفا دینے کے بعد عبداللہ بن مسعود کا دل عثمان غنی اور ان کی حکومت کی طرف سے مکدر ہو گیا تھا اور ان کی ہمدردیاں مخالف جماعت سے وابستہ ہو گئی تھیں، وہ خلیفہ اور ان کے گورنروں پر اعتراض کرتے تھے، جب ان سے گورنر ولید نے کہا کہ اپنا مجموعہ دے دیجئے اور آئندہ سرکاری قرآن کے مطابق تعلیم دیجئے تو وہ بہت برہم ہوئے اور اپنا مجموعہ دینے سے انکار کر دیا، تعلقات کشیدہ تو تھے ہی اور زیادہ کڑوے ہو گئے، عبداللہ بن مسعود کی زبانِ طعن کھل گئی، گورنر نے صورت حال سے مطلع کیا تو جواب آیا:۔

"اسلام اور مسلمانوں کو تباہی سے محفوظ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ عبداللہ بن مسعود کو یہاں بھیج دو۔"[1]

۳۰۔ خط کی دوسری شکل

"اگر عبداللہ لعن طعن چھوڑ دیں تو خیر ورنہ ان کو یہاں بھیج دو۔"[2]

۳۱۔ اکابرِ کوفہ کے نام

آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ ولید بن عقبہ کی گورنری کوفہ کے زمانہ میں شہر کے چند نوجوانوں نے ایک شخص کے گھر میں نقب لگا کر اس کو قتل کر دیا تھا اور عثمان غنیؓ نے ان کو سزائے موت دی تھی جس کے نتیجہ میں ان کے بزرگ، احباب اور ہم قبیلہ ولید اور عثمان غنیؓ کے دشمن ہو گئے تھے اور ان سے انتقام لینا چاہتے تھے، ولید جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں تجربہ کار اور لائق حاکم تھے، انہوں نے گورنر ہو کر رواداری اور بے تعصبی سے حکومت کی اور خاص و عام سب کو خوش رکھنے کی کوشش کی، عام لوگ ان کے حسنِ سلوک سے خوش رہے

1۔ تاریخ ابن واضح یعقوبی بیف ۲/۱۴۷ - 2۔ عیون الاخبار ۲/۲۸۰ -

لیکن بہت سے اکابر شہر ان سے کبیدہ خاطر ہو گئے، اس کے چند در چند اسباب تھے: ایک سبب یہ تھا کہ انہوں نے کسی ایک طبقہ، گروہ یا قبیلہ کو اپنے دربار میں مخصوص اعزاز یا رعایت نہیں دی تھی، دوسری وجہ یہ تھی کہ انہوں نے سرکاری آمدنی میں غلاموں اور لونڈیوں کا بھی حصہ مقرر کر دیا تھا اور تیسری وجہ یہ تھی کہ بڑے چھوٹے سب کو ان سے ملنے کی اجازت و آسانی تھی، اُن کے دروازہ پر نہ کوئی پہرہ تھا نہ روک ٹوک، ہر شخص ان سے مل کر اپنی شکایت اور مشکل پیش کر سکتا تھا، باریابی کی یہ آسانی و ارزانی بھی بڑے لوگوں کو کھٹکتی تھی اور اس کو وہ اپنی حق تلفی سمجھتے تھے، منتقم گروہ کو شہر کے کبیدہ خاطر اکابر کی اخلاقی تائید حاصل ہو گئی اور انہوں نے ولید اور عثمان غنیؓ کے خلاف ایک محاذ بنا لیا، انہوں نے پروپیگنڈہ کرنا شروع کیا کہ ولید شراب پیتے ہیں، ایک دن یہ لوگ کوفہ کے بعض اکابر سے ملے، جب وہ بڑی مسجد میں تھے اور کہا کہ اس وقت ولید اپنے ایک دوست کے ساتھ شراب نوشی میں مشغول ہے، ولید کا مکان بڑی مسجد سے متصل تھا، یہ اکابر بے درنگ اٹھ کھڑے ہوئے اور اچانک ولید کے کمرے میں داخل ہو گئے، ولید کے سامنے ایک پلیٹ تھی جو انہوں نو واردوں کو دیکھتے ہی چارپائی کے نیچے رکھ دی، ایک شخص نے جھک کر دیکھا تو پلیٹ میں انگور کے کچھ دانے رکھے تھے، ولید نے اس شرم سے کہ چند دانے مہمانوں کے سامنے کیا رکھیں پلیٹ چھپا دی تھی، یہ تھی شراب نوشی کے الزام کی حقیقت، کچھ دن بعد منتقم گروہ نے سرکاری فقیہ عبداللہ بن مسعود کے سامنے ولید کی شراب نوشی کا چرچا کیا تو انہوں نے کہا: "اگر کوئی شخص چھپ کر برا کام کرے تو ہمارے لئے مناسب نہیں کہ اس کو جا پکڑیں اور اس کا پردہ چاک کریں"! ولید بن عقبہ کو ابنِ مسعود کے اس جواب کی خبر ہوئی تو انہوں نے مؤخر الذکر کو بلایا اور کہا: ایک منتقم گروہ کے سامنے تم نے میرے بارے میں بے حد نامناسب گفتگو کی، میں چھپ کر کیا کام کرتا ہوں، ایسی بات مشتبہ لوگوں کی نسبت کہی جاتی ہے۔" عبداللہ بن مسعود خزانہ سے قرضہ کے معاملہ میں بگڑے ہوئے تھے ہی اس سرزنش

سے اور زیادہ برہم ہو گئے، کچھ دن بعد منتقم گروہ کے بعض افراد ولید کے کمرہ میں داخل ہوئے جہاں وہ سوئے ہوئے تھے اور ان کی انگلی سے وہ انگوٹھی اتار لی جس سے سرکاری مہر لگائی جاتی تھی، پھر ایک وفد لے کر عثمان غنیؓ کے پاس پہنچے اور کہا کہ ولید شراب خور ہیں، یہ دیکھئے سرکاری مہر، جب وہ مدہوش تھے ہم ان کی انگلی سے اُتار لائے، عثمان غنیؓ نے فوراً ولید کو طلب کیا، انہوں نے آکر اپنی صفائی پیش کی اور کہا کہ شکایت کرنے والے اس وقت سے میرے دشمن ہو گئے ہیں جب سے میں نے ان کے لڑکوں کو موت کی سزا دی ہے، انہوں نے کوفہ میں محاذ بنا لیا ہے جس کا مقصد حکومت اور حکامِ حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا ہے، عثمان غنیؓ جو ولید کی سیرت سے واقف تھے، ان کو بے قصور سمجھتے تھے لیکن شراب نوشی کی شہادت فراہم ہو چکی تھی اور مدینہ کے چند بڑے صحابی جن کا دل عثمان غنی اور ان کی حکومت کی طرف سے مکدر تھا، مصر تھے کہ سزا دی جائے، چنانچہ ولید کو کوڑے لگا کر ان کو معزول کر دیا گیا[۱]۔

عثمان غنی نے ولید کی جگہ سعید بن عاص کو گورنر مقرر کیا، یہ سعید معزز اور کارگذار قریشی عرب تھے، بڑے فیاض اور سیر چشم، اُس کمیٹی کے ممبر بھی رہ چکے تھے جو عثمان غنی نے تدوینِ قرآن کے لئے مقرر کی تھی، جب سعید کوفہ کو روانہ ہونے لگے تو عثمان غنیؓ نے ان کو اکابر کوفہ کے نام یہ خط دیا:-

> تو واضح ہو کہ میں نے ولید بن عقبہ کو جب وہ پختہ عقل اور حرص و آز سے پاک صاف ہو چکے تھے آپ کا گورنر مقرر کیا تھا اور ان کو تاکید کر دی تھی کہ آپ کے ساتھ اچھی طرح پیش آئیں، لیکن آپ کو ان کے ساتھ اپنا طرزِ عمل درست رکھنے کی ہدایت نہیں کی تھی، جب آپ کو ان کے ظاہر میں کوئی خرابی نظر نہ آئی تو آپ نے ان کے باطن پر دار کیا، اب میں سعید بن عاص کو گورنر

---

[۱] تاریخ الامم ۵/۶۰ - ۶۲ -

بنا کر بھیج رہا ہوں، وہ اپنے خاندان میں سب سے زیادہ صالح آدمی ہیں، میں آپ کو تاکید کرتا ہوں کہ اُن کے ساتھ کوئی بدعنوانی نہ کریں اور اپنے زیر اثر لوگوں کو بھی اس بات کی فہمائش کر دیں[۱]"

۳۲۔ خط کی دوسری شکل

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، خدا کی حمد اور رسول اللہ پر درود کے بعد اہلِ کوفہ کو عبداللہ عثمان کی طرف سے واضح ہو کہ کوفیوں کی ایک جماعت میرے پاس آئی اور ولید بن عُقبہ کی شکایت کی اور اس بات کی شہادت دی کہ انہوں نے شراب پی ہے، اگر یہ شہادت ٹھیک تھی تو آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ولید کو حد شراب لگا دی گئی ہے اور اگر ان پر جھوٹا الزام تھا تو جھوٹوں کو خدا سزا دے گا، اس شکایت اور حدِ شراب کے بعد میں نے ولید کو گورنری سے معزول کر دیا ہے اور ان کی جگہ سعید بن عاص کو جو خاندانی شریف ہیں کوفہ کا گورنر مقرر کیا ہے، آپ لوگ خدائے جبار سے ڈریئے، سعید کا کہا مانئے اور ان کے ساتھ تعاون کیجیئے، حکومت کی خیر اندیشی اور مُناصرت آپ کا فرض ہے، تعلی سے کام نہ لیجیئے، نہ غیبت کیجیئے اور نہ الزام لگایئے، سعید کا جو آپ کے گورنر ہیں اُن کی شایانِ شان احترام کیجیئے اور خلیفہ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کیجیئے، میں نے سعید کو تاکید کر دی ہے کہ عدل و انصاف سے کام لیں اور سب کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئیں، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ[۲]"

۳۳۔ سعید بن عاص کے نام

کوفہ پہنچ کر سعید بن عاص نے ایک بڑے مجمع کے سامنے تقریر کی جس میں وہاں کے فتنہ انگیز رجحانات کی مذمت کرتے ہوئے لوگوں کو خبردار کیا کہ باز آجائیں ورنہ ان کے خلاف سخت کارروائی

---

[۱] العقد الفرید ابن عبدربہ۔ مصر ۱۹۱۳ء - ۳/۹۱-۹۲ - [۲] فتوح ابن اعثم کوفی ورق ۳۰۳ -

کی جائے گی، پھر انہوں نے شہر کے حالات کا جائزہ لینا شروع کیا، اس وقت کوفہ میں چار طبقے تھے، ایک طبقہ ان پرانے مجاہدوں پر مشتمل تھا جن کی کوشش سے عراق فتح ہوا تھا اور جو ۱۵-۱۶ھ میں وہاں آباد ہو گئے تھے، ان میں بہت سے صحابی تھے اور بہت سے خاندانی عرب، اس طبقہ کا شمار شہر کے اشراف میں ہوتا تھا، دوسرا طبقہ ان عربوں کا تھا جو ۱۶ھ اور اس کے بعد فوج میں بھرتی ہوئے تھے اور ایران کی جنگوں میں حصہ لے کر کوفہ میں آباد ہو گئے تھے، ان کو رَوادِف کہتے تھے، تیسرا طبقہ پہلے کی اولاد پر مشتمل تھا جو اب جوان تھی اور جن میں نئی اُمنگوں کے علاوہ باپ کی خدمات کا زعم بھی موجود تھا، چوتھا طبقہ موالی اور غلاموں کا تھا، جو اپنے آقاؤں کے اشارہ پر چلتے تھے، حالات کا جائزہ لے کر سعید بن عاص اس نتیجہ پر پہنچے کہ شہر میں شوریدہ سری اور باغیانہ رجحانات پیدا کرنے میں دوسرے اور تیسرے طبقہ کو خاص دخل ہے، یہ دونوں طبقے شہر پر چھائے ہوئے تھے، تعداد بھی ان کی سب سے زیادہ تھی، محض اپنا فائدہ اور اعزاز ان کے پیش نظر تھا، جاہل تنگ نظر لوگ تھے، ذرا ذرا سی بات پر مشتعل ہو جاتے اور تشدد و قانون شکنی پر اتر آتے ان کے تمرد و من مانی کے سامنے پہلے طبقہ کے اکابر کی کم ہی چلتی تھی، سعید بن عاص نے مرکز کو ایک رپورٹ بھیجی جس میں لکھا تھا کہ کوفہ میں سرکشی اور فتنہ پروری کی ہوا چلی ہوئی ہے، دوسرا اور تیسرے طبقہ کے لوگ سر اٹھائے ہوئے ہیں اور شہر کے اشراف پر چھا گئے ہیں، عثمان غنیؓ نے جواب میں لکھا:-

"حکومت میں سب سے زیادہ عزت و منزلت پرانے مجاہدوں کو ہے جن کے ہاتھوں عراق فتح ہوا، پھر ان لوگوں کو جو بعد میں وہاں آباد ہوئے، البتہ اگر مجاہدین اولین حکومت کے ساتھ اصلاحی کاموں میں تعاون نہ کریں اور دوسرے طبقہ کے لوگ اس کے لئے تیار ہوں تب مجاہدین اولین کو نظرانداز کیا جا سکتا ہے، سب کے ساتھ انصاف سے پیش آؤ اور سب کے رتبہ کا خیال

رکھو، رتبہ کی پاسداری ہی میں انصاف ہے[1]:

۳۴-۳۵- سعید بن عاص کے نام

سعید بن عاص نے اپنی گورنری کوفہ کے ابتدائی زمانہ[2] میں ایک شریف عرب خاندان میں شادی کی، یہ خاندان عیسائی تھا، اس کے کچھ ممبر مسلمان تھے اور کچھ عیسائی، لڑکی کا بھائی مسلمان تھا لیکن باپ جس کا نام فَرَافِصہ تھا اپنے آبائی مذہب پر قائم رہا، عثمان غنی کو اس شادی کا حال معلوم ہوا اور یہ بھی کہ لڑکی میں حسنِ صوری کے ساتھ سیرت کی بھی بہت سی خوبیاں ہیں، ان کے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ اگر اس کی کوئی بہن ہو تو خود اس سے شادی کرلیں، اُس وقت ان کی عمر ستر سے متجاوز تھی لیکن تھے بڑے مالدار اور خوش خور و خوش پوش اُن کی تین بیویاں زندہ تھیں، چوتھی بیوی کی گنجائش باقی تھی، عربی سماج میں جیسا کہ ہم کسی دوسرے موقع پر لکھ چکے ہیں تعددِ ازدواج کا عام رواج تھا، اس کے طبعی اور اقتصادی اسباب تھے، محض جنسی ہوس اس کی وجہ نہ تھی، عرب ایک قحط زدہ اور زیادہ تر بنجر ملک تھا اور اب بھی ہے جہاں بقائے حیات کے لئے اکثر غارت گری اور جنگ و قتال کا سہارا لینا پڑتا تھا، جنگ و قتال میں صرف مرد شریک ہوتے اور وہی مارے بھی جاتے، اس لئے عورتوں کی تعداد ہمیشہ مردوں سے زیادہ رہتی تھی اور چونکہ عورتیں مردوں کے سہارے جیتیں، ایک ایک مرد کو کئی کئی عورتوں کا کفیل ہونا پڑتا تھا، عرب معاشرہ میں کثیر الازواج لوگ عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے کیونکہ کثرتِ ازواج کے معنیٰ تھے معاشی آسودگی جو چند خوش نصیبوں کو ہی میسر ہوتی تھی، عثمان غنی نے سعید کو یہ مراسلہ بھیجا:-

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے قبیلۂ کلب کی ایک عورت سے شادی کی ہے

---

[1] سیف بن عمر۔ تاریخ الامم ۹۳/۵۔ [2] سعید بن عاص کے تقرر کی مشہور تاریخ ۳۰ھ ہے طبری وغیرہ کے راوی اسی کے حق میں ہیں، لیکن بلاذری نے فتوح البلدان میں ۲۹ھ دی ہے، طبری (تاریخ الامم ۵۲/۵) نے عثمان غنی کی نائلہ سے شادی کا سال ۲۸ھ دیا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر ذیل کا قصہ صحیح ہے تو ۲۸ھ میں سعید کوفہ کے گورنر ہو چکے تھے۔

مجھ کو لکھو اس کا حسب نسب کیا ہے اور اس کا حسن و جمال کس پایہ کا ہے۔"

سعید بن عاص کا جواب پاکر عثمان غنیؓ نے شادی کا ارادہ پکا کر لیا اور سعید کو لکھا:

"اگر اس لڑکی کی کوئی بہن ہو تو اس سے میری شادی کرا دو۔"[1]

سعید بن عاص کی تحریک پر فرافصہ اپنی لڑکی نائلہ کی عثمان غنی سے شادی کرنے کو تیار ہو گیا، شادی ہو گئی، نائلہ جیسا کہ توقع تھی اچھی بیوی ثابت ہوئیں، شادی کے چند سال بعد جس وقت عثمان غنی پر قاتلانہ حملہ ہوا تو یہ نائلہ ہی تھیں جنہوں نے اپنی جان کی بازی لگا دی اور شوہر پر جھک کر اپنے ہاتھ سے تلوار کا وار روکا اور اس کوشش میں دو انگلیاں قربان کر دیں، عدت کے بعد بہت دن تک امیر معاویہ ان سے شادی کرنے کے خواہشمند رہے اور ان کی طرف سے برابر تحریک و ترغیب کا سلسلہ جاری رہا لیکن نائلہ ساری عمر بیوہ رہنے کا تہیہ کئے ہوئے تھیں، ان کو سوتوں کے ساتھ رہنا گوارا نہ تھا، جب امیر معاویہ کا اصرار ختم نہ ہوا تو انہوں نے اپنے اگلے دو دانت توڑ کر اُن کے پاس بھیج دیئے۔[2]

۳۶۔ حبیب بن مسلمہ کے نام

سعید بن عاص کی امارت کوفہ کے زمانہ میں عثمان غنیؓ نے حبیب بن مسلمہ کو ارمینیہ پر چڑھائی کا حکم دیا، یہ حبیب شامی فوج کے ایک کمانڈر تھے، ان کو بازنطینی فوجوں سے لڑنے کا لمبا تجربہ تھا اور جنگی چالوں میں ان کا دماغ خوب چلتا تھا، ارمینیہ کے بیشتر ضلعوں پر بازنطینی قابض تھے، اس کے ایک قلیل مشرقی حصے پر مقامی خزر قوم کے رئیسوں کی حکومت تھی، ارمینیہ

---

[1] اغانی ابو الفرج مصر ۱۲۸۵ھ ۱۵/ ۷۰ و ۷۱۔

[2] مُحبّر محمد بن حبیب بغدادی حیدرآباد ہند ۱۹۴۲ء ص ۴۹۶۔

بربروں کی ایک سے زیادہ ترکتازیاں ہو چکی تھیں لیکن وہ مسخر نہیں ہوا تھا، خطرہ کے وقت وہاں کے رئیس ایک مقررہ خراج کا وعدہ کرکے صلح کر لیتے تھے اور جونہی خطرہ دور ہوتا اور عرب فوجیں لوٹ جاتیں وہ معاہدہ توڑ دیتے، مرکز کا فرمان پاکر حبیب چھ یا آٹھ ہزار فوج کے ساتھ جس میں شام اور جزیرہ کے عرب تھے ارمینیہ روانہ ہو گئے اور اس کے چند اہم شہروں پر قبضہ کر لیا، ارمینیہ کے بہت سے لوگ بھاگ گئے، اور قسطنطنیہ کی حکومت سے مدد مانگی، حبیب کو آئے ہوئے ابھی چند ہی مہینے گذرے تھے کہ ارمینیہ کے بازنطینی گورنر نے دوسرے مقامی رئیسوں کے تعاون سے ایک بڑا لشکر عربوں کو ملک سے نکالنے کے لئے تیار کیا اور حبیب سے نبرد آزما ہونے کے لئے بڑھا، حبیب نے عثمان غنی سے کمک مانگی تو انہوں نے گورنر کوفہ سعید بن عاص کو لکھا کہ مشہور شہسوار سلمان بن ربیعہ کی قیادت میں حبیب کے پاس رسد بھیجیں، سلمان چھ ہزار اور بقول بعض دس ہزار سوار لے کر روانہ ہوئے اس اثناء میں حبیب کی ہمت بڑھ گئی اور انہوں نے دشمن کو زک دینے کے لئے کچھ تدابیر بھی سوچ لیں، وہ اور ان کی فوج چاہتی تھی کہ کوفیوں کی آمد سے پہلے دشمن پر فتح حاصل ہو تاکہ مال غنیمت سے نو واردوں کو حصہ نہ دینا پڑے، ایک رات حبیب نے بڑی حکمت سے دشمن کے کیمپ پر شبخون کر دیا، دشمن اس غیر متوقع حملہ سے بوکھلا گیا اس کے بہت سے سپاہی قتل ہوئے، بہت سے گرفتار کر لئے گئے، باقی مع بازنطینی سپہ سالار کے فرار ہو گئے، حبیب اور ان کی فوج کو بہت بڑی مقدار میں مال غنیمت ملا، ابھی اس کی تقسیم ہوئی نہیں تھی کہ کوفہ کی کمک سلمان بن ربیعہ کی کمان میں یلغار کرتی آپہنچی اور غنیمت سے حصہ طلب کیا، حبیب اور ان کے فوجی اکابر اس کے لئے تیار نہ ہوئے، انہوں نے کہا: ہم نے آپ کی مدد بغیر اپنے خون پسینہ سے فتح حاصل کی ہے، مال غنیمت میں آپ کو کیوں شریک کریں؟ اس کے حقدار صرف ہم ہیں، عمائدین کمک: یہ صحیح ہے کہ ہم نے جنگ میں کوئی عملی حصہ نہیں لیا، لیکن نفسیاتی طور پر ہمارے آنے کی خبر ہی سے حوصلہ

پاکر آپ نے شبخون کیا اور جیتے لہذا بالواسطہ فتح میں ہم شریک ہیں، فریقین میں ردو قدح ہونے لگی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ حبیب اور سلمان کے فوجیوں نے تلواریں سونتیں، فتوح ابنِ اعثم میں ہے:-

"کار بد نجار سید کہ ہر دو لشکر شمشیر برکشیدند و روئے بمحاربہ بیکدیگر نہادند، میانِ ایشاں جنگ عظیم اُفتاد، لشکرِ کوفہ قوی تر بود، لشکرِ حبیب کہ ماندہ جنگ و زخم خوردہ بود بشکستند و اول عداوتے کہ میانِ اہل عراق و شام افتاد ایں جنگ بود"[1]

حبیب بن مسلمہ نے عثمان غنی کو صورتِ حال سے مطلع کیا تو یہ جواب آیا:-

"مالِ غنیمت کے حقدار صرف شام کے مجاہد ہیں"[2]

۴۷ - خط کی دوسری شکل

"اہلِ عراق کو بھی مالِ غنیمت میں شریک کرو"

یہ فرمان جو پہلے کی تردید ہے فتوح ابنِ اعثم کے راویوں نے بیان کیا ہے، ہمارے خیال میں پہلا خط زیادہ مستند ہے کیونکہ اس کی تائید ابوبکر صدیقؓ[3] اور عمر فاروقؓ کے خطوط سے بھی ہوتی ہے، عمر فاروقؓ نے اسی طرح کے ایک تنازعہ میں لکھا تھا:-

"مالِ غنیمت اُن لوگوں کا حق ہے جو عملاً لڑائی میں شریک ہوں"

لیکن عمر فاروقؓ کے اس حکم کی تردید میں ان کی طرف تین[4] اور خط منسوب کئے گئے ہیں، ان میں سے دو خطوں میں حکم ہے کہ اگر کمک کے لوگ جنگ کے بعد تین دن کے اندر اندر آجائیں تو ان کو بھی غنیمت میں شریک کیا جائے اور تیسرے میں اس بات کا کہ اگر کمک کے لوگ مقتولینِ جنگ کے دفن ہونے سے پہلے وارد ہوں تو ان کو حصہ دیا جائے، اس نوع کا تضاد

---

[1] فتوح ابن اعثم ورق ۲۹۰ - [2] فتوح البلدان طبع لائڈن ایڈیٹر ڈی غوئے ۱۸۶۶ء ۱۹۸ - [3] کنز العمال ۲/۲۲۱

[4] عمر فاروق کے سرکاری خطوط از خورشید احمد فارق پہلا ایڈیشن ۱۹۵۷ء، صفحہ ۱۰۱ - ۱۰۴ -

بالعموم ایسے خطوں میں زیادہ پایا جاتا ہے جو مالی معاملات یا مادی فوائد سے تعلق رکھتے ہیں جن کو راوی اپنے یا اپنے اسکول کے فقہی مسلک کی حمایت میں گڑھ لیتے تھے۔

۳۸۔معاویہ بن ابی سفیان کے نام

ابوذر دیہات کے باشندے تھے، مسلمان ہونے کے بعد ایک بار انہوں نے رسول اللہؐ سے سرکاری عہدہ کی فرمائش کی لیکن رسول اللہؐ نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ امارت وحکومت ایک سنگین بوجھ ہے جس کے تمہارے کمزور کندھے متحمل نہیں ہو سکتے[1]۔ ابوذرؓ کا علی حیدرؓ سے پرانا اور قریبی تعلق تھا، عمار بن یاسر اور مقداد بن عمرو کی طرح وہ بھی علی حیدرؓ کی خلافت کے سرگرم حامی ہی نہیں بلکہ پرجوش کارکن بھی تھے، ان کو توقع تھی کہ علی حیدر خلیفہ ہو کر ان کو کوئی عہدہ دیں گے اور ان کی وہ دیرینہ خواہش پروان چڑھے گی جس کو رسول اللہؐ پورا نہ کر سکے تھے، ابوبکر صدیقؓ کے انتخاب سے بگڑ کر جب علی حیدرؓ نے اپنی خلافت کی مہم شروع کی اور اس کے لئے رضاکار فراہم کرنے لگے تو جن لوگوں نے سب سے پہلے ان کی بیعت کی ان میں ابوذر بھی تھے، عمر فاروقؓ کے عہد میں وہ شام کے مورچہ پر جہاد میں مصروف رہے، عثمان غنی کے انتخاب کے وقت وہ مدینہ میں موجود تھے، ابوذر علی حیدر کی پارٹی کے ایک مضبوط ستون تھے، عثمان غنی اور ان کے اعمال کی مذمت کیا کرتے تھے، بہت دن تک عثمان غنی ان کی بتربرداشت کرتے رہے لیکن جب پانی سر سے اونچا ہو گیا تو انہوں نے ابوذر کو شام جلاوطن کر دیا، ۳۰ھ سے چند سال پہلے یہودی نو مسلم ابن سبا حکومت کا تختہ الٹنے اور علی حیدرؓ کو مسندِ خلافت پر متمکن کرنے کے لئے مہم شروع کر چکا تھا، وہ بڑے اسلامی شہروں کا دورہ کرتا ہوا شام آیا، ابوذر کے سامنے اپنا مشن پیش کیا، ابوذر کی حکومت دشمن سرگرمیاں اور زیادہ بڑھ گئیں اور ان کی زبانِ طعن اور زیادہ تیز ہو گئی، امیر معاویہ پر جن کو عمر فاروقؓ نے شام کا گورنر مقرر کیا تھا، ان کا اعتراض یہ تھا کہ وہ محاصل حکومت کو کل کا کل عوام پر

---

[1] سنن کبریٰ ۱۰/۹۵۔

نہیں خرچ کرتے، عمالِ حکومت اور مالداروں سے ان کو یہ شکایت تھی کہ وہ ضرورت سے فالتو روپیہ ناداروں کو دینے کی بجائے پس انداز کر لیتے ہیں، وہ اپنی تقریروں میں یہ تہدید آمیز الفاظ بار بار دہراتے: بشر الذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ بمکاوٍ من نار تکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم۔ جو لوگ روپیہ جمع کرتے ہیں اور اسلام کی ترقی کے لئے خرچ نہیں کرتے ان کی پیشانی، پہلو اور پیٹھ کو آگ سے داغا جائے گا۔ امیر معاویہ کہتے کہ اگر میں سرکاری آمدنی کی ایک ایک پائی خرچ کر ڈالوں تو حکومت کیسے چلے اور بیرونی خطرہ کا مقابلہ کیسے ہو؟ مالدار کہتے: زندگی آماجگاہِ حوادث ہے اگر سب کچھ خرچ کر ڈالیں تو آڑے وقت کیسے کام چلے گا، وہ اپنی تائید میں قرآن کی یہ آیت پیش کرتے ولا تجعل یدک مغلولۃ إلی عنقک ولا تبسطھا کل البسط: نہ تو خرچ کرنے سے بالکل ہاتھ روک لو اور نہ اتنی فراخ دلی سے خرچ کرو کہ کچھ نہ بچے۔ ابو ذر کی تحریک خوب زور پکڑ گئی، نادار اور قلاش مالداروں اور سرکاری عہدہ داروں کا پیچھا کرتے اور ان کو غیرت دلاتے اور روپیہ مانگتے، اُن لوگوں کا گھر میں رہنا یا باہر نکلنا مشکل ہو گیا، انہوں نے امیر معاویہ سے شکایت کی اور بتایا کہ ابوذر کی تحریک نہ صرف دمشق بلکہ سارے شام میں پھیلتی جا رہی ہے اور اگر اس کی فوری روک تھام نہ کی گئی تو سنگین انقلاب برپا ہو جائے گا، امیر معاویہ نے عثمان غنیؓ سے ابوذر کی شکایت کی اور لکھا کہ فوراً ان کو شام سے بلا لیجئے، عثمان غنیؓ نے جواب میں لکھا:-

> تسول وار کے سانڈ نے نتھنے اور آنکھیں پھلا لی ہیں اور جست لگانا ہی چاہتا ہے اس لئے اُس کے زخم مت کریدو، ابو ذر کو میرے پاس بھیج دو، اُن کے ساتھ زاد راہ اور ایک رہبر بھی کرو، نیز لطف و محبت سے پیش آؤ، جہاں تک ہو سکے نہ خود زیادتی کرو نہ اپنے ماتحتوں کو کرنے دو۔[1]

---

[1] سیف بن عمر۔ تاریخ الامم ۵/۶۶ و تاریخ کامل ابن اثیر ۳/۴۴۔

۳۹۔ خط کی دوسری شکل

"تمہارا خط موصول ہوا، ابوذر کے حالات معلوم ہوئے، میرا خط پاتے ہی اُن کو ننگے پالان پر سوار کرنا اور ایک ایسے سخت ساربان کو ان کے ہمراہ کرنا جو رات دن اونٹ چلائے تاکہ ابوذر پر خواب طاری ہو جائے اور وہ میرے اور تمہارے ذکر سے غافل ہو جائیں"[۱]

۴۰۔ خط کی تیسری شکل

"جُندُب (ابوذر) کو ایک سخت اور تکلیف دہ اونٹ پر سوار کرکے میرے پاس بھیج دو"[۲]

۴۱۔ خط کی چوتھی شکل

"میرا خط پاکر جُندُب بن جُنادہ (ابوذر) کو ننگے پالان پر بٹھا کر یہاں بھیج دو"[۳]

۴۲۔ ابوذر کے نام

"میرے پاس آجاؤ، میں معاویہ کی نسبت تمہارے حقوق کا زیادہ خیال رکھوں گا اور تمہارے ساتھ زیادہ اچھی طرح پیش آؤں گا"[۴]

۴۳۔ عبدالرحمٰن بن ربیعہ کے نام

عمر فاروق کے عہد میں اسلامی فتوحات کا دائرہ شمال میں قبق پہاڑ (CAUCASUS) تک وسیع ہو گیا تھا، یہ پہاڑ بحرِ خزر (CASPIAN SEA) سے شروع ہو کر بحرِ اسود (BLACK SEA) تک پھیلا ہوا تھا، اس لمبے کوہی سلسلہ میں کئی جگہ درے تھے جن سے ہو کر شمال کی طرف سے جنوب اور جنوب کی طرف سے شمال کے علاقہ میں جانا ممکن تھا، دروں کے علاوہ بحرِ خزر کے ساحل اور قبق پہاڑ کے مابین ایک کھلا میدان بھی تھا، جس سے اکثر شمال کے روسی اور ترکی چھاپہ مار

---

[۱] فتوح ابنِ اعثم کوفی ورق ۲۹۳ - [۲] شرح نہج البلاغۃ ۱/۲۴۱ - [۳] عیون الاخبار ادریس بن حسن انف قلمی ۲/۲۶۸ - [۴] تاریخ الخمیس دیاربکری ۲/۶۹ -

جنوب کے شہروں پر جو فارسی قلرو میں تھے ترکتازی کیا کرتے تھے، نوشیرواں عادل نے اپنے علاقہ کے بچاؤ کے لئے میدان اور دروں میں پتھر کی دیواریں چنوا دیں، دیواروں میں لوہے کے دروازے بنوا دیئے اور ان کی حفاظت کے لئے مسلح گارڈ مقرر کر دیئے، بحرِ خزر کے ساحل سے قبق پہاڑ تک جو دیوار بنی وہ سب دیواروں سے زیادہ لمبی تھی، اس میں بھی ایک آہنی دروازہ بنایا گیا اور دروازہ سے متصل ایک مستحکم قلعہ تعمیر کیا گیا، یہ دروازہ اور قلعہ بحرِ خزر کے ساحل سے بہت نزدیک تھا، یہاں ایک شہر وجود میں آیا جس کا نام باب (دروازہ) یا باب الأبواب (سب سے بڑا دروازہ) پڑ گیا۔[۱]

عمر فاروقؓ کی فوج نے باب پر چڑھائی کی تو اس علاقہ کے فارسی گورنر نے مسلمانوں سے معاہدہ کر لیا جس کا ماحصل یہ تھا کہ اس کی فوجیں مسلمانوں کے ساتھ مل کر باب پار کے روسی دشمن سے لڑیں گی اور اس خدمت کے عوض ان سے کوئی جزیہ یا ٹیکس نہیں لیا جائے گا لیکن اس کی باقی رعایا کو ایک مقررہ ٹیکس دینا ہوگا، باب کے عرب ملٹری گورنر ایک صحابی عبدالرحمٰن بن ربیعہ تھے، یہ وقتاً فوقتاً باب پار کی روسی بستیوں پر ترکتازی کرتے اور مالِ غنیمت لے کر لوٹ آتے، عمر فاروقؓ کے بعد عثمان غنی کے عہد میں بھی انہوں نے کئی بار روسی علاقہ پر غارتگری کی اور بڑھتے بڑھتے وہاں کے بڑے شہر بلنجر تک پہنچ گئے، اس اثناء میں کوفہ کے بہت سے ایسے سپاہی ان کی زیرِ کمان آ گئے جن کے دل میں نہ تو جہاد کی لگن تھی اور نہ وہ عثمان غنیؓ ہی سے خوش تھے، اُن کا مقصد عربوں میں بے اطمینانی اور پھوٹ ڈالنا تھا، عثمان غنیؓ اس حقیقت سے واقف تھے، اس لئے انہوں نے عبدالرحمٰن بن ربیعہ کو خبردار کر دیا کہ کوفہ کی نو وارد فوج کو ساتھ لے کر باب پار کی مہم پر نہ جائیں، لیکن عبدالرحمٰن نے تنبیہ کی طرف کوئی خاص دھیان نہ دیا اور حسبِ معمول روسی علاقہ میں جہاد کرنے نکل گئے اور بڑھتے

---

[۱] احسن التقاسیم فی معرفۃ الأقالیم مقدسی لائڈن سنہ ۱۹۰۶ء ایڈیشر۔ دی غوئے ص۳۷۶ و معجم البلدان ۲/۹-۱۱ و مروج الذہب حاشیہ تاریخ کامل ۲/۳-۴۔

بڑھتے بلنجر تک پہنچ گئے، روسیوں نے ان کو بری طرح گھیر لیا، ان کی اپنی فوج نے خاطرخواہ مقابلہ نہیں کیا، عبدالرحمٰن اور ان کے بیشتر مجاہد مارے گئے، عثمان غنیؓ کے تنبیہی خط کا مضمون یہ تھا:۔

"معاشی آسودگی نے میری رعایا کے لوگوں کو گستاخ و سرکش بنا دیا ہے (اور تمہاری فوج میں ایسے کافی لوگ آگئے ہیں) لہٰذا باب کے پار کے روسی علاقہ میں زیادہ مت گھس جانا ورنہ مجھے اندیشہ ہے کہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ گے"[۱]

۴۴۔ اکابرِ کوفہ کے نام

آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ عثمان غنیؓ کے انتخاب سے اکثر اصحاب شوریٰ ناخوش تھے نیز یہ کہ مدینہ میں تین سیاسی پارٹیاں پیدا ہو گئی تھیں، ایک علی حیدرؓ کے حامیوں کی، دوسری طلحہ بن عبیداللہ اور تیسری زبیر بن عوام کے ہوا خواہوں کی، ان پارٹیوں کی مہم بازی مدینہ کے باہر تین سب سے بڑی عرب چھاؤنیوں، کوفہ، بصرہ اور فسطاط (مصر) میں بھی جاری رہی، طلحہ بن عبیداللہ اور زبیر بن عوام بڑے مالدار اور صاحبِ جائداد تھے، اس لئے یہ روپیہ پیسہ سے بھی اپنے مشن کو تقویت پہنچاتے رہے، یوں تو بصرہ، کوفہ اور مصر سے لوگ برابر مدینہ آتے جاتے رہتے اور ایک دوسرے سے رابطہ قائم رکھتے لیکن حج کے موقع پر ہر پارٹی کے کارکن یکجا ہوتے اور اپنے کاموں کا جائزہ لیتے اور بدلتے ہوئے حالات کے مطابق اپنا لائحۂ عمل مرتب کرتے، اسی زمانہ میں ایک نومسلم یہودی ابن سبا عربی افق پر سیاہ بادل کی طرح اٹھا، یہ رجعت کا قائل تھا، یعنی اس بات کا کہ رسول اللہ پیغمبر مسیح کی طرح آسمان پر اٹھالئے گئے ہیں اور ایک مقررہ مدت کے بعد لوٹ کر آئیں گے، ان کی عدم موجودگی میں علی حیدر ان کی جانشینی کے سب سے زیادہ اہل تھے لیکن ابوبکر صدیق عمر فاروقؓ اور عثمان غنیؓ نے خلافت غصب کر لی اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ موجودہ حکومت

---

[۱] سیف بن عمر۔ تاریخ الامم ۵/۸، وتاریخ کامل ابن اثیر ۳/۵۰۔

کا تختہ الٹ کر علی حیدرؓ کو خلیفہ بنانے کی کوشش کرے، ابن سبا بڑے شہروں کا دورہ کرتا اور وہاں حکومت کی بیخ کنی کے لئے خفیہ کارکن مقرر کرتا اور خط و کتابت نیز سفیروں کے ذریعہ پھوٹ اور انقلاب کے کاموں میں ان کی رہنمائی کرتا، علاوہ بریں ساری عرب چھاؤنیوں اور خاص طور سے کوفہ میں ایک مذہبی طبقہ بھی ابھر آیا تھا جس کے ہاتھ میں عوام کی مذہبی و ذہنی قیادت تھی، اس طبقہ میں بھی دو قسم کے لوگ تھے، ایک عثمانؓ غنی اور ان کی حکومت کے حامی اور دوسرے ان کے مخالف، گورنر کوفہ سعید بن عاص کی مجلس میں ایک دن عراق کے سرسبز و پیداواری علاقہ (سواد) کا ذکر ہو رہا تھا کہ مجلس کے ایک نوجوان نے گورنر سے کہا کہ اگر ساحلِ فرات کی مزروعہ اراضی آپ کی جائداد ہوتی تو کتنا اچھا تھا! مجلس کے وہ لوگ جو دل سے عثمان غنی کے بدخواہ اور ان کی حکومت کے مخالف تھے یہ سن کر برہم ہوئے اور بولے: "تو ہمارے مفتوحہ اراضی کو قریش کی ملک بنانا چاہتا ہے!" اس ذرا سی بات پر تو تو میں میں بڑھی اور مجلس کے کئی افراد نے جن کو حکومت سے پرخاش تھی اور جو مذہبی انانیت میں بھی مبتلا تھے جیسے اشتر نخعی، جُندُب اور کمیل، اٹھ کر اس نوجوان اور اس کے والد پر ٹوٹ پڑے، گورنر سعید برابر روکتے رہے لیکن ان لوگوں نے اُنکی ایک نہ سنی اور اس وقت تک نہ ہٹے جب تک کہ باپ بیٹے بیہوش نہ ہو گئے، گورنر نے مجلس کرنا بند کر دی، مارنے والے اور ان کے ہمخیال سعید اور ان کے حامیوں پر اپنے محلّوں کی مسجدوں میں برملا لعن طعن کر کے لوگوں میں اشتعال پیدا کرنے لگے، حکومت کے چند وفاداروں نے سعید سے اس تبرّابازی کی شکایت کی تو انہوں نے کہا "مجھے امیرالمومنین نے منع کر دیا ہے کہ کوئی قدم ایسا نہ اٹھاؤں جس سے فضا خراب ہو لہٰذا اگر آپ کچھ کرنا چاہتے ہیں تو براہ راست خلیفہ سے رجوع کیجئے" چنانچہ شہر کے بعض اکابر نے عثمان غنی کو اشتر وغیرہ کی سرگرمیوں سے مطلع کر کے سفارش کی کہ ان کو شہر سے جلاوطن کر دیا جائے، عثمان غنیؓ نے جواب میں لکھا:-

"اگر آپ سب کی یہ رائے ہے تو ان فسادیوں کو معاویہ کے پاس شام بھیج دیجئے"[1]

---

[1] سیف بن عمر۔ تاریخ الامم ۵/۸۵-

۴۵۔ معاویہ بن ابی سفیان کے نام

"اہلِ کوفہ نے فسادیوں کی ایک جماعت کو جو فتنہ انگیزی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں جلا وطن کر کے تمہارے پاس دمشق بھیجا ہے، ان کو ڈراؤ دھمکاؤ اور ان پر نظر رکھو، اگر وہ سنبھل جائیں تو ان کی بات ماننا اور اگر ان کی اصلاح نہ ہو اور تم کو زچ کریں تو ان کا کہا نہ ماننا[۱]"۔

انساب الاشراف میں ہے کہ خود سعید بن عاص نے اُشتر اور ان کے ساتھیوں کی خلیفہ سے ان الفاظ میں شکایت کی تھی:۔

"جب تک اَشتر اور اس کے ساتھی جو قرآن خواں (قُرّاء) کہلاتے ہیں لیکن ہیں سُفہاء (بیہودہ اور احمق) کوفہ میں ہیں وہاں امن قائم رکھنا میرے بس سے باہر ہے[۲]"۔

۴۶۔ اَشتر نَخَعی کے نام

سعید کی مذکورہ بالا شکایت پڑھ کر اور ان کے سفیروں سے اَشتر وغیرہ کے طرزِ عمل کی توثیق کرنے کے بعد عثمان غنی نے اُشتر کو یہ توبیخ آمیز مراسلہ بھیجا:۔

"تمہارے دل میں ایسے مجرمانہ ارادے ہیں جن کو اگر تم ظاہر کردو تو تمہارا قتل واجب ہو جائے، میں سمجھتا ہوں تم اپنی معاندانہ سرگرمیوں سے اس وقت تک باز نہ آؤ گے جب تک تم پر کوئی تباہ کن مصیبت نہ آجائے گی، میرا خط پا کر شام چلے جاؤ کیونکہ تم اہل کوفہ کو باغی بنا رہے ہو اور ان کو تباہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہو[۳]"۔

---

[۱] سیف بن عمر۔ تاریخ الامم ۸۶/۵۔

[۲] انساب الاشراف ۴۰/۵۔

[۳] ایضاً ۴۰/۵-۴۱۔

۴۷۔ خط کی دوسری شکل

"اُشتر، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم فتنہ انگیزی میں مشغول ہو، کوفہ میں فساد برپا کرنا چاہتے ہو اور مسلمانوں کو لڑانے کے درپے ہو، بخدا تم جو کچھ کر رہے ہو بُرا کر رہے ہو اور آخر کار پشیمان ہوگے، میرا مشورہ ہے کہ تم اپنے کرتوتوں سے باز آجاؤ ورنہ قتل کے مستحق ہو جاؤ گے۔ لیکن مجھے محسوس ہوتا ہے کہ تم اپنی شر انگیزی اس وقت تک نہ چھوڑو گے جب تک کوئی بڑی مصیبت جس کا ٹالنا ناممکن ہو تم پر نازل نہ ہو جائے، اس وقت تمہارا کوفہ میں رہنا مناسب نہیں اس خط کو پڑھ کر بے درنگ شام چلے جاؤ بشرطیکہ تم خلیفہ کی اطاعت اپنا فرض بھی سمجھو، اس جماعت کو بھی ساتھ لے لو جو تم کو شر اور فساد کی ترغیب دیتی ہے، میرے حکم ثانی تک شام نہ چھوڑنا، تم کو وہاں بھیجنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم فساد برپا کر رہے ہو اور لوگوں کو میری بغاوت پر اُبھار رہے ہو"[۱]

۴۸۔ سعید بن عاص کے نام

انساب الاشراف میں سعید کے مذکورہ بالا شکایتی خط کا جواب جو مرکز کی طرف سے ان کو موصول ہوا نہیں بیان کیا گیا لیکن فتوح ابن اعثم کوفی میں اس کا متن ان الفاظ میں ہے:۔

"واضح ہو کہ تمہارا خط ملا جس میں تم نے لکھا ہے کہ جب تک اُشتر کوفہ میں موجود ہے وہاں امن و حکومت قائم رکھنا محال ہے، یہ کیسی کم ہمتی کی باتیں ہیں، تمہارے انتظامی معاملات اور سرکاری فرائض میں دخل دینے والا اُشتر کون ہوتا ہے، اور میری ہدایات کے مطابق تمہارے اقدامات میں وہ کیسے روڑے اٹکا سکتا ہے! تاہم میں اس کو ایک تحریر بھیج رہا ہوں جو بھجوا دینا، اُشتر نیز اشرار و سفہاء

---

[۱] فتوح ابن اعثم کوفی قلمی ورق ۳۰۶ - ۳۰۷ -

کی اس ٹولی کو جو اس کی معاون ہے اس جگہ بھیج دو جہاں جلاوطنی کی میں نے ہدایت کی ہے، اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہو۔"[1]

۴۹۔ خط کی دوسری شکل

"اُن کو شام بھیج دو اور تاکید کر دو کہ وہاں کے سرحدی علاقہ کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ نہ جائیں۔"[2]

۵۰۔ سعید بن عاص کے نام

اُشتر نخعی اور ان کے ساتھی جب دمشق پہنچے تو امیر معاویہ نے ان کا گرمجوشی سے استقبال کیا، ایک بڑی اور عمدہ عمارت میں ان کو ٹھہرایا اور دونوں وقت اپنے ساتھ ہی ان کو کھانا کھلاتے، جب تکان سفر اُتر گئی اور نو وارد خوب تازہ دم ہو گئے تو امیر معاویہ نے ان کو کئی صحبتوں میں دوست اور ناصح کی طرح سمجھایا بجھایا کہ اپنی فتنہ انگیزی سے باز آجائیں اور امن پسند بن جائیں۔ لیکن ان کو مکمل ناکامی ہوئی، اُشتر اور ان کے ساتھیوں کی مذہبی رعونت امیر معاویہ کے دانشمندانہ مشوروں کے سامنے جھکنے کو تیار نہ ہوئی اور وہ اپنی دشمنی پر اڑے رہے بلکہ اس جماعت کے بعض افراد نے امیر معاویہ سے سخت گستاخانہ اور نازیبا کی باتیں کیں، اس کے علاوہ یہ لوگ دمشق میں جس سے ملتے اس کو پھوٹ اور بغاوت کی تلقین کرتے، امیر معاویہ ان سے مایوس ہو گئے اور ان کو شام میں فتنے کی پرچھائیاں پڑتی نظر آنے لگیں تو انہوں نے خلیفہ کو ایک عریضہ لکھا جس میں ان قراء کی بیمار نفسیات پر روشنی ڈالتے ہوئے درخواست کی تھی کہ ان کو شام سے بلا لیا جائے، خط کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:۔

"آپ نے میرے پاس ایسے لوگ بھیجے ہیں جو شیطان کی زبان سے شیطانی باتیں کرتے ہیں، جو قرآن کی آڑ لے کر لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں، ان کا مقصد مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا اور سول وار برپا کرنا ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ اگر یہ لوگ شام

---

[1] فتوح ابن اعثم کوفی قلمی ورق ۲۰۶-۲۰۷ - [2] واقدی۔ تاریخ الامم ۵/ ۹۰

میں ٹھہرے رہے تو یہاں کے باشندوں میں بھی فتنہ انگیز رجحانات پیدا کردیں گے ۔ ۔ ۔ ۔ "

عثمان غنی نے امیر معاویہ کو لکھ دیا کہ قرّاء کو کوفہ لوٹا دو، وطن پہنچ کر یہ پہلے سے زیادہ جرأت و شدت سے حکومت پر لعن طعن کرنے لگے، گورنر سعید نے بڑے سخت الفاظ میں مرکز سے ان کی شکایت کی، عثمان غنی نے اب ان کو شمالی شام کے شہر حمص جلاوطن کرنے کا حکم صادر کیا۔ جہاں مشہور جرنل خالد بن ولید کے صاحبزادے ضلع گورنر تھے۔

"ان مفسدوں کو عبدالرحمٰن بن خالد کے پاس جلاوطن کردو"۔[1]

۵۱۔ اُشتر نخعی اور ان کی پارٹی کے نام

دوسرا خط عثمان غنی نے خود اُشتر اور ان کے ساتھیوں کو اس مضمون کا ارسال کیا:-

"واضح ہو کہ میں نے تم کو حمص جلاوطن کرنے کا حکم دیا ہے، میرا یہ خط وصول کرکے تم وہاں چلے جانا، یہ کارروائی مجبوراً کی گئی ہے کیونکہ تم اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کررہے ہو، والسلام"۔[2]

۵۲۔ سعید بن عاص کے نام

کوفہ میں اُشتر نخعی کے ہمخیال بہت سے لوگ تھے، ان میں سے ایک کا نام کعب بن عُبیدہ تھا، یہ نہ صحابی تھا نہ سن رسیدہ، کثرت عبادت سے اُشتر کی طرح اس کے سر میں بھی انانیت کی ہوا بھر گئی تھی اور تشدد فی الدین نے اس کا دماغی توازن خراب کردیا تھا، اُس نے عثمان غنی کو ایک گستاخ مراسلہ بھیجا جو عتاب و ملامت اور پند و موعظت سے بھرا ہوا تھا، عتاب تھا اُشتر اور ان جیسے شوریدہ سروں کو جلاوطن کرنے پر، عتاب تھا اپنے کنبہ والوں کو سرکاری عہدے دینے اور ان کو مسلمانوں پر مسلط کرنے پر، ملامت تھی حق و راستبازی چھوڑ کر باطل کی راہ اختیار کرنے پر، یہ مراسلہ اس نے ایک قاصد کی معرفت عثمان غنی کو بھیجا

---

[1] واقدی۔ طبری ۵/۹۰۔ [2] تاریخ الامم ۵/۹۰۔

ملسے پڑھ کر ان کو غصہ آیا اور انہوں نے گورنر کوفہ سعید بن عاص کو لکھا کہ کعب بن عبیدہ کو ایک بدشکل اور بدمزاج سپاہی کی نگرانی میں مدینہ بھیج دیا جائے، جب کعب ان کے سامنے حاضر ہوا تو وہ ایک جوان مگر دبلا پتلا اور حقیر سا آدمی تھا، عثمان غنی نے طنز سے کہا: "صاحبزادے، تم مجھ کو حق ور استبازی کی تعلیم دینے چلے ہو حالانکہ تم پیدا بھی نہ ہوئے تھے جب میں حق و باطل سے آشنا ہو چکا تھا" کعب نے اپنی ریاضی انانیت کا مظاہرہ کیا اور بیہودہ باتیں کیں۔ عثمان غنی کے حکم سے اس کے کپڑے اتارے گئے اور بیس کوڑوں کی اس کو سزا دی گئی، پھر اس کو کوفہ بھیج دیا گیا اور گورنر کو ہدایت کی گئی کہ اس کو قید میں ڈال دیا جائے، اس واقعہ سے مدینہ کی پارٹیوں کو شورش اور پروپیگنڈہ کا نیا مواد مل گیا، طلحہ، بنو امیہ وغیرہ نے کعب کی سزا اور رسوائی کے خلاف عثمان غنی سے احتجاج کیا اور ان کو سخت سست کہا، عثمان غنی نے بھی شاید محسوس کیا کہ موجودہ حالات میں کعب کے کوڑے لگوانا مناسب نہ تھا یا ممکن ہے ان کے ضمیر نے ملامت کی ہو، بہرحال چند دن بعد گورنر کوفہ سعید بن عاص کو ان کا یہ خط موصول ہوا:-

"میرا خط پاتے ہی کعب کو اس کی پہاڑی قید سے کوفہ بلالو اور میرے پاس بھیج دو، اس معاملہ میں اہتمام خاص اور عجلت سے کام لیا۔"

جب کعب بن عُبیدہ مدینہ آیا تو عثمان غنی اس کے ساتھ اخلاق سے پیش آئے اور کہا: کعب تمہارا خط بڑا سخت تھا، اور تم نے بہت نازیبا باتیں لکھی تھیں، مجھے ڈانٹا تھا اور دھمکیاں دی تھیں، اگر تمہارا خط قاعدہ میں ہوتا تو میں تمہاری نصیحت قبول کر لیتا، تمہاری بےتمیزی اور گستاخی پر مجھے غصہ آگیا اور میں نے تم کو سزا دی، جس طرح تمہارے مجھ پر حق ہیں اسی طرح میرے بھی تم پر ہیں، بہرحال مجھے اپنے کئے پر ندامت ہے، یہ کہہ کر انہوں نے کوڑا منگوایا اور کعب کو دے کر اپنی قمیص اتاری اور کہا: جتنے کوڑے میں نے مارے تھے اتنے ہی میرے مار کر قصاص لے لو۔ کعب شرما گیا اور قصاص نہ لیا۔[1]

---

[1] فتوح ابن اعثم کوفی قلمی درق ۳۱۲ - ۳۱۶۔

۵۴۔ کوفہ کے باغیوں کے نام

جیسے جیسے ابنِ سبا کی تحریک زور پکڑتی گئی اور مدینہ کی تینوں سیاسی پارٹیوں کا اثر اور پروپیگنڈا اسلام کے مرکزی شہروں میں بڑھتا گیا ویسے ویسے عثمان غنیؓ اور اُن کی حکومت کی مخالفت میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ ۳۴ھ میں حالات اتنے بگڑ گئے تھے کہ خلیفہ نے اپنے صوبائی گورنروں کو مدینہ طلب کیا تاکہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی مؤثر لائحہ عمل بنایا جاسکے۔ شام سے امیر معاویہ آئے، مصر سے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کوفہ (عراق) سے سعید بن عاص، بصرہ (عراق) سے عبداللہ بن عامر، مصر کے سابق گورنر عمرو بن عاص کو بھی مدعو کیا گیا، ان لوگوں اور خلیفہ نے ایک دوسرے کو اپنے اپنے علاقوں کے حالات سے مطلع کیا، پھر ہر گورنر نے اپنی اپنی صوابدید کے مطابق شورش و بغاوت روکنے کے لئے تجویزیں پیش کیں، کافی غور و خوض کے بعد طے ہوا کہ:

(۱) جہاں تک ہوسکے عربوں کو وطن سے دور فوج کشی اور فتوحات میں مشغول رکھا جائے تاکہ خوشحالی کے ساتھ فرصت کا خطرناک جوڑ ان کو باغیانہ سرگرمیوں کی طرف مائل نہ کرسکے۔

(۲) باغی اور شری عناصر کی تنخواہیں بند کردی جائیں۔

کانفرنس کے فیصلہ کا مخالفین بے صبری سے انتظار کر رہے تھے۔ آپ کو یاد ہوگا تقریباً سوا سال پہلے کوفہ کے سر برآوردہ مذہبی و قبائلی لیڈر اشتر نخعی آٹھ نو دوسرے عبادت گذاروں کے ساتھ اپنی باغیانہ سرگرمیوں کی بناء پر پہلے دمشق اور پھر حمص جلاوطن کر دیئے گئے تھے، حمص کا والی سخت تھا، اس نے اشتر اور اُن کی پارٹی کو خوب آڑے ہاتھوں لیا اور ایسا سخت پکڑا کہ انہوں نے حکومت پر لعن طعن کرنا چھوڑ دیا اور بظاہر نیک سیرت بن گئے، یہ دیکھ کر والیٔ حمص نے اشتر نخعی کو بلایا اور کہا: اگر تم مدینہ جاکر اپنی اور اپنے ساتھیوں کی طرف سے خلیفہ کے سامنے اظہارِ افسوس و پشیمانی کرلو گے اور آئندہ نیک چلن رہنے کا وعدہ کرو گے تو تم کو چھوڑ دیا جائے گا، اشتر نخعی مدینہ چلے گئے، اتفاق کی بات کہ گورنروں کی کانفرنس کے وقت وہ مدینہ میں

موجود تھے، کانفرنس کی قرارداد معلوم کرکے وہ حمص چلے گئے اور گورنر کو بتایا کہ خلیفہ نے ان کو اجازت دے دی ہے کہ جہاں چاہیں رہیں، ان کو لوٹے ابھی چند دن ہی گذرے تھے کہ کوفے سے ایک قاصد آیا اور وہاں کے ایک بڑے آدمی کا خط دیا جس میں تھا کہ فوراً کوفہ آجاؤ، بغاوت کے لئے حالات بالکل سازگار ہیں، یہ بڑا آدمی یزید بن قیس تھا، ابن سبا کا چیلا اور کوفہ کی مخالف پارٹی کا سرگرم کارکن، جب سعید بن عاص کانفرنس کی شرکت کے لئے مدینہ روانہ ہوئے تھے تو اس نے بغاوت کی مہم چلادی تھی، تاہم نائب گورنر اور حکومت کے دیگر وفادار لیڈروں نے شہر میں کھلم کھلا گڑبڑ نہ ہونے دی، یزید بن قیس کا مراسلہ پاکر اشتر اور ان کے ساتھی حمص سے بھاگ نکلے، اشتر جمعہ کے دن کوفہ میں وارد ہوئے اور سیدھے بڑی مسجد گئے جہاں لوگ نماز جمعہ کے لئے جمع ہو رہے تھے، انہوں نے کہا: "حضرات، میں خلیفہ عثمان کے پاس سے چلا آرہا ہوں سعید نے ان کو مشورہ دیا ہے کہ کوفہ کے مردوں اور عورتوں کی تنخواہیں اور الاؤنس کم کر دیے جائیں"۔ اس خبر سے لوگوں میں ہیجان پیدا ہو گیا، مخالف پارٹی نے طے کیا کہ ہم سعید کو معزول کرتے ہیں اور کوفہ میں نہیں داخل ہونے دیں گے، کوئی ہزار آدمی یزید بن قیس اور اشتر نخعی کی قیادت میں شہر کے باہر جرعہ نامی مقام پر جو مدینہ سے کوفہ کی سڑک پر واقع تھا خیمہ زن ہو گئے اور جب گورنر سعید مدینہ کانفرنس سے لوٹ کر واپس آرہے تھے ان کو روک لیا اور کہا: "لوٹ جاؤ، ہم تمہیں نہیں چاہتے"۔ سعید نے مزاحمت نہیں کی، بس اتنا کہا: "اس لاؤ لشکر کی کیا ضرورت تھی، اپنا ایک نمائندہ امیر المومنین کے پاس اور دوسرا میرے پاس بھیج دیتے آپ کا مقصد پورا ہو جاتا"۔ اشتر نے طیش میں آکر سعید کے ایک نوکر کو جس نے کہا تھا کہ امیر واپس نہیں ہوں گے قتل کر دیا، سعید مدینہ لوٹ گئے، خلیفہ نے پوچھا: کیا مخالفین بغاوت پر آمادہ ہیں؟ سعید: بظاہر وہ میری جگہ دوسرا گورنر چاہتے ہیں، عثمان غنی: ان کی نظر انتخاب کس پر ہے؟ سعید: ابوموسیٰ اشعری پر. عثمان غنی: میں ابوموسیٰ کی گورنری کی توثیق کردوں گا، بخدا میں نہیں چاہتا کہ کسی کو میری بغاوت کا بہانہ ملے یا میرے خلاف کوئی دلیل ہاتھ آئے، ہم کو صبر کرنا

چاہیے جیسا کہ ہمیں حکم ہے: قد أنفذنا أبا موسىٰ عليهم والله لا نجعل لأحد عذرا ولا نترك لهم حجة ولنصبرن كما أمرنا - اس کے بعد عثمان غنیؓ نے اَشتر اور ان کی پارٹی کے نام یہ مراسلہ بھیجا:-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، واضح ہو کہ میں نے ابو موسیٰ اشعری کو جنہیں تم نے پسند کیا ہے کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا ہے اور سعید (بن عاص) کو اس عہدہ سے ہٹا دیا ہے، بخدا میں اپنی آبرو تمہارے سامنے بچھا تا رہوں گا اور صبر کروں گا اور جہاں تک ہو سکے گا تمہارے ساتھ مصالحت رکھنے کی کوشش کروں گا لہٰذا تم بے دریغ اپنے مطالبات پیش کرتے رہو، میں ان کو پورا کروں گا بشرطیکہ ایسا کرنے سے خدا کی معصیت نہ ہوتی ہو، میں نہیں چاہتا کہ تم کو میری نافرمانی کا کوئی بہانہ ملے"[۱]

۵۴- اَشتر اور ان کی پارٹی کے نام

فتوح ابن اعثم کے راویوں کا بیان ہے کہ جب سعید بن عاص کو اَشتر کے سپاہیوں نے کوفہ میں داخل ہونے سے روکا اور وہ مدینہ لوٹ گئے تو عثمان غنی نے اَشتر اور ان کی پارٹی کے نام یہ مراسلہ بھیجا:-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، عبداللہ عثمان امیر المومنین کی طرف سے مالک اَشتر اور اُن مسلمانوں کے نام جو ان کے معاون اور پیرو ہیں، واضح ہو کہ خلیفہ کی مخالفت اور اس پر لعن طعن کرنا سنگین جرم ہے، جو شخص اس جرم کا مرتکب ہوگا اس کا انجام خواری اور تباہی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا، میرے افسر اور عامل (سعید بن عاص) کی تم نے جو بے حرمتی کی اس کا حال مجھے معلوم ہوا، تم کو یاد رکھنا چاہیے کہ تمہاری زیادتیاں تم کو ہی نقصان پہنچائیں گی، تم نے خدائی غیظ و غضب کا دروازہ

---

[۱] سیف بن عمر، تاریخ الامم ۵/۹۵ - ۹۶ -

اپنے اوپر کھول لیا ہے، عوام کو فتنہ میں ڈھکیلا ہے اور میری بیعت توڑ کر غدر و بے وفائی کے مرتکب ہوئے ہو، میری رعایا میں سب سے پہلی جماعت تمہاری ہے جس نے میری مخالفت کی اور مسلمانوں میں اختلاف و انتشار کی سنت قائم کی تمہاری تقلید میں جو لوگ میری مخالفت کریں گے اور میری اطاعت سے منحرف ہوں گے اس کی ذمہ داری اور وبال تمہارے سر ہو گا، اُس خدا سے ڈرو جس سے تم نے منہ موڑ لیا ہے اور اپنی بدکرداری سے توبہ کرو شاید تمہیں نجات حاصل ہو، اگر تم نہیں چاہتے کہ سعید بن عاص تمہارے گورنر ہوں تو مجھے لکھ کر بھیجو کہ تم کس کو پسند کرتے ہو اسی کو تمہارا گورنر مقرر کر دیا جائے گا انشاء اللہ۔[1]

۵۵۔ اَشتر نخعی اور ان کی پارٹی کے نام

اَشتر نخعی نے اہلِ کوفہ کی طرف سے بن کے ایک بڑے حصہ پردہ اور کئی دوسرے خودغرض لیڈر چھائے ہوئے تھے، عثمان غنی کو مذکورہ بالا مراسلہ کا جواب لکھا جو گستاخی، تعلّی اور خودستائی سے پُر تھا، اس کا مضمون اس خط سے بہت مشابہ ہے جو انساب الاشراف میں بیان ہوا ہے اور جس کو آپ ابو موسیٰ اشعری اور حُذیفہ بن یمان والے خط کے زیرِ عنوان عنقریب پڑھیں گے، اَشتر نخعی کے اس عتاب نامہ کا جواب ابنِ اعثم کوفی کی زبانی:۔

"واضح ہو کہ تمہارا خط ملا، میں نے اس کو بغور پڑھا، تمہاری دیدہ دلیری پر حیرت ہے کہ تم ایسے امور پر مجھے ملامت کر رہے ہو جو میں نے نہ تو خود کئے ہیں اور نہ جن کی میں نے اجازت دی ہے، یہ شیطانی آرزوئیں ہیں جنہوں نے تم سے یہ خط لکھوایا ہے، تمہاری انتہائی جہالت مجھ سے خفگی اور ناراضگی کا باعث ہے، تم اپنے بارے میں حسنِ ظن کے مرض میں مبتلا ہو، تم بھٹک گئے ہو لیکن سمجھتے ہو کہ راہِ راست پر گامزن ہو، تم نے ابو موسیٰ اشعری کو گورنر کوفہ اور حُذیفہ بن یمان

---

[1] فتوح ابنِ اعثم کوفی ورق ۳۱۹/ ۳۲۰۔

کو ناظمِ خراج بنانے کی خواہش کی ہے، میں تمہاری یہ خواہش پوری کرتا ہوں، خدا سے ڈرو جس کے پاس سب کو لوٹ کر جانا ہے اور ناسمجھی سے فتنہ و فساد کا دروازہ مت کھولو اور اپنی مخالفت سے قومی اتحاد کو غارت نہ کرو، جو باتیں میں نے نہیں کہی ہیں اور جو کام میں نے نہیں کئے ہیں میری طرف منسوب نہ کرو، میں راہِ حق سے نہیں ہٹ سکتا اور اس کو چھوڑ کر تمہارا راستہ جس پر نفسانیت کے غلبہ نے تم کو لا ڈالا ہے اختیار نہیں کر سکتا، خدا سے دعا ہے کہ مجھے راہِ راست پر قائم رکھے اور تم کو بھی اس پر لا ڈالے اور اپنی اطاعت پر ثابت قدم رکھے وَلَاحَولَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ العلی العظیم[۱]

۵۶۔ ابو موسیٰ اشعری اور حُذیفہ بن یمان کے نام

بلاذری نے انساب الاشراف میں سعید بن عاص کی معزولی سے متعلق لکھا ہے کہ اشتر اور اُن کی پارٹی کا مطالبہ صرف یہی نہ تھا کہ ابو موسیٰ اشعری کو گورنر بنایا جائے جیسا کہ سیف بن عمر کی رائے ہے بلکہ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ ایک دوسرے صحابی حُذیفہ بن یمان کو مالیات کا وزیر یا ڈائرکٹر مقرر کیا جائے جیسا کہ فتوح ابنِ اعثم کے راوی کہتے ہیں، بالفاظ دیگر مخالف جماعت ابو موسیٰ کے اختیارات مذہبی اور عام انتظامی غیر سیاسی معاملات تک محدود رکھنا چاہتی تھی حُذیفہ عمر فاروقؓ کے عہد میں مالیاتِ عراق کے وزیر رہ چکے تھے، فوجی کمانڈر بھی تھے، انہوں نے کوفہ کے ماتحت علاقوں کی فتوحات میں حصہ لیا تھا، اس سلسلہ میں اُشتر کے رول کا ذکر کرتے ہوئے بلاذری کے راوی کہتے ہیں: اُشتر نے ولید بن عقبہ کا گھر لٹوا دیا، اس میں سعید بن عاص کا روپیہ اور سامان بھی تھا، لوگ مکان کا دروازہ تک اکھیڑ لے گئے، اُشتر ابو موسیٰ سے ملے اور کہا: آپ اہلِ کوفہ کی مذہبی قیادت کیجئے اور حُذیفہ بن یمان، ماتحت علاقوں اور خراج کی نگرانی کریں، پھر اُشتر نے عثمان غنی کو یہ مراسلہ بھیجا:۔

---

[۱] فتوح ابن اعثم کوفی، ورق ۳۲۲ / ۳۲۳۔

"مالک بن حارث کی طرف سے مبتلائے آزمائش، خطاکار، سنت و قرآن سے منحرف خلیفہ کے نام، تمہارا خط موصول ہوا، تم اور تمہارے حاکم جب ظلم و ستم نیز نیکو کاروں کو جلاوطن کرنے سے باز آجائیں گے اس وقت ہم بھی تمہاری اطاعت کریں گے، تم کہتے ہو کہ "ہم اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں" یہ تمہاری خام خیالی ہے جس نے تم کو تباہ کیا ہے اور جس نے جور و ستم کو تمہاری نظر میں عدل اور باطل کو حق بنا کر پیش کیا ہے، ہماری وفاداری مطلوب ہے تو پہلے اپنی بداعمالیاں چھوڑ دو، توبہ کرو، خدا سے معافی مانگو اپنی ان زیادتیوں کی جو تم نے ہمارے اوپر کی ہیں، ہمارے صالح لوگوں کو شہر بدر کر کے، انہیں جلاوطن کر کے اور نوعمروں کو ہمارا گورنر بنا کر، اس کے علاوہ ہمارے شہر کا والی ابو موسیٰ اشعری اور (ناظم مالیات) حُذیفہ کو بنائی ہمیں ان دونوں پر اعتماد ہے"

انساب کے رپورٹر اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ عثمان غنیؓ نے یہ خط پڑھ کر کہا:- "مالک میں توبہ کرتا ہوں" پھر ابو موسیٰ اور حُذیفہ کو یہ مشترک فرمان بھیجا:-

"تم کو اہلِ کوفہ نے پسند کیا ہے اور مجھے تمہاری لیاقت اور کارکردگی پر اعتماد ہے تم اپنے عہدہ کا چارج لے لو اور راست بازی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دو، خدا سے دعا ہے کہ میری اور تمہاری خطائیں معاف فرمائے"[1]

۵۷۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے نام

مصر میں ابن سبا کے علاوہ جو لوگ حکومت دشمن سرگرمیوں میں پیش پیش تھے ان میں یہ تین قابلِ ذکر ہیں محمد بن ابی بکرؓ، محمد بن ابی حُذیفہؓ اور عمار بن یاسرؓ، ۳۵ھ کے لگ بھگ محمد بن ابی بکرؓ عثمان غنیؓ سے ناراض ہو کر فسطاط چلے گئے تھے اور وہاں کی بڑی مسجد میں باقاعدہ اُنکی مذمت کیا کرتے تھے، ابوبکر صدیقؓ کے صاحبزادے اور بی بی عائشہ کے بھائی تھے، جوان، اُمنگوں

[1] انساب الاشراف ۵/۴۶۔

سے بھرپور، یار دوستوں کی ترغیب و تحریص نے حکومت و اقتدار کی پیاس اور زیادہ بڑھا دی تھی عثمان غنیؓ سے ان کی ناراضگی کا سبب یہ تھا کہ ان کے ذمّہ کوئی مالی یا دوسرے قسم کا مواخذہ پڑا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ عثمان غنیؓ خاص رعایت کرکے ان کو مواخذہ سے بچا لیں لیکن عثمان غنیؓ نے ان سے حق لے کر حق دار کو دلوا دیا، وہ چاہتے تھے کہ خلیفہ کوئی بڑھیا سا عہدہ دیں لیکن ان کی یہ خواہش بھی پوری نہ ہوئی، وہ ناراض ہو کر فسطاط چلے گئے[1]۔

محمد بن ابی حذیفہ بچپن میں یتیم ہو گئے تھے، عثمان غنیؓ نے ان کو پالا پوسا تھا، پڑھنا لکھنا ان کو آتا تھا لیکن زندگی کا تجربہ نہ تھا، نہ معاشرہ میں کوئی وقعت حاصل تھی، نہ ایسے جوہر تھے جن کی مدد سے کسی بڑے عہدہ کو سنبھال سکتے، عثمان غنی خلیفہ ہوئے تو محمد نے کسی بڑے منصب کی فرمائش کی، عثمان غنیؓ منصب دینے کو تیار نہ ہوئے، محمد خفا ہو گئے اور طے کیا کہ کہیں باہر جا کر قسمت آزمائی کریں گے، انہوں نے عثمان غنیؓ سے پردیس جانے کی اجازت مانگی جو مل گئی اور سفر مصر کے لئے زر بھی مہیا کر دیا گیا، فسطاط پہنچ کر محمد بن ابی حذیفہ عثمان غنیؓ کے مخالف کیمپ سے وابستہ ہو گئے اور محمد بن ابی بکر کی طرح مسجد کے اندر اور مسجد سے باہر ان کی برائیاں کیا کرتے، انہوں نے ایک ستم یہ بھی کیا کہ رسول اللہؐ کی بیویوں کی طرف سے خود مصریوں کے نام خط گھڑتے اور عام جلسوں میں پڑھ کر سناتے، ان خطوں میں خلیفہ کی مذمت ہوتی اور بغاوت کی دعوت[2]۔

۳۴ھ میں بازنطینی بیڑے سے مصری بیڑے کی ایک زبردست لڑائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی قیادت میں ہوئی، اس مہم میں محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ دونوں شریک تھے، لیکن ان کا مشن دشمن سے لڑنا نہ تھا بلکہ اپنی فوج میں گورنر مصر اور خلیفۂ مدینہ کے خلاف نفرت و اشتعال پیدا کرنا تھا، ایک موقع پر محمد بن ابی حذیفہ یہ نعرے لگاتے سنے گئے: مسلمانو! تم بازنطینیوں سے جہاد کرنے چلے ہو حالانکہ جس سے جہاد کرنا چاہیئے وہ پیچھے ہے

---

[1] سیف بن عمر۔ تاریخ الامم ۵/۱۳۶۔ [2] سیف بن عمر۔ تاریخ الامم ۵/۱۳۵ و کتاب الولاۃ والقضاۃ کندی۔ ایڈیٹر رفن گسٹ مصر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۳ و ۱۵۔

(یعنی عثمان) کمانڈرانِ چیف دونوں برخود غلط جوانوں کی حرکتوں پر خون کے گھونٹ پیتے رہے اور جنگ سے واپس آکر خلیفہ کو اُن کی شکایت لکھی تو یہ جواب آیا:-

"محمد بن ابی بکر کو اس کے والد ابوبکر (صدیق) اور اس کی بہن عائشہ رض کی خاطر چھوڑتا ہوں، محمد بن ابی حذیفہ قریش کا جوان ہے، میرا بیٹا اور بھتیجہ جس کو میں نے پالا ہے اس لئے اس کو بھی معاف کرتا ہوں"۔

۵۸. عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے نام

صحابی عمار بن یاسر رض کو ۲۱ھ میں عمر فاروق رض نے کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا، زیادہ دن نہ گذرے تھے کہ وہاں کے انانیت میں سرشار مذہبی دنیائی اکابر نے مرکز سے اُن کی شکایتیں شروع کر دیں، ایک اہم شکایت یہ تھی کہ ان میں حکومت کی سمجھ بوجھ نہیں ہے عمر فاروق رض نے ان کو برطرف کر دیا، وہ مدینہ آگئے اور خلافت و سیاست کے معاملات سے گہری دلچسپی لینے لگے، ان کو اول دن سے عثمان غنی کا انتخاب ناگوار تھا، وہ علی حیدر رض کے آدمی تھے، اور عثمان غنی نیز ان کے کنبہ کے اربابِ اقتدار کو مطعون کیا کرتے تھے، ان کی نامناسب، توہین آمیز اور اشتعال انگیز باتوں پر عثمان غنی نے کئی بار ان کو ڈانٹا اور ایک قول یہ ہے کہ پیٹا یا پٹوایا بھی تھا، اس لیے عمار بن یاسر رض کے دل کا غبار اور زیادہ بڑھ گیا تھا، صلح جوئی عثمان غنی کی ممتاز صفت تھی، وہ اپنے نکتہ چینوں کو راضی اور مطمئن کرنے کی برابر کوشش کرتے تھے، مطالبات مان کر ہی نہیں بلکہ اظہارِ افسوس و ندامت سے بھی عمار بن یاسر رض کی تالیفِ قلب کی بھی انہوں نے کوششیں کیں، ان کی ایک کوشش یہ تھی کہ ۳۵ھ میں انہوں نے ایک اہم مشن عمار بن یاسر رض کے سپرد کیا، اس مشن کا پس منظر مختلف راویوں نے مختلف طرح بیان کیا ہے، ایک قول یہ ہے کہ عثمان غنی نے محمد بن ابی حذیفہ

---

۵۷ انساب الاشراف ۵/۵۰ -

کی پے در پے شکایتیں سننے کے بعد ان کی استمالت کے لئے پندرہ ہزار روپیہ کا عطیہ اور کچھ تحفے بھیجے، محمد نے اس عطیہ کو اپنے باغیانہ مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کیا، انہوں نے روپے اور تحفے مسجد میں رکھوائے اور ایک اشتعال انگیز تقریر کی اور کہا کہ یہ خلیفہ کی ایک چال ہے جس کے ذریعہ وہ مجھے خریدنا اور میری سرگرمیوں سے مجھ کو باز رکھنا چاہتے ہیں، اس واقعہ کے بعد عثمان غنیؓ پر لعن طعن اور زیادہ بڑھ گئی، محمد مصریوں کے ہیرو بن گئے اور مصر و مدینہ کی حکومت الٹنے میں زیادہ تن دہی سے لگ گئے، عثمان غنیؓ سے محمد کی بڑھتی ہوئی باغیانہ سرگرمیوں کی شکایت کی گئی تو انہوں نے مناسب سمجھا کہ اپنا ایک معتمد مصر بھیجیں جو شکایتوں کی جانچ کر کے ان کو مطلع کرے، انہوں نے عمار بن یاسرؓ کو بلایا اور کہا پچھلی باتوں پر مجھے افسوس ہے اور میں معافی کا خواستگار ہوں، میں چاہتا ہوں کہ تمہارا دل میری طرف سے صاف ہو جائے، میرے دل میں تمہاری طرف سے کوئی کدورت نہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ میں تم کو ایک اہم کام میں اپنا نمائندہ بنا کر مصر بھیجنا چاہتا ہوں، تم جا کر تحقیق کرو کہ محمد کی جو شکایتیں مجھے بھیجی گئی ہیں کہاں تک صداقت پر مبنی ہیں، عمار کا دل صاف نہ ہوا، وہ مصر جا کر وہیں رہ پڑے، مخالف پارٹی سے مل گئے، عثمان غنیؓ کی غیبت شروع کر دی، مصریوں کو ان کے اور ان کی حکومت کے خلاف بھڑکایا، محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ کے دستِ راست بن گئے، ان کی حوصلہ افزائی کی اور مدینہ پر چڑھائی کرنے کی تجویز کی پرجوش حمایت، گورنر مصر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے عمار کی شکایت کی اور ان کو سزا دینے کی اجازت مانگی تو یہ فرمان آیا:۔

"ابن ابی سرح، سزا اور سختی کی بات غلط ہے، عمار بن یاسر کے سفر کا معقول انتظام کر کے ان کو میرے پاس بھیج دو۔"[۱]

عمار بن یاسر کا مصر سے نکلنا تھا کہ وہاں اشتعال کی نئی لہر دوڑ گئی، مخالف پارٹی نے

---

[۱] انساب الاشراف ۵/۵۱۔

مشہور کر دیا کہ ظالم حکومت نے ایک ممتاز صحابی کو زبردستی ملک بدر کر دیا ہے، محمد بن ابی بکر محمد بن ابی حُذیفہ، ابن سبا اور دوسرے لوگوں نے صورت حال سے خوب فائدہ اٹھایا۔

۵۹۔ صدر مقاموں کے مسلمانوں کے نام

عثمان غنیؓ کے خلاف پروپیگنڈے کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ ان کے گورنروں کو ظالم و سفاک مشہور کیا جائے تاکہ عوام میں بے چینی پیدا ہو اور وہ حکومت کی بساط اُلٹنے میں مخالف پارٹیوں کا ساتھ دیں، مخالف پارٹیوں کے ایجنٹ جہاں دوسرے ہتھکنڈے استعمال کرتے وہاں یہ خبریں بھی پھیلاتے کہ گورنر صدر مقاموں کے باشندوں کو طرح طرح کی جسمانی اور ذہنی اذیتیں پہنچاتے ہیں، مدینہ کے چند وفادار اکابر عثمان غنیؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا: "آپ کے گورنروں کی زیادتیوں کی خبریں سارے شہر میں مشہور ہو رہی ہیں، آپ کو بھی ان کا کچھ علم ہے؟" عثمان غنی نے لاعلمی ظاہر کی، اکابر نے مشورہ دیا کہ بڑے شہروں میں اپنے نمائندے بھیج کر اس بات کی تحقیق کرائیں کہ کہاں تک گورنروں کے ظلم و ستم کی مزعومہ خبریں درست ہیں، عثمان غنیؓ نے محمد بن مسلمہؓ (صحابی)، کو کوفہ، اسامہؓ بن زید (صحابی) کو بصرہ، عبداللہ بن عمرؓ (صحابی) کو دمشق، عمار بن یاسرؓ (صحابی)، کو فسطاط اور کچھ دوسرے افراد کو دوسرے صدر مقاموں کو بھیج دیا، یہ نمائندے باستثنائے عمار بن یاسرؓ تحقیق کر کے آئے اور رپورٹ دی کہ گورنروں کے ظلم و ستم کی شکایتیں بالکل بے بنیاد ہیں، عمار بن یاسر علی حیدرؓ کے حامیوں میں سے تھے اور عثمان غنی اور ان کے خاندان کے مخالف، فسطاط پہنچ کر وہ حکومت دشمن پارٹی میں جس کی قیادت ابن سبا اور مدینہ کے کچھ دوسرے ذی اثر افراد جیسے محمد بن ابی بکر صدیق اور محمد بن ابی حُذیفہ کر رہے تھے، ضم ہو گئے اور بڑے جوش سے مخالفانہ سرگرمیوں میں حصہ لینے لگے، وفادار اکابر مدینہ کی شکایت سن کر جس کا اوپر ذکر ہوا ایک طرف عثمان غنیؓ نے اپنے نمائندے تحقیق حال کے لئے بھیجے اور دوسری طرف ایک مراسلہ صدر مقاموں کے مسلمانوں کو ارسال کیا جس میں اس بات کی دعوت دی گئی کہ جن لوگوں کے ساتھ گورنروں نے

زیادتیاں کی ہوں وہ حج کے موقع پر حاضر ہوں اور خلیفہ نیز گورنروں کے رو برو اپنی شکایتیں پیش کریں، خط کا مضمون یہ تھا:۔

"واضح ہو کہ گورنروں کو میری تاکید ہے کہ ہر سال حج کے موقع پر مجھ سے ملیں جب سے میں خلیفہ ہوا ہوں میں نے سارے مسلمانوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کرنے کی پوری آزادی دے رکھی ہے چنانچہ جب بھی میرے یا میرے حاکموں کے خلاف کوئی شکایت کی جاتی ہے اس کو دور کر دیتا ہوں، میں اپنے اور اپنے اہل و عیال کے سارے حقوق سے رعیت کے مقابلہ میں دست بردار ہو گیا ہوں، اہل مدینہ نے رپورٹ کی ہے کہ میرے گورنر کچھ لوگوں کو مارتے ہیں اور کچھ کو برا بھلا کہتے ہیں، اگر کسی کے ساتھ ایسا کیا گیا ہو تو وہ حج کے موقع پر آئے اور اپنی شکایت پیش کرے، اس کے ساتھ انصاف کیا جائے گا خواہ زیادتی میری ہو یا میرے حکام کی، اگر وہ چاہے تو معاف بھی کر سکتا ہے۔ فَإِنَّ اللهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ"[1]

۶۰۔ باغیوں کو وثیقہ

یوں تو حج کے موقع پر عام طور پر سب گورنر جمع ہوتے ہی تھے، تاہم عثمان غنیؓ نے مذکورہ بالا شکایت کے بعد خاص طور پر ان گورنروں کو حاضر ہونے کی تاکید کر دی جو اُن کے کنبے کے تھے اور جن کو بدنام کرنے کی مخالف پارٹیاں مہم چلاتے ہوئے تھیں، بصرہ سے عبداللہ بن عامر آئے، دمشق سے امیر معاویہ، مصر سے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، حال میں کوفہ کے معزول کردہ گورنر سعید بن عاص اور مصر کے سابق حاکم عمرو بن عاص کو بھی مشورہ کے لئے طلب کیا گیا، جب یہ پانچوں آ گئے تو عثمان غنی نے پوچھا: "زدو کوب اور سب و شتم کی یہ شکایتیں کیوں مشہور ہو رہی ہیں، معلوم ہوتا ہے ان کی کچھ اصل ضرور ہے؟" گورنروں نے کہا: "آپ نے اپنے نمائندے بھیجے تھے جو بھی طرح پوچھ گچھ اور تحقیق کر کے آپ کو رپورٹ دے چکے ہیں کہ یہ خبریں بے بنیاد ہیں، یہ محض پروپیگنڈا ہے

[1] سیف بن عمر۔ تاریخ الامم ۵/۹۸ - ۹۹۔

اور مخالف پارٹیوں کا ایک ہتھکنڈا جس کے ذریعے وہ عوام کو ہمارے اور آپ کے خلاف بھڑکانا چاہتے ہیں۔" عثمان غنی: تمہاری رائے میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟" سعید بن عاص: "مخالف پارٹیوں کے اکابر اور پروپیگنڈا بازوں کو پکڑ کر قتل کر دیجئے۔" عبداللہ بن سعد: "جب آپ رعایا کے حقوق پوری طرح ادا کر رہے ہیں تو آپ ان سے بھی اپنا حق (اطاعت و وفاداری) وصول کیجئے، ان کو اس طرح شتر بے مہار چھوڑ دینا سراسر نقصان دہ ہے۔" امیر معاویہؓ: "آپ نے مجھے شام کا حاکم بنایا ہے، وہاں کے لوگوں سے آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوئی۔" عثمان غنیؓ: "اپنی رائے دو۔" امیر معاویہ: "شوریدہ سروں اور بغاوت پسندوں کی اچھی طرح خبر لیجیے۔" عثمان غنیؓ: "عمروؓ تمہاری کیا رائے ہے؟" عمروؓ: "آپ رعایا کے ساتھ نرمی سے پیش آتے ہیں، آپ نے عمرؓ سے زیادہ ان کو آزادی دے رکھی ہے، میری رائے ہے کہ ان کے ساتھ آپ کا سلوک ویسا ہونا چاہیئے جیسا ابوبکرؓ اور عمرؓ کا تھا، یعنی سختی کے موقع پر سختی اور نرمی کے موقع پر نرمی، ایسے لوگوں کے ساتھ سختی ضروری ہے جو فساد اور افتراق پیدا کرنا چاہتے ہیں، آپ کا سب کے ساتھ ملاطفت سے پیش آنا صحیح نہیں ہے۔" سب کی رائے سننے کے بعد عثمان غنی نے کہا: "جس فتنہ کے دروازے کھلنے کا عرب قوم کے ہاتھوں مجھے اندیشہ ہے وہ کھل کر رہے گا، اس کو حتی الامکان بند رکھنے کا میری رائے میں یہی طریقہ ہے کہ نرمی سے کام لیا جائے۔ مخالفین کے مطالبے بشرطیکہ ان سے حدود اللہ نہ ٹوٹیں پورے کیئے جائیں، اس کے باوجود بھی اگر دروازہ کھل جائے تو اس کی ذمہ داری میرے اوپر نہ ہوگی اور کسی کو میرے خلاف کچھ کہنے یا کرنے کا موقع نہ رہے گا، خدا پر خوب روشن ہے کہ میں سب کا بھلا چاہتا ہوں، بخدا فتنہ کی چکی چل کر رہے گی اور عثمان کی یہ خوش نصیبی ہوگی کہ دنیا سے جائے تو اس چکی کے چلانے میں اس کا کوئی ہاتھ نہ ہو۔" .... [1]

حج کے بعد گورنر اپنے اپنے مرکزوں کو لوٹ گئے۔ لیکن امیر معاویہؓ نے جانے سے پہلے بڑے صحابہ (علی حیدرؓ، طلحہؓ، زبیرؓ وغیرہ) سے مخلصانہ اپیلیں کیں کہ حکومت دشمن سرگرمیاں چھوڑ دیں

---

[1] سیف بن عمر۔ تاریخ الامم ۵/۱۰۱ و تاریخ کامل ابن اثیر ۳/۱۰

ان اپیلوں سے دلوں کی کدورت اور جذبات کا اشتعال اور بڑھ گیا، ان میں سے بعض نے امیر معاویہ کو خوب ڈانٹا ڈپٹا اور طعنے دیئے، امیر معاویہ کو باور ہو گیا کہ بغاوت ہو کر رہے گی جانے سے پہلے انہوں نے عثمان غنی سے باصرار کہا کہ میرے ساتھ شام چلئے لیکن وہ تیار نہ ہوئے پھر انہوں نے کہا کہ اچھا میں ایک فوج بھیجے دیتا ہوں جو آپ کی حفاظت کرے گی، عثمان غنی: "اس شہر میں فوج کے خورونوش اور رہائش کے بندوبست سے باشندوں کو زحمت ہوگی یہ بھی مجھے گوارا نہیں" امیر معاویہ: "بخدا تب تو آپ کو دھوکہ سے مار دیا جائے گا یا باغی آپ سے جنگ کریں گے" عثمان غنی: "حسبی اللہ ونعم الوکیل"

ہر سال کی طرح اس سال (۳۴ھ) بھی مخالف پارٹیوں کے لیڈر حج کرنے آئے، مدینہ، فسطاط کوفہ اور بصرہ ان کے ہیڈ کوارٹر تھے، سفیروں اور خط و کتابت کے ذریعہ وہ ایک دوسرے سے رابطہ قائم رکھتے ہی تھے، لیکن حج کے موقع پر ان کو ایک دوسرے سے بالمشافہ ملاقات کا موقع مل جاتا جب وہ سر جوڑ کر بیٹھتے اور اپنی باغیانہ سرگرمیوں کا جائزہ لیتے، اور اپنی حکومت دشمن پالیسی میں ضروری ترمیم و تنسیخ کرتے، اس کے علاوہ مدینہ کے بڑے صحابہ سے بھی ملاقات ہو جاتی اور ان کے مشورہ سے بھی استفادہ کیا جاتا، ان مخالف پارٹیوں نے عثمان غنی کی مزعومہ بدعنوانیوں کی ایک فہرست تیار کی اور ان کا ایک وفد مدینہ آیا اور خلیفہ سے مطالبہ کیا کہ اپنی بدعنوانیوں[1] کی صفائی پیش کریں، اس کارروائی سے ان کا مقصد عثمان غنی کو بدنام کرنا اور پروپیگنڈے کے لئے نیا مواد فراہم کرنا تھا، عثمان غنی نے سارے اعتراضوں کا ایک ایک کر کے جواب دیا اور ایسا جو ہر اس شخص کو جس کی آنکھوں پر پارٹی وفاداری یا ذاتی منفعت یا محدود مفاد کی عینک نہ ہوتی، مطمئن کر سکتا تھا لیکن یہ لیڈر مطمئن تو کیا ہوتے الٹا انہوں نے عثمان غنی کے جوابات کو عذرِ گناہ بدتر از گناہ سے تعبیر کیا اور اس عزم سے اپنے اپنے مرکزوں کو چلے گئے کہ اگلے سال موسمِ حج پر مسلح ہو کر آئیں گے اور خلیفہ کو بزورِ شمشیر معزول کر دیں گے۔

آٹھ نو ماہ کے مزید پروپیگنڈے کے بعد تینوں پارٹیاں مسلح ہو کر اپنے اپنے مرکزوں سے مدینہ کی طرف

---

[1] ان کا جائزہ لیا جا چکا ہے۔ دیکھئے ص ۶۷ - ۱۱۰

روانہ ہوئیں، ان کا مقصد عثمان غنی کو معزول کرنا تھا اگر راضی خوشی تیار نہ ہوں تو قتل کر کے، ہر پارٹی کی تعداد لگ بھگ چھ سو بتائی جاتی ہے، بصرہ پارٹی کے پانچ کمانڈر تھے جن میں سے ایک حکیم بن جبلہ تھا جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، کمان اعلیٰ ایک صحابی حرقوص بن زہیر کے ہاتھ میں تھی جو چند سال بعد علی حیدر کی خلافت میں ایک ممتاز خارجی لیڈر ہو کر مارے گئے، یہ پارٹی زبیر بن عوام کی طرف مائل تھی، بصرہ میں زبیرؓ کی کافی جائداد اور تجارت تھی اور وہاں کے عربوں کی ایک جماعت کو اُن کی مالی امداد نے اپنا وفادار بنا لیا تھا، کوفہ پارٹی کے پانچ کمانڈروں میں سے ایک اَشتر نخعی (صحابی) تھے جن کے بارہ میں آپ پہلے بہت کچھ پڑھ چکے ہیں، اس پارٹی پر طلحہ بن عُبید اللہ چھائے ہوئے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ کوفہ کے اندر اور باہر طلحہ کی کافی جائداد تھی جس کی آمدنی وہ اپنے بہت سے عقیدتمندوں پر صرف کرتے تھے مصر پارٹی میں متعدد صحابیوں کے علاوہ ابوبکر صدیقؓ کے صاحبزادے محمد اور ابن سبا شریک تھے، یہ پارٹی علی حیدر کو خلیفہ بنانا چاہتی تھی۔

تینوں پارٹیاں مدینہ کے باہر فروکش ہوئیں، ان کا ایک وفد خلیفہ کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ خلافت سے دست بردار ہو جایئے ورنہ ہم آپ کو قتل کر دیں گے، عثمان غنی خلافت سے دستبردار ہو جاتے، پیرانہ سالی میں اس سے ان کو کیا سکھ پہنچ رہا تھا لیکن ایک اصول عنان گیر تھا اور وہ یہ کہ اگر باغیوں کے دباؤ میں آکر انہوں نے خلافت چھوڑ دی تو یہ واقعہ ہمیشہ کے لئے ایک مثال بن جاتا اور اس کی آڑ لے کر باغی جب چاہیں گے خلیفہ کو معزول کر دیا کریں گے، ان کے بعض مشیروں نے جن میں عبد اللہ بن عمر شامل تھے ان کو یہی مشورہ دیا کہ خلافت نہ چھوڑیں چنانچہ انہوں نے انکار کر دیا، رہا قتل تو انہوں نے وفد کو خبردار کیا کہ اسلام میں جن باتوں سے قتل واجب ہوتا ہے ان میں سے کسی ایک کا میں مرتکب نہیں ہوا ہوں[1]"۔

واقعات کے اس مرحلہ پر پہنچ کر ہمارے رپورٹروں کی راہیں بدل جاتی ہیں، ایک مدرسۂ تاریخ کہتا ہے کہ عثمان غنیؓ نے دو صحابیوں (مغیرہ بن شعبہ اور عمرو بن عاص) کو باغیوں کے پاس اپنا نمائندہ

---

[1] سیف بن عمر تاریخ الامم ۵/۱۰۲ - ۱۰۴ -

بنا کر بھیجا اور کہلوا بھیجا کہ میں خلافت سے معزولی کا مطالبہ نہیں مان سکتا، آپ کی جو شکایتیں ہوں پیش کیجیے اُن کو قرآن و سنت کی روشنی میں دور کرنے کی کوشش کروں گا۔" باغیوں نے دونوں صحابیوں کو بُری طرح پھٹکارا، ان کی ایک نہ سنی اور معزولی کے مطالبہ پر اڑے رہے، عثمان غنیؓ علی حیدرؓ سے ملے اور ان سے کہا کہ باغی ایک سنگین مطالبہ کر رہے ہیں جس کو اگر مان لیا جائے تو ہمیشہ کے لئے خلافت سے جبری معزولی کا دروازہ کھل جائے گا اور خلیفہ کا رعب و وقار خاک میں مل جائے گا، آپ جا کر باغیوں کو سمجھایئے، میں قرآن و سنت کے مطابق عمل کرنے کو تیار ہوں"۔ علی حیدرؓ نے کہا: باغی اس وقت تک یہاں سے نہیں ہٹیں گے اور نہ آپ کی اطاعت کریں گے جب تک آپ ان کی شکایتیں دور کرنے کا وعدہ نہ کریں گے۔ عثمان غنیؓ: "میں شکایتیں دور کرنے کا وعدہ کرتا ہوں، آپ جا کر باغیوں سے کہہ دیجیے"۔ علی حیدرؓ کے مشورہ سے باغیوں نے معزولی کا مطالبہ چھوڑ دیا اور وثیقہ ذیل لکھ کر اس پر عثمان غنی کے دستخط کرا لئے اور اپنے اپنے شہروں کو لوٹ گئے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، عبداللہ عثمان امیر المومنین نے یہ تحریر ان مسلمانوں اور مومنوں کو بطور دستاویز دی ہے جو ان کے طرزِ عمل کے شاکی ہیں کہ میں

(۱) قرآن و سنت کے بموجب عمل کروں گا (۲) ناداروں اور محروموں کی سرکاری تنخواہیں مقرر کی جائیں گی (۳) خوفزدہ لوگوں کو امان دی جائے گی (۴) جلا وطنوں کو وطن لوٹایا جائے گا (۵) مسلمان فوجوں کو دشمن کی سرزمین میں وطن سے دور نہیں رکھا جائے گا (۶) مالِ غنیمت کی آمدنی بڑھائی جائے گی، علی بن ابی طالب اور مدینہ کے اکابر اس وثیقہ کی پابندی کرانے کا ذمہ لیتے ہیں، ذوالقعدہ ۳۵ھ [1]

ابن اعثم کوفی کے راویوں نے وثیقہ میں یہ ایک دفعہ اور بڑھا دی ہے:-

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو معزول کر کے محمد بن ابی بکر کو مصر کا گورنر مقرر کیا جاتا ہے۔[2]

انساب الاشراف میں ایک دوسری جگہ تصریح ہے کہ باغیوں نے عثمان غنیؓ سے مذکورہ بالا باتوں کے علاوہ ان دو کا بھی وعدہ لیا تھا:-

---

[1] انساب الاشراف ۵/۶۴ - [2] فتوح ابن اعثم کوفی قلمی ورق ۳۳۲ -

(۱) سرکاری آمدنی انصاف کے ساتھ تقسیم کی جائے گی (۲) سرکاری منصب امانتدار اور کارگذار لوگوں کو دیئے جائیں گے[1]

انساب الاشراف کی دوسری تصریح سے اس بات کی تائید نہیں ہوتی کہ یہ وعدے تحریری تھے۔

۶۱۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے نام

مصر پارٹی ابھی حجاز کی سرحد پار نہیں ہوئی تھی کہ ان کو راستہ میں ایک ٹولی ملی جو شتابہ انداز سے فسطاط کی طرف بھاگی چلی جا رہی تھی، انہوں نے اس کے لیڈر کو روکا اور اس سے بات چیت کی تو ان کا شبہ اور زیادہ پختہ ہو گیا، اس کا جھاڑ لیا گیا تو ذیل کا خط ایک خشک مشکیزہ سے نکلا:-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، جب عبدالرحمٰن بن عُدیس (صحابی) مصر پہنچے تو اس کو سو کوڑے مارنا، اس کا سر اور ڈاڑھی منڈوانا اور میرے اگلے حکم تک اس کو قید میں رکھنا، عمرو بن حمق (صحابی) اور سودان بن حُمران اور عُروہ بن بناع لیثی کو بھی یہی سزا دو"[2]

۶۲۔ خط کی دوسری شکل

"جب فلاں فلاں پہنچے تو اس کی گردن مار دینا اور فلاں فلاں کو یہ سزا دینا"

راوی۔ پارٹی میں صحابی اور تابعی دونوں تھے[3]

۶۳۔ خط کی تیسری شکل

"جب مصری دَل تمہارے پاس (فسطاط) پہنچے تو فلاں کا ہاتھ کاٹ ڈالنا، فلاں کو قتل کر دینا اور فلاں کو یہ سزا دینا" راوی۔ دَل کے اکثر افراد کے خط میں نام تھے اور ہر ایک کے لئے نوٰا فرداً سزا تجویز کی گئی تھی[4]

۶۴۔ خط کی چوتھی شکل

جب محمد بن ابی بکر اور فلاں فلاں اشخاص فسطاط پہنچیں تو ان کو کسی بہانے سے قتل

---

[1] انساب الاشراف ۵/۹۳۔ [2] واقدی تاریخ الامم ۵/۱۹۔ [3] محمد بن اسحاق تاریخ الامم ۵/۱۱۵
[4] مروج الذہب مسعودی حاشیہ تاریخ کامل ابن اثیر مصرہ ۱/۱۶۸۔

کرا دینا، ان کو جو دستاویز دی گئی ہے اس پر عمل نہ کرنا، میرے حکم ثانی تک اپنے عہدہ پر بدستور قائم رہو اور جو داد خواہی کے لیے تمہارے پاس آئے اس کو قید کر دو، اس کے بارے میں میں خود حکم دوں گا انشاء اللہ تعالیٰ!"[1]

۵۔ خط کی پانچویں شکل

"جب محمد اور فلاں فلاں آئیں تو ان کو قتل کر دو اور ان کو جو خط دیا گیا ہے اس کو منسوخ کر دو۔ اور میرا اگلا حکم آنے تک اپنے فرائض منصبی انجام دیتے رہو"[2]

خط پڑھ کر مصریوں کی آنکھوں میں خون اتر آیا، انہوں نے فوراً رخ بدلا اور مدینہ کی راہ لی، ان کے قاصد کوفہ اور بصرہ کی پارٹیوں کو بھی نئے حالات سے مطلع کر کے واپس لے آئے، سب نے بالاتفاق طے کیا کہ خلیفہ کو زندہ نہ چھوڑیں گے، ان کے لیڈر عثمان غنی سے ملے اور وہ خط دکھایا جو راستہ میں انہوں نے پکڑا تھا، عثمان غنی سخت حیران اور پریشان ہوئے، انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے نہ تو خود خط لکھا نہ کسی سے لکھوایا، اور نہ اس کا مجھے قطعاً علم ہے، باغی لیڈر: "ہم مانے لیتے ہیں کہ آپ نے خط نہیں لکھوایا لیکن اس سے آپ کی ذمہ داری کم نہیں ہوتی بلکہ اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ آپ میں حکومت کی صلاحیت نہیں، ایسا شخص منصب خلافت کا کیسے اہل ہو سکتا ہے جس کے متعلقین اس کے نام سے اور خلافت کی مہر لگا کر جو کارروائی چاہیں کر ڈالیں، آپ کو اس منصب سے ہٹانے کے لیے اس واقعہ سے زیادہ وزنی کوئی دلیل نہیں ہو سکتی"! باغیوں کا خیال تھا کہ عثمان غنیؓ کے چچا زاد بھائی مروان نے یہ خط لکھا تھا، لیکن ہم مروان کو نہ تو اتنا گستاخ اور خودسر سمجھتے ہیں کہ وہ خلیفہ کے ایک تحریری معاہدہ کو جس کے نفاذ کا بڑے صحابہ نے ذمہ لیا تھا توڑنے کی جرأت کرتے اور نہ اتنا کور فہم کہ خلافت کی ڈوبتی کشتی کو اس بے محل اشتعالی کارروائی سے تباہی کے اور زیادہ قریب کر دیتے۔

---

[1] العقد الفرید ابن عبد ربہ مصر ۱۹۱۳ء ۳/۸۰۔

[2] الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ مصر ۱۹۳۷ء ۱/۳۷۔

۶۶۔ صدر مقاموں کے مسلمانوں کے نام

باغیوں کے لیڈر شہر کے بڑے صحابہ سے ملے اور پکڑے ہوئے خط کا ذکر کر کے اُن کا غصہ ہوا شتعال بڑھایا، آن کی آن میں سارا مدینہ باغیوں کا ہمدرد اور عثمان غنی کا بدخواہ ہو گیا بس تھوڑے سے صحابہ اور ان کے متعلقین آخر وقت تک خلیفہ کی وفاداری اور خیر اندیشی کا دم بھرتے رہے، باغیوں نے عثمان غنی کی کوٹھی کا محاصرہ کر لیا، جمعہ آیا تو وہ نماز پڑھانے گئے، نماز کے بعد ایک تقریر میں باغیوں کو سمجھا رہے تھے کہ ان پر اینٹوں کی بارش ہونے لگی، وہ چوٹ کھا کر گرے اور بیہوش ہو گئے، اس کے باوجود انہوں نے مسجد جانا اور نماز پڑھانا نہ چھوڑا، محاصرہ کے بیس دن اور بقول بعض تیس دن تک وہ امامت کرتے رہے اس کے بعد باغیوں نے ان کا گھر سے نکلنا بھی بند کر دیا، شہر کے بہت سے غلام، حاسد اور ابن الوقت عملاً باغیوں کی صفوں میں داخل ہو گئے، عثمان غنی کے پاس کافی لوگ تھے جو باغیوں سے لڑ کر اپنی وفاداری کا ثبوت دینا چاہتے تھے لیکن عثمان غنی نے جنگ و پیکار کی بالکل ممانعت کر دی تھی، وہ چاہتے تھے کہ دوسرے مرکزوں سے بڑی تعداد میں مسلمان آجائیں اور باغیوں کو قائل معقول کر کے اپنے اپنے شہروں کو لوٹا دیں، اس مقصد کے لئے انہوں نے یہ مراسلہ بھیجا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم، اللہ عزوجل نے محمد کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا، انہوں نے خدا کے احکامات لوگوں کو پہنچا دیئے اور جب اپنا مشن پورا کر چکے تو ان کا انتقال ہو گیا، انہوں نے ہمارے لئے ایک کتاب چھوڑی جس میں جائز و ناجائز نیز ان امور کا ذکر تھا جو مقدر ہو چکے تھے، اور رحمٰن کو محمد نے لوگوں کی پسند و ناپسند سے بے نیاز ہو کر نافذ کیا، ان کے بعد ابو بکرؓ اور عمرؓ خلیفہ ہوئے، پھر مجھے میرے علم اور خواہش کے بغیر اصحاب شوریٰ میں داخل کیا گیا، انہوں نے خاص و عام کی متفقہ رائے اور میری بغیر خواہش مجھ کو خلیفہ منتخب کیا، خلیفہ ہو کر میں نے بھلے کام کئے اور ایسی روش اختیار نہیں کی جس پر کسی کو اعتراض یا ناگواری کا موقع ملتا، میں اپنے کاموں میں رسول اللہؐ اور شیخین کا تابع رہا اور خود متبوع بننے کی کوشش نہیں کی (دولت و فرصت پا کر) لوگوں کا میلان شر اور فتنہ کی طرف ہوا تو حسد

اور کینہ ان کے دلوں میں جاگ اٹھا اور ذاتی فائدہ کا بھوت ان کے سر پر سوار ہو گیا حالانکہ نہ تو میں نے قابل گرفت کوئی کام کیا اور نہ ماضی میں کبھی ایسے فعل کا مرتکب ہوا جس کے انتقام کی خلش دلوں میں ہوتی، کینہ اور حسد نے ان کو منافق بنا دیا، اُن کے دل میں کچھ ہوتا ہے اور زبان سے وہ کچھ کہتے ہیں، وہ ایسے کاموں پر مجھے بُرا بھلا کہنے لگے جن کو (ابوبکرؓ اور عمرؓ کے عہد میں) انہوں نے بخوشی قبول کر لیا تھا۔ اور ایسے فیصلوں پر مجھے مطعون کرتے جو نہایت مناسب ہوتے اور اہلِ مدینہ کے مشورہ سے کئے جاتے، سالوں میں ان کی نکتہ چینی اور عیب جوئی برداشت کرتا رہا، ان کی حرکتیں آنکھوں سے دیکھتا اور ان کی بے ہودگیاں کانوں سے سنتا لیکن سزا نہ دیتا، انہوں نے میرے صبر و تحمل کو کمزوری پر محمول کیا، ان کی جرأت اتنی بڑھی کہ انہوں نے رسول اللہؐ کے گھر، مزار اور ہجرتگاہ میں میرے اوپر حملہ کر دیا ہے، بہت سے بدو عرب ان کے ساتھ ہو گئے ہیں اور انہوں نے اُحزاب[1] یا ان عربوں کی طرح جو اُحد میں ہم پر حملہ آور ہوئے تھے، یورش کر دی ہے آپ میں سے جس جس کے لئے ممکن ہو میرے پاس آجائے۔ والسلام[2]

۶۷۔ مسلمانوں کے نام

ابنِ اعثم کوفی کے رپورٹروں نے محاصرہ سے پہلے باغی اکابر اور عثمان غنی کی ملاقات کا ذکر مختلف انداز میں کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ عثمان غنی مسجد گئے جہاں صحابہ اور باغی اکابر موجود تھے، ان کو مخاطب کر کے عثمان غنی نے کہا: میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے نہ تو خود خط لکھا اور نہ کسی سے لکھوایا، جو وعدہ میں نے پہلے آپ سے کیا تھا اس پر اب بھی قائم ہوں اور اس بات کا پھر اعادہ کرتا ہوں کہ میرا طرزِ عمل کتاب اللہ سنتِ نبی اور آپ کی منشاء اور مرضی کے مطابق ہوگا۔" ایک باغی لیڈر کھڑا ہوا اور بولا: "ہم تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں، ہمیں تمہاری قسم کا مطلق اعتبار نہیں!" اس کے بعد دوسرا لیڈر کھڑا ہوا اور بولا: "تم ہمارے قتل کا

---

[1] اُحزاب سے مراد یہ چھ قبیلے ہیں جو ۵ھ میں مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے: قریش، مُرّہ، غطفان، اشجع، اسد اور سُلیم۔

[2] سیف بن عمر۔ تاریخ الامم ۵/ ۱۰۵۔

حکم دے کر اب قسم کھاتے ہو، ہم تم کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔ خلیفہ کے کچھ آدمی اس گستاخ کی خبر لینے بڑھے لیکن باغیوں نے اس کو بچا لیا، کچھ شوریدہ سر خلیفہ کے آدمیوں پر ٹوٹ پڑے اور کچھ خلیفہ پر اینٹیں برسانے لگے، خلیفہ بے ہوش ہو گئے، جب ان کی طبیعت ٹھیک ہوئی تو انہوں نے باغیوں کی تالیفِ قلب کے لئے یہ تحریر قلمبند کی:-

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، عبداللہ عثمان امیر المومنین کی طرف سے سارے مسلمانوں اور مومنوں کے نام، سلام علیکم، اس خدا کی یاد دلاتا ہوں جس نے آپ کو ایمان و اسلام سے بہرہ ور کیا، کفر و شرک کے اندھیرے سے نکالا، جس نے روزی و خوشحالی کے دروازے آپ پر کھولے اور اپنی نعمتہائے گوناگوں اور عنایتہائے بوقلموں سے آپ کو سرفراز کیا۔

مسلمانو! خدا سے ڈرو جیسا ڈرنے کا حق ہے، تمہاری زندگی ایسی گذرنی چاہیئے کہ جب مرو تو حقیقۃً مسلمان ہو، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تقاضے ٹھیک ٹھیک پورے کرتے رہو تاکہ اخروی سرخروئی سے بہرہ ور ہو۔ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔ ان لوگوں کے نقشِ قدم پر مت چلو جو واضح دلیلوں کے بعد بھی باہمی پھوٹ اور جھگڑوں میں پڑ گئے، ایسے لوگوں کو سخت سزا دی جائے گی، دوسری جگہ خدا کہتا ہے، إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ جو لوگ تھوڑے سے فائدہ کی خاطر جھوٹی قسمیں کھائیں اور خدا کے نام پر کئے ہوئے عہد سے پھر جائیں وہ دنیا میں صفاتِ محمودہ سے اور آخرت میں لطف و مسرت سے بالکل محروم رہیں گے، قیامت کے دن خدا ان کی طرف دیکھنا یا ان سے ہمکلام ہونا تک گوارا نہ کرے گا اور ان کو دردناک سزا دی جائے گی۔" مسلمانو! خدا چاہتا ہے کہ تم فرماں بردار اور مطیع رہو معصیت اور باہمی اختلاف سے بچو، ماضی میں اسی لئے انبیاء بھیجے تاکہ صحیح اور غلط زندگی

میں امتیاز کرا سکیں، یاد رکھو کہ پچھلی قومیں اس وجہ سے تباہ ہوئیں کہ ان کا کوئی صحیح لیڈر اور رہنما نہ تھا اور وہ آپس میں لڑتی جھگڑتی تھیں، اگر تم نے اپنا بُرا ارادہ پورا کر کے مجھے قتل کر دیا تو ایک بڑے فتنہ کا دروازہ کھل جائے گا اور تم بہت سی حرام باتوں کے مرتکب ہو گے اور ایسے اندھیرے میں گھر جاؤ گے کہ نماز روزہ تک کی سُدھ نہ رہے گی، میں نے تمہاری خیر خواہی کا فرض ادا کر دیا ہے اور تم سے انہی باتوں کا طالب ہوں جن کا خدا نے تم کو حکم دیا ہے، میں تم کو اس انجام سے ڈراتا ہوں جس سے خدا نے ڈرایا ہے، میں تم کو وہ بات یاد دلاتا ہوں جو پیغمبر شعیب نے اپنی قوم کے مخالفوں سے کہی تھی اور جس کا قرآن میں ذکر ہے: یَا قَوْمِ لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شِقَاقِیْٓ اَنْ یُّصِیْبَکُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ ھُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْکُمْ بِبَعِیْدٍ۔
مخالفو! خبردار میری مخالفت کی پاداش میں تم پر کہیں وہ مصیبت نہ نازل ہو جائے جو نوح، ہود اور صالح کی قوموں پر نازل ہوئی اور پیغمبر لوط کی قوم کا جو حشر ہوا وہ کوئی بہت پرانی بات نہیں ہے:

"لوگو! میں تمہاری شکایتیں دور کر تا رہا ہوں، میں تم کو مطمئن رکھنا چاہتا ہوں، میں کتاب اللہ اور سنتِ نبی کے مطابق عمل کروں گا، میرا طرزِ عمل ستودہ اور سلوک اچھا ہو گا، جس گورنر کو تم ناپسند کرو گے اس کو معزول کر دوں گا اور جس کو چاہو گے گورنر بنا دوں گا، میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ میری روش ویسی ہی ہو گی جیسی شیخین کی تھی اور میں اپنے مقتدر رہبران کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کروں گا، یہ بات تم کو نہ بھولنا چاہیئے کہ انسان غلطیاں کرتا ہے اور میرے گورنر بھی غلطیوں سے مبرا نہیں، اس تحریر کے ذریعہ میں خدا اور سارے مسلمانوں کے سامنے معذرت خواہ ہوں، تم کو جو باتیں ناپسند تھیں یا ہیں وہ بخدا چھوڑ دوں گا اور کوئی ایسی بات نہ کروں گا جو تم کو ناگوار ہو گی خدا اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ میرے اور تمہارے قصور

معاف کردے گا؛ والسلام[1]"

۶۸- عبداللہ بن عامر اور معاویہ بن ابی سفیان کے نام

فتوح ابن اعثم کے رپورٹر اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ عثمان غنیؓ نے مذکورہ بالا تحریر باغی اکابر کے پاس بھیج دی لیکن اس کو پڑھ کر ان کا دل ذرا نہ پسیجا اور وہ اپنے اس ارادہ پر اڑے رہے کہ اگر خلیفہ خلافت سے دست بردار نہ ہوا تو اس کو قتل کر دیں گے، اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے انہوں نے عثمان غنی کے مکان کا محاصرہ کر لیا، عثمان غنی جب اکابر صحابہ کی طرف سے بالکل مایوس ہو گئے تو انہوں نے بصرہ کے گورنر عبداللہ بن عامر اور شام کے حاکم اعلیٰ معاویہ بن ابی سفیان کو یہ مراسلہ بھیجا۔

"واضح ہو کہ مدینہ، بصرہ اور کوفہ کے ظالموں، سرکشوں اور باغیوں کی ایک جماعت نے مجھ پر چڑھائی کر دی ہے اور مجھے گھیر لیا ہے، مروان کو نہ پاکر (!) میرے گھر کا سخت محاصرہ کر لیا ہے، میں ہر چند ان کو سمجھاتا بجھاتا ہوں، ان کو راضی اور مطمئن کرنے کا وعدہ کرتا ہوں، کتاب اللہ اور سنت نبی پر عمل کرنے کا عہد کرتا ہوں لیکن وہ کچھ نہیں سنتے انہوں نے مجھے معزول یا قتل کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے، میں مرنا پسند کروں گا لیکن خلافت سے معزولی کا مطالبہ نہیں مان سکتا، یہ ہیں حالات، جلد میری مدد کرو اور بہادروں کا ایک دل لے کر آ جاؤ، امید ہے تمہاری مدد سے خدا باغیوں اور حاسدوں کی اس مصیبت سے مجھے نجات دلائے گا، والسلام[2]"

۶۹- خط کی دوسری شکل

مورخ محمد بن سائب کلبی نے مذکورہ خط کا مضمون ان الفاظ میں پیش کیا ہے اور تصریح کی ہے کہ خط امیر معاویہ کو لکھا گیا تھا:-

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، واضح ہو کہ اہل مدینہ نے کفران نعمت کیا ہے، نافرمان ہو گئے ہیں اور میری بیعت توڑ دی ہے، شام کے مجاہدوں کی ایک فوج میری مدد کو بھیج دو[3]"

---

[1] فتوح ابن اعثم کوفی قلمی ورق ۳۳۰-۳۳۹۔ [2] فتوح ابن اعثم کوفی ورق ۳۳۹۔ [3] تاریخ الاسلام ۱۱۵/۲۔

۷۰۔ خط کی تیسری شکل

ابن قتیبہ نے امیر معاویہؓ کو بھیجے ہوئے خط کا مضمون اور زیادہ مختلف بیان کیا ہے :۔

"واضح ہو کہ میں ایسے لوگوں میں ہوں جو میری زندگی سے اُکتا گئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ میں جلد از جلد ختم ہو جاؤں، کہتے ہیں کہ تم گویا تو ایک کمزور اور بوڑھے اونٹ پر سوار رکھیں گے[1] اور اگر میں اس کے لئے تیار نہ ہوں تو ان کا مطالبہ ہے کہ میں خلافت سے دستبردار ہو جاؤں اور جس جس کو میں نے قتل کیا ہے[2] اس کا قصاص دوں حالانکہ جس کے ہاتھ میں اقتدار کی باگ ڈور ہوتی ہے اس سے صحیح اور غلط دونوں طرح کے کام سرزد ہوتے ہیں، مدد، مدد، اپنے خلیفہ کی مدد، جلدی کرو، معاویہؓ جلدی کرو، آجاؤ، ضرور آجاؤ، لیکن مجھے امید نہیں کہ تم آؤ گے[3]!"

۷۱۔ باغیوں کے نام

بعض رپورٹر کہتے ہیں کہ محاصرہ کے ایام میں ایک دن عثمان غنیؓ نے سنا کہ باغی چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں کہ ہم خلیفہ کو قتل کر دیں گے۔ عثمان غنیؓ: حاضرین سے مخاطب ہو کر: مجھے قتل کر دیں گے' میں جو اولین مسلمانوں میں سے ہوں، جس سے رسول اللہؐ تاحیات خوش رہے، ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی! میرا قتل کیسے جائز ہے! انہوں نے باغیوں کی استمالت کے لئے ایک خط لکھوایا اور عبداللہ بن زبیرؓ سے کہا کہ جا کر باغیوں کو بآواز بلند سنا دو، ابن زبیرؓ گئے لیکن باغیوں نے اس خط کو نہ پڑھنے دیا تاہم وہ ڈٹے رہے اور کسی نہ کسی طرح اونچی آواز سے پڑھ ہی ڈالا خط کے کچھ حصے محفوظ نہیں رہے :۔

"..... میں ان سب باتوں سے محترز رہنے کا وعدہ کرتا ہوں جو آپ کو ناپسند ہیں اور ہر غلط کام سے جو مجھ سے سرزد ہوا ہو توبہ کرتا ہوں، میں عہد کرتا ہوں کہ صرف رسول اللہؐ کی بیویوں اور آپ کے اصحاب رائے کی صوابدید سے کام کروں گا، لیکن میں اس قمیص

---

[1] کٹھ پتلی کی طرح اپنے اشاروں پر چلانا چاہتے ہیں۔ [2] جہاں تک ہمیں معلوم ہے عثمان غنیؓ پر قتل کا کوئی الزام نہ تھا

[3] الامامہ والسیاسہ ص۳۶۔

(خلافت) کو نہیں اُتار سکتا جو خدا نے مجھے پہنائی ہے، اسی طرح آپ کو اپنی بیعت کی ذمہ داریوں سے بھی معاف نہیں کر سکتا۔[1]

۷۲. علی ابن ابی طالبؑ کے نام

محاصرے سے پہلے عثمان غنیؓ کی علی حیدرؓ سے ملاقات ہوتی رہتی تھی، کبھی علی حیدرؓ عثمان غنیؓ کی کوٹھی پر احتجاج و شکایت کرنے آتے اور کبھی عثمان غنیؓ علی حیدرؓ کے گھر عیادت، احتجاج شکایت یا تالیفِ قلب کے لیے جاتے، محاصرہ کے بعد یہ رابطہ ٹوٹ گیا، اس کا سبب ایک مدرسۂ تاریخ کی رائے کے مطابق یہ تھا کہ علی حیدرؓ عثمان غنیؓ سے سخت ناراض ہو گئے تھے اور ان کے ساتھ مکمل ترکِ موالات کا عہد کر لیا تھا، ناراضی کی وجہ یہ تھی کہ جب پہلی بار باغی محاصرہ کے ارادہ سے آئے تو عثمان غنیؓ نے علی حیدرؓ کو بلایا اور ان سے خود ملنے گئے اور کہا کہ آپ باغیوں کو سمجھا بجھا کر دفع کر دیجئے، علی حیدرؓ نے کہا: آپ ان کی شکایتیں دور کرنے کا وعدہ کریں گے تب ہی وہ واپس ہوں گے، عثمان غنیؓ نے وعدہ کر لیا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک دستاویز لکھ دی جیسا کہ آپ اوپر پڑھ چکے ہیں باغی لوٹ گئے، مروان اور عثمان غنیؓ کے دوسرے مشیروں نے جو باغیوں کے ساتھ سمجھوتہ کرنے یا ان کے مطالبات ماننے کے خلاف تھے عثمان غنیؓ کو اپنا وعدہ پورا کرنے سے باز رکھا، علی حیدرؓ کو یہ معلوم ہوا تو وہ بہت بگڑے اور عثمان غنیؓ سے بات چیت کرنے کی قسم کھالی۔

عثمان غنی سے رابطہ ٹوٹنے کے موضوع پر دوسرا قول یہ ہے کہ محاصرہ سے ذرا پہلے علی حیدر باغی اکابر سے ناراض ہو کر مدینہ سے باہر کسی گاؤں چلے گئے تھے، ناراضی کا سبب یہ تھا کہ باغی وہ خط لے کر جس میں اُن کے قتل کا حکم تھا علی حیدرؓ کے پاس آئے اور ان کو خط دکھا کر کہا: "اب آپ کو کوئی عذر نہ ہونا چاہیئے، اس خط نے خلیفہ کا خون مباح کر دیا ہے، چلیے ہماری قیادت کیجیے" علی حیدرؓ تیار نہ ہوئے تو باغیوں نے کہا: پھر آپ نے ہمیں خط کیوں لکھے تھے؟" علی حیدر نے اس سے انکار کیا تو وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور بولے: ہم ان کی خاطر لڑ رہے ہیں اور یہ ایسی باتیں

---

[1] انساب الاشراف ۵/ ۹۰

کرتے ہیں، علی حیدرؓ ناراض ہو گئے اور مضافات مدینہ کے کسی گاؤں کو چلے گئے۔

بعض رپورٹر کہتے ہیں کہ محاصرہ کے دوران علی حیدرؓ اپنی جاگیر ینبع میں تھے (ینبع مدینہ کے مغرب میں سات مرحلے (لگ بھگ دو سو میل) دور ایک شاداب نخلستان تھا، اپنی رائے کی تائید میں ہمارے رپورٹر عبداللہ بن عباس کا یہ بیان پیش کرتے ہیں: مجھے عثمان غنیؓ نے بلایا اور کہا: اپنے چچازاد بھائی (علیؓ) کو سمجھاؤ کہ میری مخالفت سے باز آئیں۔ میں نے کہا: علیؓ ایسے آدمی نہیں جن کو کوئی مشورہ دیا جائے وہ اپنی صوابدید کے مطابق کام کرتے ہیں، آپ جو چاہتے ہوں کہیئے میں ان کو پہنچا دوں گا۔" عثمان غنی: ان سے کہہ دو کہ ینبع چلے جائیں تاکہ مجھے ان کی حرکتوں (مخالفت اور اشتعال انگیزی) سے دکھ اور ان کو میرے کاموں سے کوفت نہ ہو۔" میں نے علیؓ کو یہ پیغام پہنچا دیا" وہ ینبع چلے گئے، جب محاصرہ سخت ہو گیا تو عثمان غنیؓ نے ان کو یہ خط لکھا:۔

واضح ہو کہ باڑہ کا پانی ٹیلہ تک پہنچ گیا ہے اور (اونٹ کے پالان کا) تسمہ تھنوں کے پیچھے جا پڑا ہے[۱] اور وہ لوگ مجھے مارنے کے درپے ہیں جو اپنی حفاظت سے قاصر تھے، وانک لم یعجز علیک کعاجز ضعیف ولم یغلبک مثل مغلب شریفوں کے لئے گھٹیا اور ادنیٰ لوگوں سے نمٹنا اور عہدہ برآ ہونا بے حد مشکل ہوتا ہے۔ میرے پاس آجاؤ جس ادھر سے بھی چاہو، دوست بن کر یا دشمن، حامی بن کر یا مخالف۔

فان کنت ماکولاً فکن أنت آکلی   والا فأدرکنی ولمّا أمزّقِ

اگر مجھے قتل کرنا ہے تو تم مجھ کو قتل کرو   ورنہ اگر مجھے بچالو اس سے پہلے کہ میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں[۲]

ایک رپورٹ یہ ہے کہ عثمان غنی نے خط نہیں بلکہ ایک معزز قریشی کی معرفت خط سے ملتا جلتا پیغام

---

[۱] بلغ السیل الزبٰی وجاوز الحزام الطبیین۔ دو عرب کہاوتیں جو کسی حادثہ کے نازک ہونے کے موقع پر استعمال کی جاتی ہیں، اونٹ کے پالان کا تسمہ جب ڈھیلا ہوتے ہوتے اس کے تھنوں کے پیچھے جا پہنچے تو کجاوہ نیچے آگرتا ہے اور یہ اونٹ سوار کے لئے ایک سخت حادثہ ہے۔ [۲] العقد الفرید ۳/۹۳ وکنز العمال ۶/۳۸۹ نیز کامل مبرد مصر ۱/۹ والامامہ والسیاسہ ۱/۳۴ وصبح الاعشیٰ قلقشندی پہلا مصری ایڈیشن ۹/۸۸–۸۹ تغیر

بھیجا تھا، جس میں شاعر مُمَزَّق عبدی کا: فان کنت ماکولا ... والا شعر بھی تھا۔[۱]

رہا یہ سوال کہ محاصرہ کے دوران علیؓ حیدر کہاں تھے، ینبع میں یا مدینہ میں تو اس کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ وہ مدینہ میں موجود تھے اور مسجد نبوی میں نماز پڑھتے تھے، ابو مخنف ازدی: وصلی علی بالناس یوم النحر وعثمان محصور فبعث إلیه عثمان ببیت الممزق العبدی، صحابی مُغیرہ بن شُعبہ نے ان کو مشورہ دیا کہ کہیں باہر چلے جائیے ورنہ آپ پر عثمان غنی کے قتل میں شرکت کا الزام لگے گا تو انہوں نے یہ مشورہ رد کر دیا تھا، قیاس بھی تسلیم نہیں کرتا کہ ایک امیدوار خلافت جو حکومت وامامت کے معاملات سے شدید ترین دلچسپی لے رہا تھا اس کے آخری اور فیصلہ کن مرحلوں میں میدان چھوڑ کر مدینہ سے باہر چلا جاتا، عثمان غنی کے بعد ان کی بیوی نائلہ نے امیر معاویہ کو جو خط لکھا تھا اس میں بھی اس بات کی صاف تصریح ہے کہ وہ مدینہ میں موجود تھے، (وکان علی مع المحضوبین من أهل المدینة) اور انہوں نے عثمان غنی کی مدد نہیں کی تھی یہ الفاظ ہیں اغانی میں منقولہ خط کے لیکن اس خط کا جو نسخہ ہم نے العقد الفرید میں دیکھا اس کے الفاظ سے صرف یہی ظاہر نہیں ہوتا کہ علیؓ حیدر مدینہ میں موجود تھے بلکہ اس بات کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ وہ باغیوں کی قیادت کر رہے تھے۔ و أهل مصر قد أسندوا أمرهم إلی علی ومحمد بن أبی بکر وعمار بن یاسر وطلحة والزبیر۔[۲]

۱ انساب الاشراف ۵/۷۷، ۱۰۱ - ۲ اغانی ۱۶/۲۰۷، والعقد الفرید ۳/۸۱ -

اِشاریہ

الف

(ب)

اغلاط

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷	۱۱	ورعلی	اورعلی
۱۰	۱۴	نقابل	تقابل
۱۱	۳	بدی	بَدَوِی
۱۲	۳	جنار	اخبار
۱۴	۲۰	سنن	سُنن
۱۵	۱۶	لیا	کیا
۲۰	۳	نیوں	کنیسوں
۲۳	۱۵	ام کلثومؓ	ام کلثوم
۳۴	۸	لک	مالک
۴۴	۳	عبداللہ ابن عباص	عبداللہ بن عباس
۹۰	۱۲	قصما	قصراً
۹۰	۱۲	لیعلموا	لیعملوا
۹۱	۱۷	کتجیرہ[a]	اجواد[a] (سطر۱۶)
۱۰۲	۱۱	سجاج	حجاج
۱۰۶	۸	بن مسعود	ابن مسعود
۱۷۱	۱۷	سعد	سعید
۱۷۸	۳	عبداللہ بن مسعود	عبداللہ بن سعد